



## دیباچہ

یہ امر مسلم ہے کہ ہندوستان کے ہر طبقہ کے مسلمانوں کو سلطنت عثمانیہ کے ساتھ مختلف اسباب سے ایک خاص قسم کی دلچسپی ہے۔ لیکن باوجود اس دلچسپی کے بہت کم لوگ ایسے ملین گے جو سلطنت مذکورہ کے اصلی اور حقیقی حالات سے واقف ہوں۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ایک ایسا نقشہ مرتب کیا جائے جس سے عام لوگوں کو سلطنت عثمانیہ کی وسعت آبادی اور طاقت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

سلطنت عثمانیہ میں یورپ کے جنوبی اور مشرقی ممالک داخل ہیں۔ اور ایشیا کے مغربی۔ اور آفریقہ کے تمام شمالی ممالک شامل ہیں انہیں سے بعض سلطان کی راست حکومت میں ہیں۔ اور بعض کو جدا گانہ حکومت کا اختیار دیا گیا ہے اور چند ممالک پر ایسے خود مختار موروثی حکمران ہیں جو سلطان کے باجگزار ہیں سلطنت عثمانیہ کا موجودہ رقبہ تقریباً ۱۶ لاکھ ۹۷ ہزار ایک سو پچاس مربع میل اور اس کی آبادی ۲۴ کروڑ ۲۳ لاکھ ۶۴ ہزار چالیس کو جانی ہے۔

## یورپی حصہ کی آبادی اور رقبہ

نام ملک	رقبہ مربع میل	آبادی
قطنینہ	۱۱۰۰	۱۲۰۰۰۰
ایڈ۔ مائچل	۱۲۸۰۰	۵۶۰۰۰
سانوینکا و کوسوود	۱۵۰۰۰	۱۵۵۰۰۰
جنینا	۱۳۰۰۰	۳۹۰۰۰
ستوٹری	۳۸۰۰	۲۳۰۰۰۰
کینڈیا و دیگر ۹ اتر	۳۴۰۰	۱۹۰۰۰۰
جلو زیر راست حکومت سلطان	۷۶۷۰۰	۵۷۲۰۰۰۰
بلغیریا (باگڈار)	۲۴۳۰۰	۲۰۰۹۰۰۰
مشرقی روملیا (تھوٹھار)	۱۵۰۰۰	۹۷۵۰۰۰
بوسنیا۔ بڑی گونیا و نومی بازار (حوالہ سلطنت ایشٹریا)	۲۳۵۷۰	۱۰۲۰۷۰۰۰
جلو بعد جنگ ۱۹۱۴ء	۱۳۸۵۷۰	۱۵۰۴۰۰۰
دبروجہ (حوالہ روملیا)	۴۲۰۰	۱۵۰۰۰۰
نیش (حوالہ سردیا)	۴۲۵۰	۳۶۷۰۰۰
دسگو (حوالہ مانیٹگرہ)	۲۰۰۰	۱۱۶۰۰۰
اجزائی ہسلی و چیرس (حوالہ یونان)	۲۰۰۰	۱۰۰۰۰۰
جلو قبل جنگ ۱۹۱۴ء	۱۵۱۰۲۰	۱۰۹۴۰۰۰۰

سلطنت عثمانیہ کی طاقت کا اصلی مرکز ایشیائی حصہ ہے جس میں ترک تعداد اور قوت کے لحاظ سے تمام قوموں کے مجموعی تعداد سے جواہر حصہ میں آباد ہیں بڑے بڑے ہوسے پن۔ گزشتہ لڑائیں اس حصہ میں سے ایک چوتھاسا ضلع قطور جو شرقی سرحد پر واقع ہے اہل ایران کو اور اضلاع کاوس اور باطلیم روس کو اور جزیرہ سیامپرس انگلستان کو دینا پڑا ہے۔ یہ ملک انتظامی اغراض سے ۲۰ صوبوں پر تقسیم ہے جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہو گیا۔

### ایشیائی حصہ کی آبادی و رقبہ

نام ملک	نام صوبہ	رقبہ مربع میل	آبادی
ایشیائی کوئٹہ	بروسا وغیرہ	۳۲۰۰۰	۱۹۰۰۰۰۰
	ایدن (سمرنا)	۲۳۰۰۰	۱۶۱۰۰۰۰
	کستاننی	۲۱۰۰۰	۱۲۶۰۰۰۰
	انگورا	۲۷۰۰۰	۸۶۰۰۰۰
	قونیہ	۳۹۰۰۰	۱۲۸۰۰۰۰
	ادانا	۱۶۰۰۰	۴۷۰۰۰۰
	سیواس معوجیک	۲۶۰۰۰	۱۷۷۰۰۰۰
ایشیائی کوئٹہ	تبریز و تہران	۱۳۰۰۰	۱۰۱۰۰۰۰
	ارض روم و دوان	۴۰۰۰۰	۱۵۸۳۰۰۰
	دیار بکر و غیرہ	۳۸۰۰۰	۵۶۰۰۰۰۰

۲۷۵۰۰۰۰ ۱۰۰۰۰۰	بغداد	عراق عرب
۱۰۸۵۰۰۰ ۳۱۰۰۰	بصرہ مواعکھا	
۱۷۵۰۰۰۰ ۲۶۰۰۰	حلب	شلم فلسطین
۱۵۶۰۰۰۰	دشق	
۲۵۰۰۰۰ } ۳۵۰۰۰	لبنان	
۳۹۰۰۰۰	بیت المقدس	
۷۲۰۰۰۰	حجاز	سور
۸۳۰۰۰۰ } ۲۰۰۰۰	بین	
۵۲۵۰۰۰ ۱۷۰۰	جزائر	
۴۱۰۰۰ ۲۱۰	سواس	
۲۳۵۰۰ ۳۶۷۰	سائیریں	
۲۲۳۳۹۰۰۰ ۶۹۱۵۸۰	جملہ	

شرقی سوڈان ۱۸۸۷ء عیسوی سے مہدی کی قبضہ میں ہے۔ اور تونس پر  
۱۸۸۱ء عیسوی سے فرانسیسی قابض ہیں۔ افریقہ کے جو حصے فی الحال  
سلطان کے زیر حکومت خیال کئے جاتے ہیں وہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔



نام ملک	رقبہ مربع میل	آبادی
طرابلس و باریکا و فیز	۴۸۵۰۰۰	۱۰۰۰۰۰
مصر (جولائی ۱۸۸۱ء) خود مختار ہے مگر ۶۹۵۰۰۰ پونڈ سالانہ بطور خراج کے دیتا ہے	۳۷۴۰۰۰	۶۸۰۰۰
جملہ	۸۶۲۰۰۰	۷۸۰۰۰۰۰

مالی حالت | عبدالعزیز خان مرحوم کی سوتائیں بیرون اور گزشتہ جنگ کے کثیر اخراجات کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ اس قدر زیر بار ہو گئی تھی کہ کشتیاء ملک وہ تقریباً دیوالیہ خیال کیجاتی ہے۔ لیکن موجودہ سلطان کی ذالی قدر کوششوں نے اس حالت کو بالکل بدل دیا اور اب مالی دنیا میں پہلو و سکی ایک سا کہہ قائم ہو گئی ہے اگرچہ آمدنی اور اخراجات کا صحیح اندازہ کرنا کہ یہ قدر مشکل ہے مگر مختلف سفارتوں کی مالی رپورٹوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تخمینہ طور سے سلطنت کی آمدنی ۶۸ کروڑ ۶۸ لاکھ ۳۴ ہزار ۳ سو سو ستر سٹھ پونڈ سالانہ (یعنی بحال پندرہ روپے فی پونڈ تقسیمیتاً ۲۶ کروڑ روپیہ) سکا انگریزی ہے اور خراج کا بھی اس قدر تخمینہ کیا جاتا ہے۔ قرض اگرچہ بہت کچھ ادا ہو چکا ہے لیکن اب بھی ایک کثیر رقم واجب الادا ہے۔

برسی موج ۱۸۸۱ء تک اہل اسلام رعایا میں سے صرف ۴۵ ہزار آدمی جلی عمر اٹھا رسال سے زیادہ نہیں ہوتی تھی بذریعہ قرضہ کے ہر سال بہتی کو جاتی تھی

لیکن سال مذکور کے اخیر میں تمام تندرست اور صحیح القوسے مسلمانوں کو تھوڑے عرصہ کے لئے فوج میں بہرتی ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ مگر اس خدمت سے خاص قسطنطنیہ اور ارباؤ کے گرد و نواح کے باشندے معاف ہیں۔ غیر مذکورہ والوں سے اس خدمت کے معاوضہ میں فی شخص تقریباً ہشت لاکھ سالانہ لیا جاتا ہے۔ - - - - - علماء اور نیز وہ لوگ جنکی ذات سے خاندان کی پرورش متعلق ہوتی ہے اس فوجی خدمت سے معاف ہیں۔ - - - - - بقیہ اہل اسلام دو جماعتوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں جو ترتیب اول اور ترتیب دوم کے نام سے موسوم ہیں موجودہ انتظام کے موافق تمام فوج تین حصوں میں منقسم ہے۔ نظام (یعنی قاعدہ) روٹیف اور مستحفظ۔ - - - - - جب قدر آدمیوں کی فوج نظام میں سالانہ ضرورت ہوتی ہے وہ ترتیب اول سے بہرتی کئے جاتے ہیں اور انکو بیس برس تک کام دینا ہوتا ہے اول چہ سال نظام اور فرسٹ رینڈو (احتیاط) میں اٹھ سال روٹیف اور چہ سال مستحفظ ہیں۔ ترتیب دوم کو اولاً نو مہینے فوج نظام کے ساتھ قواعد سیکنی پڑتی ہے بعد اسکے وہ لوگ اپنے اپنے وطن کو واپس کر دئے جاتے ہیں لیکن ہر سال میں ایک ماہ تک انکو اپنے اپنے اضلاع میں قواعد دینی ہوتی ہے ضرورت کی وقت یہ لوگ فوج نظام میں شامل ہونے کے لئے فوراً طلب ہو سکتے ہیں اس طریقہ کے جاری ہونے سے تمام اہل اسلام جو مالک عثمانیہ میں رہتے ہیں قواعد دان ہوتے جاتے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد سلطنت عثمانیہ ۸ لاکھ قواعد دان فوج میدان جنگ میں لانے کے قابل ہو جائیگی۔ فوج نظام کی موجودہ تعداد یہ ہے

۲۷۸ پلٹن یا ۱۹۲ رسالے ۱۵۶ توپخانے (ہر توپخانہ ۵ توپوں کا)  
۳۰ کوہستانی توپخانے ۶ پلٹن سفرنیا ۵ ہزار گولہ انداز جو قلعوں پر  
موجود ہیں۔ ان سب کی تعداد دس ہزار افسر اور ۸۰ لاکھ ۸۰ ہزار سپاہی  
ہوتی ہے۔

یہ فوج مفصلہ ذیل چاروں پر تقسیم ہے۔

قسطنطنیہ ایدر بانویل۔ منہستر۔ ارض روم۔ بیروت  
بغداد۔ سینا۔ طرابلس۔ حار۔ کریٹ۔

بحری فوج | ایک زمانہ میں ترکوں کی بحری قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی  
کہ یورپ کی تمام بحری قوتیں ملکر اوسکا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ لیکن بری  
فوج کی طرح اوس میں بھی تنزل ہو گیا۔ فی الحال سلطان کے قبضہ  
میں ۱۵ جنگی جہاز ۱۶۸ اسٹیمر ۴۴ تارپیڈو بوٹ ہیں اور طاعون غیر  
کی تعداد ۱۲ ہزار خیال کی جاتی ہے۔

ہم اس مقام پر یورپ اور ایشیا کی دوسری مشہور سلطنتوں کی مدنی  
اور فوجی طاقت درج کرتے ہیں تاکہ شائقین کو سلطنت عثمانیہ کی آمدنی  
اور طاقت سے مقابل اور موازنہ کرنے میں آسانی ہو۔

نام سلطنت	آمدنی سالانہ	فوج باقاعدہ جہازات	بحری طاقت کجاست
فرانس	۱۲ کروڑ ۹۰ لاکھ ۶ ہزار پونڈ	۵۷ لاکھ ۸۵ ہزار سو	۴۳۲ جہاز مختلف قسم ۲۵ ہزار سو طاح وغیرہ
روس	۱۰ کروڑ ۹۵ لاکھ ۱۰ ہزار پونڈ	۱۰ لاکھ ۱۲ ہزار	تقریباً ۵۰۰ جہاز مختلف اقسام ۲۵ ہزار سو طاح وغیرہ
انگلستان	۱۰ کروڑ ۹۳ لاکھ ۴ ہزار پونڈ	۱۱ لاکھ ۹۲ ہزار پونڈ فوج ہندوستان میں موجود	۲۶۷ جہاز عمدہ ۱۷ ہزار طاح وغیرہ
اطالیہ	۶ کروڑ ۷۰ لاکھ ۳۳ ہزار پونڈ	۲ لاکھ ۵۵ ہزار سو	۲۳۰ ۱۰ ہزار طاح وغیرہ
جرمن	۶ کروڑ ۴ لاکھ ۲۶ ہزار ۸ سو پونڈ	۱۱ لاکھ ۹ ہزار سو	۲۱۱ جہاز ۱۷ ہزار طاح
آسٹریا و ہنگری	۱۰ کروڑ ۵۲ لاکھ ۳۳ ہزار پونڈ	۲ لاکھ ۳۲ ہزار سو	۱۱۸ جہاز ۸ ہزار سو
چین	۲ کروڑ ۱۰ لاکھ ۳۲ ہزار پونڈ	۳ لاکھ ۲۳ ہزار سو	نامعلوم
ایران	۲۴ لاکھ پونڈ	تقریباً ۱۱ لاکھ فوج باقاعدہ و بیقاعدہ وغیرہ	۲۰ جہاز
(ماحولیاتی و فوجی ایسٹیمٹس کے لیے ۱۹۱۱ء)			

ملک کا عام قانون شریعتِ حق ہے۔ سلطان اگر یہ خود  
 اختیار ہوتا ہے لیکن شریعت کے خلاف ملک میں کوئی قانون جاری نہیں کر  
 صدر اعظم یعنی وزیر کا انتخاب اور تقرر سلطان کے اختیار میں ہے مگر شیخ الاسلام  
 کے تقرر میں جو بنیئرہ وزیر امور مذہبی ہے مشاہیر علماء سے استمراج ضرور خیال  
 کیا جاتا ہے سلطنت کے امور معاملات بغرض انہماک اسے پر ایو می کوئل میں  
 مجلس خاص کے نام سے موسوم ہے پیش ہوتے ہیں۔ اس مجلس کا  
 صدر نشین وزیر اعظم ہوتا ہے اور مفصلہ ذیل عہدہ دار بطور ممبروں کے  
 شریک ہوتے ہیں۔ ۱۔ شیخ الاسلام ۲۔ وزیر امور داخلہ ۳۔ وزیر  
 امور خارجہ ۴۔ وزیر صیغہ جنگ ۵۔ وزیر صیغہ مال ۶۔ وزیر صیغہ افواج  
 بحری ۷۔ وزیر صیغہ تجارت ۸۔ وزیر صیغہ تعمیرات عامہ ۹۔ وزیر صیغہ  
 عدالت ۱۰۔ وزیر صیغہ تعلیمات ۱۱۔ وزیر صیغہ اوقاف ۱۲۔ کمانڈر انچیف  
 تمام ملک انتظامی غرض سے ولایتوں، سبخوں و غیرہ میں تقسیم ہے۔ ہر  
 ہر ایک والی بدو ایک مقامی کونسل کے حکمران ہوتا ہے اور اس حصہ  
 ملک میں سلطان کا قایم مقام سمجھا جاتا ہے اس کے ماتحت اور بہت سے عہدہ دار  
 ہوتے ہیں ہر شخص بلا لحاظ قوم و مذہب کے بڑا بڑا عہدہ پاسکتا ہے  
 جو غیر توام سلطنت عثمانیہ میں رہتے ہیں اور کچھ بھی یوانی مقدمات حسب معاہدہ  
 انہیں کے ملک کا سفیر اپنے ملک و قانون کے موافق فیصلہ کرتا ہے۔  
 لیکن اگر ہر چند کان ملک غیر ایسی جائداد کے مالک ہوں جو سلطنت عثمانیہ میں  
 واقع ہے تو اسکی متعلق۔ تمام مقدمات سلطنت عثمانیہ کی عدالتوں میں

پیش اور فیصل ہوتے ہیں جو مقدمات کہ سلطنت عثمانیہ کی رعایا اور باشندگان ملک غیر میں پیش آتے ہیں اور ان کا فیصلہ عثمانی عدالتوں میں ہوتا ہے لیکن اس ملک کی سفارت کی طرف سے ایک آدمی عدالت میں کارروائی کو دیکھنے کے حاضر رہتا ہے۔ باشندگان ممالک غیر کو جو سزائیں دی جاتی ہیں ان کی تعمیل بذریعہ سفارت ملک مذکور ہوتی ہے

موجودہ سلطان کے تختہ ذاتی سلطان عبد الحمید خان ثانی خلد افندہ ملکہ و دولتہ سلطان عبد الحمید خان مرحوم کے دوسرے بیٹے اور سلسلہ عثمانیہ کے چوتیسویں پادشاہ ہیں۔ ۱۲۷۲ھ میں بمقام دار الخلافہ قسطنطنیہ پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ نے جو گرستان کی رہنے والی تھیں ان کی پیدائش سے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انتقال کیا۔ اس لئے ان کی پرورش اور پرورش سلطان عبد الحمید خان مرحوم کی ایک دوسری حرم سے جو اولد تہمین متعلق کر دی گئی۔ اس نیک عورت نے سلطان کو نہایت محبت کے ساتھ اپنے اصلی بچوں کی طرح پالا سلطان بچپن ہی سے نہایت ذکی اور فہیم مگر بہت کم گو اور تنہائی پسند تھے۔ سلطان عبد الحمید خان مرحوم نے ان کی تعلیم اور ترتیب کے لئے اولادیب مصطفیٰ افندی درباری اور بعدہ کمال افندی کو مقرر کیا جن سے سلطان نے ترکی عربی فارسی اور ضروری دینی علوم حاصل کئے۔ مگر مشرقی زبانوں میں کوئی نمایان ترقی نہیں کی۔ اس وقت بھی اگرچہ سلطان المعظم یورپ کی اکثر زبانیں سمجھ لیتے ہیں مگر بے تکلفی کے ساتھ کسی مشرقی زبان میں بھی گفتگو نہیں کر سکتے۔ ۱۲۷۵ھ میں سلطان عبد العزیز مرحوم نے سیاحت یورپ کا

ارادہ کیا اور اس سفر میں اپنے نوجوان بھتیجے کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اوقت  
 اگرچہ سلطان عبدالحمید خان کی عمر صرف ۲۶ برس کی تھی لیکن یورپ کی تہذیب  
 و ترقی کا اونکے دل پر نہایت مفید اثر پڑا۔ یورپ کے سفر سے بجائے اسکے کہ اونکے  
 نوجوان طبیعت عیش عشرت کی طرف مائل ہو اور کسی دہلین اپنی تعلیم کی تکمیل کا خیال  
 پیدا ہوا۔ اور سفر سے واپس کر اونہوں نے بطور خود کتب بینی شروع کر دی  
 اور اطمینان کے ساتھ ایک عالت کی زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ زمانہ کی تبدیلی  
 نے اونکی خاموش اور عزلت کی زندگی کو ایک پرجوش اور کارباری زندگی میں بدل دیا  
 سلاطین عثمانیہ میں یہ دستور ہے کہ سلطان فوت کے مرنے کے بعد اوسکا بڑا  
 بیٹا بشرط نبوت کسی بیٹے چچا یا چچا زاد بھائی کے اپنے باپ کا جانشین ہوتا ہے  
 چنانچہ اس قاعدہ کے مطابق سلطان عبدالعزیز خان کے قتل کے بعد اون کے  
 بیٹے اعزالدین افندی کو تخت نشین ملا بلکہ اون کے چچا زاد بھائی مراد جو محمد  
 اون سے بڑے تھے تخت نشین ہوئے۔ سلطان مراد دل و دماغ کی کمزوری  
 سے سلطنت کی تعلیم و داریوں کے ناقابل پائے گئے اور اونکی جگہ اون کے  
 چھوٹے بھائی سلطان عبدالحمید خان تخت نشین ہوئے (تفصیلی حالت کے  
 لئے اصل کتاب ملاحظہ ہو)

خانان شاہی اور حرم | سلاطین عثمانیہ میں کئے صدیوں سے باضابطہ نکاح کا  
 رواج اٹھ گیا ہے۔ جو اونڈیان حرم سے شاہی میں موجود ہوتا ہیں  
 یا جو گرجستان وغیرہ سے لا کر حرم امین داخل کی جاتی ہیں اونہیں میں سے  
 چند عزیز ترین ہر ایک بادشاہ اپنے لئے منتخب کر لیتا ہے جو خواتین حرم کے نام سے

موسوم کئے جاتی ہیں۔ باقی عورتیں انہیں خواتین پر بطور خادمہ تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ حرم سدا کی تمام عورتیں ایک درجن رسیدہ عورت کی وجوہ صانت دار خواتین کے ہوتی ہیں۔ اس کے تحت سبھی جاتی ہیں۔ حرم سدا کا تمام اندرونی اور بیرونی انتظام خصامت دار خواتین ہمد و ایک عہدہ دار کے جو قلازاقاسی کے نام سے موسوم ہوتا ہے کرتی ہے۔ اگرچہ سلطان عبدالحمید خان اس آئین کو بدلنا پسند کرتے ہیں اور انہوں نے بہت سی عورتوں کے نکاح اور ان کے ساتھ کر دیے ہیں جنہوں کو خاص نظر عنایت تھی لیکن پھر بھی ان کی تعداد میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ خاص خاص تقریبوں میں والدہ سلطان کی طرف سے حسب دستور قدیم فوجوان اترکیوں کے ساتھ حرم سدا کی شاہی میں داخل ہو جاتی ہیں اور بعض وقت امر بھی اپنی اترکیوں کو حرم سدا کی شاہی میں داخل کر دینا اپنی عزت کا باعث سمجھتے ہیں۔ ایسی حالتیں اس قدیم دستور کو بالکل برباد کر دینا باعث دشمنی اور غرہ بلکہ مصلحت عامہ کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

حرم اور خاندان شاہی کے مصارف کے واسطے بہت سے جائیدادیں علیحدہ کر دی گئی ہیں لیکن ان کی آمدنی اس بڑی خاندان کے لئے جبین تقریباً پانچ ہزار آدمی شامل ہیں کافی نہیں ہوتی۔ اور اس لئے سلطنت کی دوسری آمدنیوں میں سے اس کی بھرتی کرنی پڑتی ہے۔ سنہ ۱۲۸۷ء کے بچت میں حرم سدا سے سلطانی اور شاہی خاندان کے لئے ۷ لاکھ سالانہ ۸ ہزار پونڈ رکھا گیا تھا۔

موجودہ سلطان کے بہائی اور بہن

۱۔ محمد مراد سال پیدائش ۱۲۸۱ ستمبر ۱۲۸۱ء - ۳۰ ستمبر ۱۲۸۱ء کو تخت پر بیٹھے اور ۱۲۸۱ اگست ۱۲۸۱ء کو غول ہوئے۔



- ۲ - سلطانہ جمیلہ سال پیدائش ۱۸ اگست ۱۸۴۳ء
- ۳ - محمد رشید افندی سال پیدائش ۳ نومبر ۱۸۴۴ء
- ۴ - سلطانہ مہدیہ سال پیدائش ۲۱ نومبر ۱۸۴۶ء
- ۵ - سلیمان افندی سال پیدائش ۲۱ نومبر ۱۸۴۶ء
- ۶ - سلطانہ مہمے سال پیدائش ۲۶ جنوری ۱۸۴۷ء
- ۷ - وحید الدین افندی سال پیدائش ۱۲ جنوری ۱۸۴۷ء

### سلطان کی اولاد

- ۱ - محمد سلیم افندی سال پیدائش ۱۱ جنوری ۱۸۴۷ء
- ۲ - سلطانہ تزکیہ سال پیدائش ۱۲ جنوری ۱۸۴۷ء
- ۳ - سلطانہ نعیمہ سال پیدائش ۱۵ اگست ۱۸۴۷ء
- ۴ - عبدالقادر افندی سال پیدائش ۲۳ فروری ۱۸۴۷ء
- ۵ - احمد افندی سال پیدائش ۱۷ مارچ ۱۸۴۷ء
- ۶ - سلطانہ تہالہ سال پیدائش ۱۸۴۳ء
- ۷ - محمد برہان الدین افندی ۱۸۸۵ء

کشی  
ضبط اتات | سلطان عبدالحجید خان خداوند ملکہ دروالتہ بہت جفا

اور اوقات کے سختی کی ساتھ پابند ہیں۔ علی العموم وہ بہت سویری اور تہہ کر  
غسل کرتے ہیں اور بعدہ کپڑے پہن کر صبح کی نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز کے بعد

قہوہ پیکر وہ سگرت پینا شروع کرتے ہیں۔ سگرت کا ایک کو بہت شوق ہے اور بکثرت پیتے ہیں۔ جو معزز لوگ مالک خیر سے قسطنطنیہ میں سلطان سے ملنے کے لئے آتے ہیں انکو بھی وہ بطور تحفہ کے اکثر سگرت کے کبلا در او کی متعلق دوسرا قیمتی سامان دیا کرتے ہیں۔ قہوہ پینے کے بعد سلطان اپنے خانگی معاملات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دو ایک گھنٹہ میں اس سے فارغ ہو کر محل مراستے باہر آکر امور سلطنت کے متعلق مخالف پوچھتے ہیں۔ دس بجے کے قریب دربار میں سگرتی اوس دن کے مراستے اور دوسرے ضروری کاغذات وغیرہ لیکر حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان سب کاغذات کو لیکر سلطان ایک کوچ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ کل مراستے وغیرہ داہنے ہاتھ کی طرف رکھے جاتے ہیں اور مختلف یورپین اجاروں کے اقباس جگا ترجمہ کی مین بوتامی بائیں ہاتھ کی طرف رکھے ہوتے ہیں سلطان ان کاغذات کو بغور ملاحظہ کر کے مناسب احکام اور ہدایتیں صادر کرتے ہیں۔ یہ کام ختم کر کے وہ کہا نا کہاتے ہیں اور بعد اوس کے یا تو باغ میں ٹہلتے رہتے ہیں یا کسی کشتی پر سوار ہو کر جو باغ بیچ وقت موجود رہتے ہیں دو ایک گھنٹے سیر کرتے ہیں۔ سیر سے واپس آکر یا تو سلطان دربار عام کرتے ہیں یا کبھی وغیرہ کے اجلاس میں شریک ہوتے ہیں۔ خوب آفتاب سے دو ایک گھنٹے پہلے وہ پہر کام چھوڑ دیتے ہیں اور شام کا کھانا کھا کر اکثر حرم میں تشریف لیجاتے ہیں جہاں انکی بیٹیاں انکو گانا سناتے ہیں یا کوئی باجہ بجاتے ہیں۔ سلطان کو علم موسیقی سے خاص لگاؤ ہے اور وہ خود بیا نوبہت

اچھا بجاتی ہیں۔ شام کو کہانی کے بعد تھوڑی دیر آرام لیکر سلطان پہر امور سلطنت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اکثر دو بجے تک برابر کام کرتے رہتے ہیں سلطان چھوٹے چھوٹے اور معمولی کاموں کا بھی بذات خود فیصلہ کرتے ہیں جس کا لازم نتیجہ یہ ہے کہ کام کے اجرا میں غیر ضروری تعویق ہوتی ہے اور عہدہ داروں کو اپنی بے اعتباری کا گمان ہوتا ہے۔ مگر با این ہمہ وہ اپنی رعایا میں ہر دل عزیز اور اعلیٰ درجہ کے بیدار مغز بادشاہ سمجھے جاتے ہیں۔ یورپ کے مدبران ملک کی بھی تقریباً یہی رائے ہے چنانچہ ایک موقع پر لارڈ مارکوٹسراف سالبرہی وزیر سابق انگلستان نے سلطان کے نسبت یہ کہا تھا کہ ترکی کی حالت بہتر ہے۔ سلطان نہایت قومی لڑاے حکمران ہیں اور ان اہم ترین امور کے دور کرنے میں جو اونکی پہلی پالیسیوں کے زمانہ میں پیدا ہو گئے ہیں نہایت سرگرمی کے ساتھ مصروف ہیں اگر یہی حالت رہی تو تھوڑی ہی عرصہ میں سلطنت عثمانیہ کا قابل اطمینان انتظام ہو جائیگا۔

چونکہ یہ اصل کتاب سب سے پہلی لمبٹ کی اس مضمون کے جواب میں لکھی گئی ہے جس کا ترجمہ پہلے بطور ضمیمہ کے اس کتاب کے آخر میں لگا دیا ہے۔ لہذا اسلئے دلائل کو سمجھنے کے لئے پہلے اسی مضمون کو پڑھنا چاہئے فقط

مسعود علی بے اے مترجم  
حیدر آباد دکن

# فصل اول

## تحت نشینی اور جنگ

ترکوں کی تاریخ کا شاید ہی کوئی صفحہ دلچسپ حالات اور حیرت انگیز واقعات سے خالی ہو۔ زمانہ کی تبدیلیوں سے جس قوم پر اس وقت اسلامی شان و شوکت کا دار و مدار رہ گیا ہے، اس نے اپنی ذاتی شجاعت اور فطرتی ذہانت سے خواہ وہ میدان جنگ میں دنیا کے دیواروں کے نیچے یورپ کی چیدہ اور نام آور فوجوں کے مقابلہ میں ظاہر ہوئی ہو یا انیسائیس برس پر مغربی حکمت عملی کو مغلوب کر نیکے بیٹے عمل میں آئی ہو۔ اُن تمام لوگوں کو جو دیرانہ اور مردانہ کاموں کی قدر شناسی سے عاری نہیں ہیں اپنی طرف متوجہ رکھا ہے۔ صلیبی اور ہلالی حبش میں صرف اسی دل دو مانع کے لوگ مسلمانوں کے طرفدار رہے ہیں بلکہ مورخ و فلسفانہ خیال کو لوگ بھی اکثر ان کے موافق شہادت دیکھ کر ہنچنا پھرتے ہیں۔

ڈیوڈ ہارپر نے اپنی کتاب ہائیکلٹ آف سائنس ایڈریج میں بارہا اقرار کیا ہے کہ نئے اور پرانے خیالات کے خونی جھگڑوں میں ترکوں کی تلوار ہمیشہ نئے خیالات کی حامی اور مددگار رہی ہے۔ اسی طرح لٹلنگٹن کا حوزہ اپنے ایک مشہور مضمون میں لکھتا ہے۔

کوفروں متوسطہ کی سخت تارکی میں اسلامی تلواروں نے یورپ میں  
روشنی اور سچائی پہنائی تھی۔

لیکن اب کہا جاتا ہے کہ یہ سب کہانیاں ہیں جنکو واقع ہوئے  
ایک عرصہ گزر گیا۔ دنیا کی موجودہ طرز زندگی کے لحاظ سے  
یہ بیمار شخص (سلطنت عثمانیہ) حالت نزع میں ہے اور  
پرانے افسانوں کا وہ ہالہ جو خلفاء کے مرصع عمائم کے  
گر وچکتا تھا مدہم پڑ گیا اور وہ قوی باز و جو اسلامی نشان  
اٹھائے ہوئے تھے بالکل ضعیف اور بیکار ہو گئے ہیں اور  
اب اہل مغرب اس قدیم اور قومی سلطنت کو جس کا نام  
سُکراؤن کے سپاہی کانپ اٹھتے تھے اور اُن کے  
مدبران ملک کے چہرہ دن کا رنگ زر و ہو جاتا تھا نہایت  
حقارت کے ساتھ آبنائے یاس نورس سے لاث مار کر پار  
کر دینے کے لئے آمادہ ہیں اس امر کا فیصلہ کیا ایک  
مہرے ہوئے شیر کولات مارنا اندیشہ سے خالی ہے یا نہیں۔  
اوہنین بہادر اور سیر چشم لوگوں کی رائے پر چھوڑا جاتا  
ہے جسکی تیلیاں اس شیر کی میراث کے لئے کھجلا رہی ہیں  
نیرے خیال کے موافق جس سلطنت نے اسکا تجربہ حال میں  
کیا ہے اسکو اس امر کے اقرار کرنے میں باک نہ ہو گا کہ یہ  
کہیں کثیر نقصان اور سخت نفرت سے خالی نہ تھا۔

مجھ کو پوری امید ہے کہ جو میرے ہوطن اس کتاب کو پڑھ کر  
میری عزت افزائی کریں گے، ان کو یہ سہ اور بخوبی معلوم  
ہو جائے گا کہ اگر اس وقت سلطنت عثمانیہ کو میری طرح  
شیر سے تشبیہ دینا ناجائز ہے تو زار و کھلا اس کی طرح اس کو  
”بیمار شخص“ سے تعبیر کرنا بھی ہرگز صحیح نہ ہو گا۔

میری رائے میں سلطان عبدالحمید خان ثانی کے عہد سلطنت کو  
یہ نسبت ایک ناتوان بیمار کے ایک قوی اور رو بہ صحت شخص سے تشبیہ  
دینا زیادہ تر مناسب ہے کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ سلطنت عثمانیہ نے  
گزشتہ دس کے قلیل عرصہ میں جو ترقی کی ہے اس کی نظر دنیا کی  
کسی تاریخ میں بہین مل سکتی۔ اور جب ان مشکلوں اور دشواریوں  
پر نظر کیجاتی ہے چکا سلطان کو قدم قدم پر مقابلہ کرنا پڑا تو یہ ترقی  
اور اصلاح اور زیادہ قابل قدر اور حیرت انگیز ہو جاتی ہے۔

اگر سلطنت عثمانیہ کو ”بیمار شخص“ سے تعبیر کرنا جسکے اہل انگلستان  
بہت شایق ہیں اور عثمانی معاملات میں بحث کرتے وقت بار بار استعمال  
کرتے ہیں تو بڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیا جائے تو یہ کہنا جائز  
ہو گا کہ جب کسی ایسے مریض کے علاج کے لیے جو سخت اور خوفناک  
امراض میں مبتلا ہو چند طبیب بلائے جاتے ہیں تو ان کی تمام  
کوششیں رخواہ وہ کیسے ہی ناجائز بہ کار اور نادر واقعہ کیوں نہوں  
نہایت ایمان داری کے ساتھ مریض کو قوت دینے اور مرض کو

دور کرنے میں مصروف ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر نفع  
یا قطع عضو وغیرہ کی نیک صلاح دی جاتی ہے تو اس سے کسی خوف  
ورم کا دور کرنا یا بقید اعضا کو قوت دینا مقصود ہوتا ہے لیکن بعض  
بوالصاف کی نظر سے سلطنت عثمانیہ کی حالت کو دیکھتا رہا ہے وہ  
اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ جب کہیں اس بد نصیب سلطنت کو  
پولیکل ڈاکٹروں کی ضرورت ہوئی ہے تو ادھون نے اپنی تمام  
ہوشیاری اور کوشش اپنے مریض کو زیادہ تر ضعیف اور کمزور  
کردینے میں مصروف رکھی ہے۔ اور ہر معاہدہ اور صلحنامہ کے نسخہ  
نے وہی بیہوشی اور سکتہ پیدا کر دیا ہے جو حالت نزع سے پہلے  
مریض پر طاری ہو جاتا ہے جو مختلف مجلسین وقتاً فوقتاً سلطنت  
عثمانیہ کے معاملات پر غور کر نیکے لئے متعقد ہوئیں اور انکی مثال  
ٹھیک اون طبیبوں سے دی جا سکتی ہے جو ایک قریب المرگ  
مالدار شخص کے علاج کے لئے بلائے گئے ہوں مگر اون کو بجائے  
مریض کے ادب کے حلیوں اور طامع درنما کے ساتھ زیادہ ہمدردی  
ہو جو عمرز اور متاثر پولیکل ڈاکٹر قسطنطنیہ میں علاج کے لئے آئے  
اونکا اصلی مقصد ہمیشہ یہی رہا ہے کہ مریض کا بجائے ازالہ مرض کے نہایت  
آسانی کے ساتھ خاتمہ کر دیا جائے

مستور تجربوں نے سلطان عبدالحمید خان ثانی کی حکمت  
کہول دین اور ادھون نے ان بزرگوار دن کی گھڑی چالو

سے واقف ہو کر اون کی امداد سے قطع نظر کر لی اور اپنا علاج  
خود اپنے قابل ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ  
کے اہل الرائے آج اون کو نفرت اور اشتباہ کی نگاہوں  
سے دیکھتے ہیں مگر یہی چیز ہے جس نے اون کی تمام رعایا کو خواہ  
وہ عیسائی ہو یا مسلمان اونکا ہوا خواہ اور جان نثار تیار کیا ہے جس  
اس کے کہ اون مختلف اصلا حوں کا بالتفصیل ذکر کیا جائے جو اس  
وقت تک نہایت کامیابی کے ساتھ کام میں لائی گئی ہیں اوس شخص  
کے چال و چلن پر ایک سرسری نظر ڈالنا جس کے دماغ نے ان  
اصلا حوں کو سوچا ہے اور اون اسباب کا بیان کرنا جس کی وجہ سے  
اوس نے اس قدر خطیر اور سخت ذمہ داری کے کام کو اپنی سر لہیا منظور  
کیا ہے اور اون مشکلوں اور دشواریوں کا ذکر کرنا جس کے مقابلہ  
کے لئے اوس نے کمر ہمت باندھی ہے۔ زیادہ تر مناسب معلوم  
ہوتا ہے۔

اگست ۱۸۷۶ء ہی جس میں عبدالحمید خان ثانی نے اپنے آباؤ اجداد  
کے تحت سلطنت پر قدم رکھا اوس دلچسپی سے خالی نہیں ہے  
جس سے یہ خیال کے موافق ترکون کی تاریخ کا ہر ایک صفحہ  
مملو ہے۔

اوس سال چوتھی جون کو برج کے وقت ایک عالیشان  
محل میں جو کہ بار سفورس کے کنارے پر واقع ہے کچھ ایسے عجیب و غریب



واقعات گذر۔ سب بین جنگا مقابلہ کسی دوسرے بلفیض بادشاہ  
کی تاریخ سے بہت ہو سکتا۔

ایک تنہا کمرہ میں آئینہ کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوا بظاہر اپنی  
ارائش میں مصروف ہے لیکن اس کے چہرہ پر پرمردگی اور  
افسردگی کے آثار نمایاں ہیں۔ وقتاً فوقتاً وہ آئینہ کی طرف سے  
نظر پھیر کر ایک درجہ سے سمندر کو دیکھتا ہے جس کے جہازوں پر  
عیسائیوں کی ایک نہر ہی تقریب کی وجہ سے خوشنما جنبہ بیان اور پیر  
اڑنے بوئے نظر آتے ہیں اور دریا کا دوسرا کنارہ لوگوں کے  
آزدہام سے پردہ پوش ہے۔ اسی عرصہ میں ایک دروازہ سے جو ادھر  
دائیں طرف واقع ہے کچھ کھسکا ہوا اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر  
دیکھتا ہے کہ حرم کی ایک عورت دروازہ کے آئینہ سے اس کو  
جہانک رہی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بے تابانہ دروازہ کی طرف بڑھ کر  
اوسکو کہونہ چاہتا ہے لیکن وقتاً وہ جہانک کی غائب ہو جاتی ہے  
اور وہ بدستور آئینہ کے سامنے کھڑا ہوا اپنی گہنی چوٹی ڈار ہی نظر  
سے دھرت کرتا جاتا ہے اور بار بار اسی دروازہ کی طرف دیکھتا ہے  
ایک گنٹہ کے بعد پہر وہی بچپن آنکھیں دروازہ پر نمودار ہوتی ہیں  
لیکن وہ کسی شخص کو آئینہ کے سامنے بہتین پاتین اور نہ اوس مضطرب  
جہانکے دلی کے قانون میں اندر سے کوئی آواز آتی ہے۔ باچار  
وہ اپنی مشتاق نظر کمرہ میں چاروں طرف دوڑاتی ہے اور ایک

کوچ پر جو کہ دیوار کے قریب بچھا ہے اوسکو ایک الیاخونفناک  
 نظر نظر آتا ہے کہ وہ روتی اور صرپٹی ہوئی جا کر ایک دوسرے  
 کرہ میں اپنے ہمراہیوں سے کچھ بیان کرتی ہے جبکو شکر تمام  
 اہل حرم نالہ و فغان کرتے ہوئے اوس دروازہ کے قریب جمع  
 ہو جاتے ہیں اور اوسکو بدقت تمام توڑ کر اندر داخل ہوتے ہیں  
 اور دیکھتے ہیں کہ ایک کوچ پر ایک شخص بے حس و حرکت لیٹا ہے  
 مونہ پر مردنی چھائی ہے اور آنکھیں اسطور سے بند ہیں کہ گویا وہ  
 ایک میٹھی نیند سو رہا ہے۔ ایک ہاتھ پہلو کے قریب ٹکٹا ہے اور  
 دوسرے ہاتھ میں مقراض ہے جس سے وہ اپنی ڈاڑھی درست  
 کر رہا تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے ہاتھ میں تھوڑی دیر قبل تمام  
 جانوں اور تسمنوں کا فیصلہ تھا۔ یہ دردناک تماشہ دیکھ کر نرم  
 عورتیں مضطرب ہو گئیں اور اونین سے دو ایک بے تاب ہو کر اوس  
 جسم سے ہٹ گئیں مگر جب اون کے ہاتھ اور بازو خون سے  
 سُرخ ہو گئے تو وہ فوراً خوف زدہ ہو کر اوس سے الگ ہو گئیں  
 جس کوچ پر یہ جسم پڑا تھا اگرچہ وہ تمام خون سے تر تھا لیکن  
 باوجود اس قدر خون کے جسم پر کسی قسم کا زخم نظر نہیں آتا تھا۔  
 اہل حرم کے اس عام ماتم میں ایک عورت جو سب سے زیادہ سن ہی  
 بالکل خموش اور نہایت متقل نظر آتی ہے اگرچہ قانون فطرت کو  
 موافق اس واقعہ کا اثر سب سے زیادہ اسی پر یہ عورت شخص متوفی

کی مان ہے اوس نے ایک ٹکٹا مہ ماتہ کے اشارے سے جکی  
خلاف ورزی کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا تمام اہل حرم کو کمرہ  
سے باہر کر کے اپنے پیاری بیٹی کی موت کا سبب تلاش کرنا شروع  
کیا اوسکو بہت جلد اوس ماتہ پر جو کہ جسم کے نیچے دبا ہوا تھا  
ایک چھوٹا مقراض کا زخم اوس شہ رگ پر ملا جو کہنی کے قریب  
واقع ہے اسی چھوٹے سے زخم سے خون کے ذارے چلکرا دسکی  
ہلاکت سے باعث ہوئے تھے۔

اس کے بعد محل کے خواجہ سرا طلب ہوئے اور چشم زدن میں  
سلطان عبدالعزیز خان مرحوم کی نفش ایک تنگ و تاریک مکان  
میں ایک بیٹی ہوئی چٹائی پر رکھ کر صرف ایک ترکی سپاہی کے  
پیرہ میں چھوڑ دی گئی۔ یہی شخص ایک ہفتہ پیشتر دنیا کی  
عظیم الشان سلطنتوں میں سے ایک وسیع سلطنت کا خود مختار  
اور خود سر پاوشاہ اور اسلامی دنیا کا اعلیٰ سردار تھا جسکو  
قبضہ اختیار میں تمام مشرق کی کنجی تھی اور جس کے ادنیٰ اشارے  
پر لاکھوں جان باز سپاہی مغربی دنیا کے حدود پر موت اور بے  
ہیلا نیکی لئے مستعد تھے۔ فاعینہ و یا اوالا لبصار

ادسی روز تمام دنیا کے بری اور بھری تار اس خوفناک خبر سے  
گو بچ اٹھے اور ہر خاص و عام کی زبان پر لفظ ”مقتول“ جاری ہو گیا  
”نزدن نامیس“ بھی چونچر دلا پیشتر اس امر پر خوشی ظاہر کر چکا تھا

کہ اب وہ زمانہ آگیا کہ ترکی بادشاہ بغیر کسی خوفناک سازش کے  
تحت سے اوتارے جاسکتے ہیں۔ بلا انتظار کسی ثبوت کے  
عام رائے کے ساتھ ہو گیا۔

اسمیں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ جو رائے دفعتاً ذہن میں آجاتی  
ہے وہ عموماً ایسے فیصلوں سے جو غیر مکمل اور مغالطہ وہ

شہادتوں کی بناء پر مبنی ہوتے ہیں زیادہ صحیح ہوتی ہے جو لوگ  
اہوقت سلطنت عثمانیہ کی حالت سے واقف تھے یا جو لوگ اس سازش  
کی تحقیقات کے وقت قسطنطنیہ میں موجود تھے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جو  
راہ لندن ٹامیس نے نوراً اختیار کر لی تھی وہ بالکل صحیح تھی اور جو درناک  
قصہ ادب پر بیان ہوا ہے اس میں بہت کچھ تزییم کی ضرورت ہے۔

مجھ کو اس موقع پر سلطان عبدالعزیز خان مرحوم کے قتل یا خودکشی کے  
سئلہ پر بحث کرنیکی ضرورت نہ تھی لیکن کچھ عرصہ ہوا کہ سر صغریٰ ایلٹ  
سابق سیر انگلستان مقیم قسطنطنیہ نے انگلستان میں اس سئلہ کو چھیڑ کر  
موجودہ سلطان پر بہت سی الزام لگائے ہیں۔

سر صغریٰ ایلٹ نے جو غلط واقعات اہل انگلستان کے

”لاحظہ ہو رسالہ نائیٹین سچری“ مورخہ فروری ۱۹۰۸ء  
جس میں ایک مضمون بہ عنوان ”قتل سلطان عبدالعزیز خان و  
اصلاح سلطنت عثمانیہ“ شائع ہوا ہے۔  
ہم نے ناظرین کے آسانی کے لئے اس کا ترجمہ اس کتاب کے  
آخر میں بطور مضمون کے شامل کر دیا ہے۔  
مسعود علی ترجمہ

سامنے پیش کئے ہیں اور اسکا اصلی منشور اور الزامات کا دفعہ ہر  
 جو اون کے دوست مدحت پاشا کے چال و چلن پر عاید ہوتے ہیں  
 چونکہ اس مضمون میں ادونہوں نے زیادہ تر ذاتیات سے بحث کی ہے  
 لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اون تمام واقعات کو اپنے علم کے  
 موافق نہایت سادگی اور ایمان داری کے ساتھ بیان کر دوں۔ اگرچہ  
 اس طوالت کی وجہ سے میری کتاب کے پڑھنے والوں کو ہٹوری سی  
 تکلیف مزور اور آسانی پڑے گی۔ میں صرف اون شہادتوں کا خلاصہ بیان  
 کروں گی جنکی بنا پر باضابطہ عدالت نے اس معاملہ میں سازش کرنیوالوں  
 کو قاتل قرار دیا تھا۔ اور اس امر کا فیصلہ کیا سلطان عبدالغیر خان  
 قتل ہوئے یا ادونہوں نے خود کشی کی تاہرین کی رائے پر چھوڑ دیا جائیگا  
 میں بخوبی جانتا ہوں کہ میری تحریر اون نئے خیال کے ارباب اور اسے  
 پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی جنکی رائے میں ایک واقعہ کے متعلق نسبت  
 سافرن کے غائبین زیادہ عمدگی کے ساتھ رائے قائم کر سکتے ہیں  
 اون کے خیال کے مطابق فقیر برنگبہا م کی مقامی کونسل کا فیصلہ ہندوستان  
 کے ملکی معاملات کے پیچیدہ مسائل کو بہ نسبت اون اعلیٰ عہدہ داروں کو  
 جنہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ہندوستان میں صرف کیا ہے  
 زیادہ آسانی اور عمدگی کے ساتھ حل کر سکتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تک میرے ہموطن ایک درجہ تک اس  
 فیشن ابل معاملہ سے بری ہیں اس لئے مجھ کو اس امر کا ظاہر کر دینا

کچھ بیجا نہ ہو گا کہ میں نے اپنی عمر کے وہ سال مشرق میں صرف کئے ہیں اور سلطنت عثمانیہ کا کوئی ذمہ دار رکن یا عہدہ دار ایسا نہیں ہے جس سے میں بخوبی واقف نہ ہوں۔ مجھ کو اس وقت تک کسی ایسے ترک سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا جب کو سلطان عبدالعزیز خان مرحوم کے قتل میں ذرا سا بھی شبہ ہو۔ بہت تھوڑا عرصہ ہوا کہ شاہ مرحوم کی ایک بی بی نے جس نے اب اڈریانوپل میں ایک اعلیٰ عہدہ دار کے ساتھ نکاح کر لیا ہے میرے ایک دوست سے کہا کہ ”ان تمام بچٹوں سے کیا حاصل ہے ہم کو خوب معلوم ہے کہ سلطان مرحوم قتل کئے گئے تھے“

جب سلطان عبدالعزیز خان کے آخری وقت کے ادنیٰ واقعات کا معلوم ہونا جو ان کے کمرہ میں گذرے دشوار ہے اور شہادتیں اس قدر مختلف اور متباہن ہیں تو مفصلہ کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ واقعات سے قطع نظر کر کے صرف وجہ تحریک پر غور کیا جائے۔

چنانچہ سرسپری المیٹ نے ہی سلطان موصوف کی نفس کو نشانہ کرنے والے ڈاکڑوں کی شہادت پر اکتفا کر کے سلطان مرحوم کے جنون اور عدم وجہ تحریک قتل کو ثابت کر کے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور سلطان مرحوم کے جنون کے ثبوت میں خفیف خفیف واقعات پیش کر کے بالکل غلط اور خلاف قیاس نتایج پیدا کئے ہیں مثلاً وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ سلطان مرحوم ایک زمانہ میں کسی ایسے کاغذ کو نہیں

دیکھتے تھے جو سیاہ روشنائی سے کلبا ہوتا تھا۔ پس تمام کاغذات اور کلامانہ کے لئے سُرُخ روشنائی سے لکھے جاتے تھے اس کی وجہ سے بعض اوقات بہت قہقہے پیش آتی تھیں اور دولت عثمانیہ کے اونسفردن کو جو دوسری سلطنت میں بھیجے جاتے تھے ہینون پڑا رہتا تھا کیونکہ سلطان مرحوم کسی ایسے کاغذ پر دستخط نہیں کرتے تھے جو سُرُخ روشنائی سے نہ لکھا گیا ہو اور اس موقع پر سُرُخ روشنائی سے لکھا بیاضیلا اور خلاف دستور تھا۔

سرہنری ایلیٹ کا جو ایک زمانہ دراز تک قسطنطنیہ میں سیر رہے ہیں اس دستور سے ماؤقف ہونا کہ جو تقرر کے پروانہ سلطنت عثمانیہ کے سفردن کو دیئے جاتے ہیں اور پیر سلطان کے دستخط نہیں ہوتے بلکہ وہ باب عالی کے طرف سے جاری ہوتے ہیں اور ہمیشہ سُرُخ روشنائی سے لکھے جاتے ہیں۔ حقیقت میں حیرت ناک اور بالکل خلاف قیاس ہے۔ سرہنری ایلیٹ کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ ہمیشہ سے شہنشاہان یا زٹائمن (روم) اور عثمان کے مذہبی پیشواؤں کا مخصوص اور مقررہ رنگ سُرُخ ہے۔ اگر قدیم عملدرآمد اور دستورون کی پابندی ہی جنوں کی علامت ہے۔ تو میرے خیال کے مطابق شہان یو۔ پین کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس جنوں سے خالی ہو۔

جو کچھ سلطان عبدالعزیز کی امزودہ دلی اور پرمردگی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے وہ بھی محض بے بنیاد ہے۔ محض تقدیر پر ہر دسمہ کرکے علاوہ

جو بر ایک ترک کے لئے فروری ہے اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ  
 سلطان عبدالغیر خان مرحوم اپنے باپ اور اجداد کے تاریخی واقعات  
 اور قسطنطنیہ کی اس وقت کی حالت سے بخوبی واقف تھے۔ اور جانتے  
 تھے کہ ترکوں میں کسی اپنے بادشاہ کو دفعتاً تخت سے اتار کر پہر  
 او سکو تخت پر بٹھا دینا یا اسکو مغز طریقہ پر تنہائی میں زندگی بسر  
 کرنیکی اجازت دینا کوئی غیر معمولی طریقہ نہیں ہے۔ مصطفیٰ اول۔  
 ابراہیم اول۔ محمد چہارم۔ مصطفیٰ ثانی اور سلیم ثالث کے تاریخی  
 حالات صاف طور سے بکار بکار کر کہہ رہے تھے کہ یہ مایوسی اور ناامیدی  
 کا مقام نہیں ہے

اس وقت کی پولیٹیکل حالت بھی بالکل مایوس کرنے والی نہ تھی۔  
 اگرچہ جدید خیال کے ترک ایک فوری کارروائی سے غالب ہو گئے تھے  
 لیکن سلطان عبدالغیر مرحوم کو معلوم تھا کہ قدیم خیال کے ترک ابھی  
 تک زندہ ہیں اور روس کی حکمت عملی ان کے مقاصد کی نہایت  
 زور کے ساتھ تائید کر رہی ہے اس لئے انکو اس امر کے یقین کرنے کا بھی موقع  
 تھا کہ اگر افواج جیکے آرام اور اسایش کا انکو ہمیشہ خیال رہا تھا

(۲) اس بادشاہ اور سلطان عبدالغیر کے حالات تقریباً یکساں ہیں۔ یہ شخص  
 بچپن میں صحت نشین ہوا اور آٹھ سال کے بعد معزول کر دیا گیا اور اسکا بیٹا محمد  
 چہارم جسکی عمر اس وقت صرف دس برس کی تھی اس کی جگہ تخت نشین ہوا اور  
 تخت نشینی سے چند ہی روز بعد معزول بادشاہ کے ساتھ مددی شروع ہو گئی  
 لیکن جو وقت بنام بردوئی ہوئی نعل میں جو بخیر نیکر آئے کہ انکا قدیم آقا و بادشاہ  
 بنایا گیا تو ان کو معلوم ہوا کہ اس کے بیٹے کے طہدار اسکا کام تمام کر چکے ہیں۔



اونکو بدل عزیز رکھتے تھے علاوہ برین اونکو مراد کی علالت کا حال بھی معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ اونکی مزدی چند سفوتوں سے زیادہ طول بہنیں کسچ سکتی۔ ان تمام امور پر لحاظ کر کے یرسے اور نیترا دن تمام لوگوں کے خیال کے موافق جو اسوقت قسطنطنیہ میں موجود تھے خود کشی کی کوئی وجہ تحریر کیا بہنیں معلوم ہوتی۔

یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ شرع محمدی میں مثل عیسوی مذہب کے خود کشی سخت ممنوع اور قطعاً حرام ہے اور سلطان مرحوم اپنے مذہبی اصول میں نہایت سختی کے ساتھ پابند تھے۔

برخلاف اس کے جو امور سلطان عبدالعزیز خان کو استقلال اور اس کے دلانے والے ہتھوڑی اون کے دشمنوں کو اون کے قتل کے لئے قوی محرک ہو سکتے تھے۔ وہ لوگ روسی حکمت عملی کے استقلال سے بخوبی واقف تھے اور سمجھتے تھے کہ جب تک سلطان عبدالعزیز خان زندہ ہیں روسی سازشوں کا سلسلہ قطع نہین ہو سکتا اور نہ جدید سلطان کی حالت صحت پوشیدہ رہ سکتی ہے اور نہ اون فوجوں کی طرف سے اطمینان ہو سکتا ہے جو اپنے قدیم آقا کسی محبت کا دم بہرتی ہیں۔ علاوہ اس کے وہ لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ جو کہیں وہ کہیں رہے ہیں وہ بحدہ پر خطر ہے اور اس کی ہارجیت پر اون کے جان و مال کا انحصار ہے۔ جس سازش کرنے والوں کے ساتھ اون کی کامیابی کے بعد عام ہمدردی

سہنیں رہتی اور کمزور نہ صرف پولیٹیکل بے عزتی بلکہ جلاوطنی اور موت کی سخت مصیبتیں سہنی پڑتی ہیں۔ اور جو لوگ بغاوت کا موڑے اور بکرے دل میں قایم کر لیتے ہیں اور کمزور نتیجہ تک پہنچنے میں کسی قسم کا باک اور تردد نہیں ہوتا۔

اس بادی النظری شہادت کے بعد اور ان مجرموں کے تحقیقات کے ذکر سے پہلے برصغری ایلٹ کے اوس مضمون کی طرف دوبارہ توجہ کرنا مناسب ہے جسکی وجہ سے مجھ کو ان تمام واقعات کو بطریق دلائل کے پیش کرنا پڑا ہے۔

جب کوئی شخص چلک کے سامنے ایسے واقعات بیان کر کے جسکو واقع ہوئے عرصہ و راز گزر گیا ہو اور لوگوں پر الزام لگاتا ہے جو اپنے درجہ اور حیثیت کی لحاظ سے نہ اونکا جواب دے سکتے ہیں اور نہ ان الزامات کے مقابلہ میں کوئی ترویجی شہادت پیش کر سکتے ہیں اور سوقت اور پریقین یا عدم یقین

الزام لگانے والے کے اعتبار اور اعتماد پر منحصر ہوتا ہے اگر الزام لگانے والا سچا ہے تو وہ سچے اور الزام لگانے والا جھوٹا ہے تو وہ جھوٹے سمجھے جاتے ہیں۔ اس موقع پر اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اوس نے کچھ ایسے واقعات پوشیدہ کر لئے ہیں جو اوس کے دعوے کے مفرد ہیں تو وہ کم از کم طرفدار اور شریک سمجھا جائیگا۔ لیکن اگر کسی طور سے یہ ہی ثابت ہو جائے

کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ بالکل پایہ اعتبار سے گرا ہوا ہے  
 تو اوس کے بیٹہ واقعات پر کوئی منصف مزاج شخص ہرگز شبہ  
 نہیں کر سکتا۔ سرہنری ایلٹ کے آرٹیکل میں یہ دونوں  
 نقص موجود ہیں۔ وہ کسی ایسے واقعہ کو نہیں پیش کرتے  
 جو اوس کے مقاصد اور دعوے کی تائید نہ کرتا ہو۔ شرح  
 روشنائی کا قصہ صاف طور سے بتا رہا ہے کہ سرہنری ایلٹ  
 اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے واقعات کی شکل بدل دینا  
 بھی جائز رکھتے ہیں۔ جس فقرہ میں حسین عونی کے قتل کا ذکر  
 کیا گیا ہے اوس کی بھی یہی کیفیت ہے۔ حسین عونی اوس  
 فوج کا افسر تھا جو بوقت قتل سلطان مرحوم کے محل میں محفوظ  
 تھے اور غالب یہی شخص سلطان عبدالعزیز خان کے قتل میں ساش  
 کرنے والوں کا بڑا موید تھا۔ سلطان مرحوم کے قتل سے دس  
 دن بعد جبکہ حسین عونی مجلس وزراء میں موجود تھا۔ حسن چرکس  
 نے دفعتاً مجلس میں آکر اسکو پنجہ سے مار ڈالا اور بعد ازاں  
 رشید پاشا کو قتل اور وزیر فوج بحری کو زخمی کیا جن لوگوں  
 نے اسکو گرفتار کرنا چاہا، ان میں سے کچھ لوگ اوس کے ہاتھ سے

۳۔ قتل سے ایک دن پہلے محل کی مذہب محافظ فوج ایک نئی رجنٹ سے  
 بدل دی گئی تھی جس کو سلطان سے کوئی ذاتی تعلق نہ تھا۔

قتل اور زخمی ہوئے۔ سرنہری ایلٹ اس واقعہ کو نہایت تفصیل اور بے انتہا دلچسپی کے ساتھ بیان کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر وہ ناول لکھنے کی طرف توجہ کریں گے تو غالباً دن کو اسے درجہ کی کامیابی ہوگی۔ دن کے آرٹیکل کے پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس وقت کے تمام حالات سے بخوبی واقف تھے جو دن کے قومی حافلہ میں اس وقت تک محفوظ ہیں۔ قتل کے واقعہ کو بیان کر کے وہ کہتے ہیں کہ ”اوس ذاتی عداوت کے سواے جو حسن چرکس کو وزیر جنگ کے ساتھ تھی اس واقعہ کی کوئی پولیٹیکل وجہ ذہن میں نہیں آتی۔“ سرنہری ایلٹ اس امر کی کوئی وجہ بیان نہیں کرتے کہ اگر حسن چرکس کو حسین عونی کے ساتھ ذاتی دشمنی تھی تو اس نے دیدہ دانستہ وزیر خارجہ اور وزیر افواج بحری کو کس بناء پر قتل اور زخمی کیا میرا خیال یہ ہے اور غالباً ناظرین کو بھی میرے ساتھ اتفاق ہوگا۔ کہ سرنہری ایلٹ نے دانستہ طور پر اس امر کو پوشیدہ رکھا ہے کہ حسن چرکس سلطان عبدالغیرخان مرحوم کا سالہ تھا۔ یہ امر من کو نابالغ خلاف قیاس ہے کہ سرنہری ایلٹ جو اس دردناک واقعہ کے تمام تفصیلی حالات سے بخوبی واقف تھے یہ نہ جانتے ہوں کہ اس نوجوان فوجی افسر کا سلطان مرحوم کے ساتھ کیا رشتہ تھا۔ پس اس امر کو پوشیدہ رکھنے کی بجائے اس کے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اس رشتہ کے ظاہر ہونے سے اس وجہ تک یک کا پتہ چلتا جسے حسن چرکس کو مجمع وزراء پر حملہ کرنے اور پورے رشتہ داروں کا قتل



ہوتے ہیں جس میں سلطان عبدالعزیز خان کے قاتل عدالت کے  
سامنے تحقیق جرم کے لئے پیش کئے گئے تھے۔ اور جسکو سر مفری  
المیٹ<sup>۲</sup> برائے نام اور فرضی تحقیقات“ کہتے ہیں جو تحقیقات انگلستان  
کی عدالتوں کے باہر ہوتی ہے اور سوسر اے ایف ایف پر مبنی سمجھنا  
اور جن ججوں کو انگلستان کے وزیر افریقہ مقرر کیا ہوا دن کو بجائے  
انصاف کے ظلم اور بے انصافی کے ذرائع قرار دینا شاید اپنی ملک  
کے سرپرستی میں داخل ہو لیکن جب تک اہل انگلستان کا یہ قائل  
قدر خیال پایہ ثبوت کو نہ پہنچ جائے اور وقت تک اس تحقیقات  
کو جو تسلطینہ میں ۲۰ جون ۱۸۸۷ء کو شروع ہوئی۔“ برائے نام اور  
فرضی تحقیقات“ خیال کرنا نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ امر  
مسلم ہے کہ الزام کی تحقیقات کر کے جو عدالت مقرر ہوئی تھی وہ بالکل عام  
تھی اور اسکا پرزیدٹ ایک عیسائی تھا اور سرفرازدول خارجہ عدالت  
کی تمام کارروائی میں موجود رہے تھے۔ تحقیقات عمومی اور مروجہ  
قانون کے موافق عمل میں آئی تھی۔ دو ملزمین کی سزا دی گئی تھی۔ کوئی  
خاص قانون نہیں جاری ہوا تھا۔

زور دار داجم ہندو طویل تھی کہ اسکو پڑھنے میں تقریباً ڈھائی گھنٹہ صرف ہوئی  
ہیں منجھ اور امور کے یہ بھی بیان کیا گیا تھا۔ کہ سلطان مراد کی مغربی سلطان  
عبدالحمید ثانی کی تخت نشینی کو یہ یہ فیصلہ ہوا تھا کہ محلات شاہی کے اخراجات میں  
کروچیاں چنانچہ اسکو مطابق محلات شاہی کے اخراجات پر نظر ثانی کی گئی۔

اثنائے نظر ثانی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ تین آدمی باوجود ادنیٰ  
 خدمتوں پر مامور ہو نیسکے ایک ایک سوٹر کسٹ پونڈ تنخواہ پاتے ہیں  
 دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ تنخواہیں اون لوگوں کو سلطان  
 عبدالغیر خان مرحوم کے قتل میں شریک ہو نیکی وجہ سے ملتی ہیں۔  
 اون لوگوں نے خود اس بات کا اقرار کیا کہ نوری پاشا نرا دلہن  
 اس راز کو پوشیدہ رکھنے کی قسم لی تھی۔ نوری پاشا کو نسل دراز  
 کا دست راست تھا اور بغیر اس کے حکم اور اجازت کے کوئی کام نہیں  
 ہو سکتا تھا سلطان عبدالغیر خان کے قتل کے علاوہ یہ امر قرار پایا تھا  
 کہ شاہی خاندان کے تمام شاہزادے قتل کر دئے جائیں اس ہی غرض  
 سے وہ لہجے کو شک میں دعوت کے لئے بلائے گئے تھے۔ اون کو  
 کسی طور سے اس سارنٹ کا حال معلوم ہو گیا تھا لہذا وہ ہونوں نے  
 اس خطرناک دعوت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔

پہلا گواہ جو پیش ہوا وہ مصطفیٰ پہلوان تھا۔ اس نے بیان کیا  
 کہ اس کو محمود جلال نے بلا کر یہ وعدہ کیا کہ اس کو اور نیزودا اور  
 شخصوں کو ایک ایک سوٹر کے پونڈ تنخواہ ملیگی بشرطیکہ وہ لوگ  
 سلطان عبدالغیر کے ہاتھ کی رگین ایک چاقو سے کاٹ کر اون کو  
 مار ڈالیں۔ اسکا تمام سامان اون کے لئے ہبیا کر دیا جائے گا۔  
 بعدہ نوری پاشا نے اس وعدہ اور ہدایتوں کی تکمیل کر کے  
 اس راز کو پوشیدہ رکھنے کی قسم لی۔ سو پونڈ تنخواہ کے علاوہ

اوسین سے ہر اک شخص کو تیس تیس پونڈ بطور انعام کے بھی دیئے گئے تھے۔ ایک شب محافظوں کے حجرہ میں بسر کر نیلے بعد اون لوگوں کو نجیب بے اور علی بے سلطان مرحوم کے کمرہ میں لے گئے۔ مخزنی بے کے زیر حکم اونہوں نے اس جرم کا اڑکا کیا۔ مخزنی بے بادشاہ کے بازو اور جلال اور آغاؤں کی ٹانگیں پکڑے ہوئے تھے۔ گواہ نے اون کی رگیں خود کاٹیں نجیب بے اور علی بے دروازہ کی حفاظت کرتے رہے۔ نقش ایک سفید پڑھین لپیٹ کر محافظوں کے حجرہ میں چٹائی پر رکھ دیلی تھی۔

سوال۔ کیا یہ امر صحیح ہے کہ سلطان نے محافظوں کے حجرہ میں بیچا وقت کچھ حوکت کی تھی ؟

جواب۔ مجھ کو یہ بہنیں معلوم لیکن میں خیالی کرتا ہوں کہ حجرہ میں بیچا تے وقت اون میں بالکل جان نہ تھی دوسرے گواہ حاجی احمد گمانے پہلے گواہ کے بیان کی پوری تائید اور تصدیق کی۔

جو غانمی مصطفیٰ جو شریک جرم ہونیکا پہلے اقبال کر چکا تھا عدالت میں اگر اوس سے منکر ہو گیا اور کہہا کہ اوس کا یہ پہلا بیان کہ نوری پاشا نے اوس سے اور نیز اوس کے ساتہوں سے قسم لی تھی اور بادشاہ کے قتل کا حکم دیا تھا بالکل غلط تھا برخلاف اوس کے نوری پاشا نے اوس کو سلطان مرحوم کی حفاظت کے لئے سخت تاکید کی تھی اور وہ اوس کے موافق عمل کرتا تھا لیکن بد قسمتی سے



سلطان عبدالغیر خان نے دوسرے دن خودکشی کر لی۔

سوال - تم سلطان مرحوم کے قتل میں شریک تھے۔ ۹۔

جواب - ہنیں۔ میں مکان کے نیچے کے درجہ میں تھا آواز  
شکراد پر دوڑتا ہوا گیا۔ اور اس وقت مجھ کو اس اندوہ ناک  
حادثہ کا حال معلوم ہوا۔

سوال - پہلے تم نے بالکل اس کے خلاف بیان کیا ہے؟

جواب - مجھے غلطی ہو گئی تھی۔

حسوت عدالت میں مدت پاشا اظہار کے لئے حاضر ہوئے  
اور حوت حارن میں عجیب جوش پہل گیا تھا بہر بات کا نہایت سوچ  
سوچ کر جواب دیتے تھے اور وقتاً فوقتاً اپنی یادداشت کو  
دیکھتے جاتے تھے۔ اثنای اظہار میں اوہوں نے توفیقاً یہ کہا۔ کہ اگرچہ  
میں تحقیقات سے پہلے ہی مجرم ثابت ہو چکا ہوں لیکن باوجود اسکو  
یہ سلطان المعظم کی بڑی انصاف پسندی ہے کہ مجھ کو عام عدالت  
کے سامنے اپنے آپ کو مجرم ثابت کرانیکا موقع دیا گیا ہے۔

اوہوں نے اوس کونسل وزراء کے وجود سے محض لاعلمی ظاہر  
کی جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جس کے بغیر حکم کے کوئی کام  
ہنیں ہوتا تھا۔ اوہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ کونسل وزراء کی  
سلطان کے قتل کے لئے کوئی حکم جاری نہیں ہوا تھا۔ البتہ  
اونے ہر قسم کے ہتیار لئے لینے کے متعلق ایک حکم جاری ہوا تھا

جس وقت ارہون نے خود کشی کی خبر سنی اونکو پورا یقین تھا کہ  
اونپر ضرور قتل کا شبہ کیا جائیگا۔

سوال۔ تم نے ترتیب پچھارہ کے لئے کیوں حکم نہیں دیا۔ ۹  
جواب۔ اس کام کی کوئی خاص ذمہ داری میرے متعلق نہ تھی  
اگر اسکی وجہ سے میں قابل الزام قرار پاسکتا ہوں تو دوسرے  
وزیر بھی اس سے بری نہیں ہو سکتے۔

نرمل افندی جس نے بشرکت دوسرے ڈاکڑ دن کے سلطان  
عبدالغیر خان کی نعش کا معائنہ کیا تھا بھلف بیان کیا کہ اس نے معہ  
اپنی شرکا، کمر سلطان مرحوم کے صرف ماتھے اور بازو اور چہرہ کا امتحان  
کیا تھا اس کے متعلق کوئی بیجا پیت نامہ نہیں ہوا اور نہ چاک کر کے  
نعش کا امتحان کیا گیا۔ ابراہیم ادہم بیگ نے جو محل کا ایک  
عہدہ دارا و دوا اور عبدالغیر خان مرحوم کے درمیان میں پہنچی تھا  
سیہ بیان کیا کہ علی بے سلطان مرحوم کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کرتا  
تھا۔ سلطان مرحوم کو چاشت بھی بغیر اجازت مجلس وزراء کے نہیں  
ملتا تھا۔ اور تین آدمی چنبر قتل کا الزام لگایا گیا ہے خفیہ طور  
سے مجلس وزراء میں طلب ہوئے تھے۔

میر احمد افندی اور جنرل عثمان پاشا نے بھلف بیان کیا کہ  
اوس رات کو جس کی صبح کو یہ قتل واقع ہوا علی بے سلطان  
مرحوم کے مکان میں موجود تھا۔

اس تحقیقات میں سب سے زیادہ توجہ کے قابل وہ تقریریں ہیں جو طرہ میں کے دکلار نے اس موقع پر کی تھیں۔ رینے افندی نے جو مصطفیٰ پہلوان کی طرف سے پیر و کار تھا۔ اگرچہ صاف طور سے قتل کا اقبال نہیں کیا مگر خود کشی کے عذر کو بنو سمجھ کر یہ بحث کی۔ کہ گواہوں کا موکل بلحاظ ظاہری واقعات کے مجرم ہو لیکن حقیقی اور قانونی طور سے وہ بالکل بے گناہ ہے۔ کیونکہ جو کچھ اس نے کیا وہ اپنے بالادست عہدہ داروں کے احکام کی تعمیل میں کیا تھا اور اسکی حیثیت بعینہ ایک ایسے عہدہ دار کی تھی جو کسی ناجائز یا ظالمانہ شاہی حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

جو ملزم اپنے جرایم کا اقبال کر چکے تھے اور انکی طرف سے اول یہ عذر پیش ہوا کہ جرم کا وقوع ثابت نہیں ہوتا لیکن وقوع جرم کو فرض کر لینے کے بعد بھی اقبال کی وجہ سے وہ لوگ قابل معافی ہیں۔ دوسرے یہ کہ شرکاء جرم کے بیانات باہم انویسٹ دوسرے واقعات سے مخالف ہیں۔ ملزمین بکلف بیان کرتے ہیں کہ رگین چاقو سے کاٹی گئیں مگر ڈاکٹر ون کا بیان ہے کہ یہ عمل تھپڑ سے کیا گیا ہے۔

جو تقریریں ملزمین کے دکلار نے کیں ان کے پڑھنے سے صفا معلوم ہوتا ہے کہ ان ماضی دکلار کو سخت شبہاتوں سے متقابل کرنا پڑا تھا۔

جو شہادت ماہرین فن کی طرف سے پیش ہوئی وہ بہت زیادہ قابلِ توجہ ہے۔ ان لوگوں نے بھلف بیان کیا کہ ایسے شخص کے لئے جس نے اپنے ایک ہاتھ کی رگین کاٹ لی ہوں دوسرے ہاتھ کی رگین کاٹنا محال ہے کیونکہ وہ ہاتھ جسکی رگین کٹ گئی ہوں ہرگز اس قابل نہیں رہتا کہ اس سے کوئی کام لیا جاسکے۔

اس تحقیقات میں عدالت اور مدحت پاشاہ کے سوال و جواب نہایت دلچسپ ہیں مدحت پاشاہ نے نہایت قابلیت اور ثنات اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی طرف سے خود بحث کی چونکہ اس موقع پر اسکا اعادہ کرنا طوالت سے خالی نہیں ہذا ہم اسکو قلم بند کرتے ہیں۔ اس تحقیقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملزمین پر جو قلمبند ہو گیا لیکن ان کے جواہر کے مختلف درجہ قرار دیئے گئے۔ عدالت کے فیصلہ سنانے کے بعد ہی محمود کے وکیل نے یہ بحث کی کہ اسکا موکل قانونی طور سے بالکل بیگم ہے کیونکہ جو کارروائی اس نے کی وہ محض اپنے عہدہ داران بالادست کے حکم اور ہدایت کی تعمیل میں تھی۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ تحقیقات ایک عام عدالت میں ہوئی تھی۔ اہل انگلستان کے خیال کے موافق یہ بات پرموئی نہیں ہے۔ لیکن اس کی پوری عظمت اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ عثمانی تاریخ میں یہ پہلا

موقع تھا کہ ایسے سخت پولیکل جرم کی تحقیقات ممنوعی اور عام لاش  
میں ہوئی ہو اور اوسمیں دول خارجہ کے وکلاء اور اخبار نویس  
موجود ہوں۔

واضح ہو کہ یہ تحقیقات یوسف اغرا الدین آفندی کی ملتیانہ ذریعہ  
پر عمل میں آئی تھی۔ اغرا الدین آفندی سلطان عبدالعزیز خان مرحوم  
کے بیٹے ہیں اور انہوں نے سلطان عبدالحمید خان کے قدموں پر  
سر رکھ دیا اور یہ درخواست کی کہ ان کے باپ کے قاتلوں  
کے ساتھ قانونی برتاؤ کیا جائے۔

چند روز قبل اس کے کہ عثمانی دربار اپنے ملک کی مندرت  
رسان حکمت عملی کی تبدیلی کے لئے آمادہ ہوں۔ ہر ایک محب  
وطن ترک بخوبی سمجھتا تھا کہ سلطنت کے ملکی معاملات میں روز بروز  
مندرت رسان حکمت عملی کی طاقت بڑھتی جاتی ہے اور اس کا  
النداد نہایت فردری ہے۔ ایک عرصہ دراز تک سلطنت عثمانیہ  
کا اصلی اور حقیقی حکمران محمود پاشا تھا۔ اگرچہ میں نے اسکو اصلی  
اور حقیقی حکمران کہا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ لفاظ  
ادسپر نہایت مشکل سے صادق آسکتے ہیں کیونکہ یہ شخص گوسلطان  
عبدالعزیز خان پر پورے طور سے حاوی تھا لیکن خود سفیر روس کے  
توی پنجہ میں پہنسا ہوا تھا اور جو کرشمے قسطنطنیہ میں ہوتے تھے  
اون کی تحریک کا اصلی سبب اس سینٹ پیٹریسبرگ (سلطنت روس)

روس کا دارالخلافہ تھا۔

پس فرقہ محب وطن نے سب سے پہلے وزیراعظم محمود پاشا پر حملہ کیا اور اسے ہین اون کو پوری کامیابی ہوئی۔ محمود عہدہ وزارت سے علیحدہ کر دیا گیا اس کامیابی نے فرقہ محب وطن کی امیدوں کو بڑھا دیا۔ لیکن روسی سازش کا طوفان جو اس قدر زور پکڑ گیا تھا ایک ایسی مہمونی تدبیر یعنی وزیر کے علیحدہ کر دینے سے فروہنیں ہو سکتا تھا۔ روسی چالیں کبھی ایسی کر درہنیں ہوتیں کہ ذرا سی فراحت سے رک جائیں۔ ہیری کے موقوف پر دیری سے اور جب اس سے کام نہن چلتا تو سازشوں سے کام لیا جاتا ہے فرقہ محب وطن کو جو اپنی تازہ کامیابی کی خوشی میں سرشار تھا بہت جلد یہ امر معلوم ہو گیا کہ اگرچہ محمود پاشا اپنے عہدہ سے علیحدہ کر دیا گیا ہے لیکن اس کی قوت میں کسی قسم کا فرق نہن آیا اور اس کی پوشیدہ صلاحین اب تک سلطان کے قانون تک پہنچتی ہیں اور وہ کوئی اسے بغیر مشورہ سلطنت روس نہن دیتا۔ ان تمام واقعات پر نظر کر کے ان لوگوں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا جسکی تصدیق بعد کے واقعات سے ہوئی ہے کہ اون کے ملک کی بہبودی کے لئے ایک سخت کارروائی کی ضرورت تھی اس امر کا دنیا پر ثابت کر دینا صرف مسلمانوں ہی کی قسمت میں تھا کہ ایسی سخت کارروائی بغیر جوش اور غور نیزی اور بغیر وقوع

اون جو ایم کے عمل میں آسکتی ہے جو عام طور پر ایسے موقعون پر اون ہندو قوموں میں جنکو اپنے ملک کے انتظام اور نشانیگی پر فخر ہے واقع ہوتی ہیں۔

دور رس نے بالآخر مجبوراً یہ فیصلہ کیا کہ اونکا پادشاہ جسکی جہانی تخت اور دماغی توازن بڑا فرق اگیا ہے، مگر اس قابل نہیں ہے کہ اون فرر رساں قوتوں کا مقابلہ کر سکے جو اسقدر عرصہ سے اوسکو گہرے ہوئے ہیں۔ اس حالت میں اپنے ملک کو روس کے پنجہ سے بچا کے واسطے ایک سخت کارروائی کی ضرورت تھی جسکو وہ نہایت دلیرانہ طور سے عمل میں لائے اور ۳۰۔۳۱ مئی ۱۹۱۷ء کو پانچ روز قبل واقعہ قتل کے سلطان عبدالغیر اوس محل سے جہین اونہوں نے اسقدر عرصہ دراز تک شامانہ زندگی بسر کی تھی ایک دوسرے محل میں پیچھے گئے جہاں اونکا قتل واقع ہوا۔

اس تبدیلی میں اسقدر بھی ہنگامہ نہیں ہوا جو چند سال قبل لندن میں ٹریفیل گارہسکو ایر (لندن کے محلہ کا نام ہے) کے مجمع کے متفرق کرنے میں ہوا تھا۔ اس سے اور بعد کی دوسری کارروائیوں

کو ذرا بڑے قبل کارروائی شروع کرنیکے مقصد ذیل فتویٰ شیخ الاسلام کے سامنے پیش کیا۔ اگر مسلمانوں کا خلیفہ مجنون ہو جائے اور اوس کے ملکی معاملات میں ناواقفیت کے آثار ظاہر ہوں اور بیت المال سے وہ اوس مقدار سے زیادہ انجی ذات پر صرف کرے جسکی اوسکو سلطنت کی طرف سے اجازت ہی تو کیا وہ عام تکلیف کا باعث تصور نہ ہوگا۔ آیا اوسکا تخت سے علیحدہ کر دینا جائز ہے یا نہیں۔ ان دونو کا جواب اہل ثبات میں ملا۔

سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ انگلستان اور سلطنت عثمانیہ کے اصول سلطنت کو یہ خواہ موافق تھا یا جاوے یا مخالف لیکن سلطنت عثمانیہ کے وزراء کو ایک قوی بادشاہ کے مزدور کرنے میں بھی اون وقتوں اور خونریزیوں کا مقابلہ کرنا نہیں پڑتا جو انگلستان کی سلطنت کو ایک اونے پولیٹیکل مجمع کے متفرق کرنے میں پیش آتی ہیں۔

وزراء کے اس خیال کے ساتھ کہ سلطان مراد کی تخت نشینی سے سلطنت کے مردہ قالب میں ایک نئی جان پڑ جائیگی ہر اک مجب وطن ترک متفق تھا۔ مشرق مغرب شمال جنوب جہاں جہاں نقیب نے بادشاہ کے تحت نشینی کا اعلان کرتے ہوئے پہنچے رعایا نے اون کا خیر مقدم کہا اور نہایت مسرت کے ساتھ اس خبر کو سنا جو لوگ ۳۰ مئی ۱۷۷۴ء کو قسطنطنیہ میں موجود تھے وہ میرزا اس بیان کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ اس دن شہر میں مسرت کا عجیب عالم تھا اور محل شاہی کے دروازہ پر مبارک باد دینے والوں کا حیرت انگیز ازدحام تھا۔ ان تمام واقعات میں سب سے زیادہ دلچسپ اور قابل قدر وہ خط تھا جو خود سلطان عبدالغیر خان نے بغرض اطہار وفاداری اور منظوری انتظام جدید اپنے بہتیجے کو لکھا تھا۔

لیکن وزراء اور رعایا کی یہ تمام امیدیں بہت جلد ناامیدی کے



ساتھ تبدیل ہو گئیں۔ سلطان مراد کو تخت نشین ہوئے  
چند ہفتہ بھی نہیں گزرے تھے کہ یہ حالت پوری طور سے  
ثابت ہو گئی کہ اونکی صحت ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ وہ کسی  
پر آشوب زمانہ میں کاروبار سلطنت کے عظیم ذمہ داری کو  
مٹھل ہو سکیں دماغی اور جسمانی ضعف جو حرم کی خاموشی  
اور تنہا زندگی میں پوشیدہ تھے دیر کی کونسل اور دربارین  
ظاہر ہونے لگے۔

۔ وزیر سلطنت عثمانیہ اگرچہ ایک درجہ تک روس کی حکمت عملی  
پر غالب آگئے تھے لیکن سلطان مراد کی ناقابلیت سے جدید  
وقتوں کا اندیشہ ہو گیا۔ جبکہ اسناد نہایت ضروری تھیں  
چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ مشورہ کیا اور جس خاموشی  
اور مستحکم سے پہلی مزدولی عمل میں آئی تھی اسی طرح دوسری  
مزدولی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سلطان مراد کی صحت  
اور ناقابلیت کی تمام کیفیت پیش کر کے شیخ الاسلام سے  
دوبارہ فتوے طلب کیا گیا اور اوہوں نے اس تبدیلی کو بھی  
جائز قرار دیا۔

اس فتوے کے بعد ایک قومی ڈیپوٹیشن عبد الحمید خان مراد کے  
پہوٹے پہاڑی کے پاس پہنچ کر یہ درخواست کی گئی کہ اس وقت  
ملک کی مزدورتوں کا یہی مقتضی ہے کہ آپ سلطنت عثمانیہ

کے تحت پر بیہین اور عثمان کی اوس تلوار کو جو بہت جلد قومی زندگی کی حفاظت میں میان سے نکلنے والی ہے اپنی کمری لگائیں۔ لیکن اس موقع پر وزیر کو ایک نئی وقت پیش آئی کیونکہ عبدالحمید خان نے اوس بیغرضانہ خیال سے جو اکثر سچے۔ قوی دل۔ اور مستعد لوگوں میں پایا جاتا ہے اور جسکا اظہار وقتاً فوقتاً اس بارہ سال کے عرصہ میں اوسے ہوتا رہا ہے۔ شہنشاہی کی عظیم ذمہ داری کو اپنے سر لینے سے اوس وقت تک انکار کیا جب تک کہ اوس کے بڑے بیانی کی ناقابلیت اوس پر کافی طور سے نہ ثابت کر دیجائے۔

عبدالحمید خان چونتیس برس تک ایک تنہائی اور آرام کی زندگی بسر کر چکے تھے جبکہ وہ کسی طور سے شاہی شان و شوکت اور کاروبار کے جوش و خروش سے بدلتا بہنیں چاہتے تھے۔

جن لوگوں نے تاج شاہی کو رد کر کے اپنی ذاتی آزادی قائم رکھی ہے ہر زمانہ میں وہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گئے ہیں۔ بلکہ امید ہے کہ جب عبدالحمید خان کے اوس کاموں کے ذکر کر نیکا وقت آئیگا جو اوہوں نے اپنی زندگی میں کئے ہیں تو اونسکا یہ پہلا فیاضانہ فعل نظر انداز کیا جائیگا۔ بہر حال اوس لوگوں کے لئے جو ایک قوی سلطنت کی سازشوں

پر نائب آگئے تھے۔ ایک نو عمر شاہزادہ کے ان دسواں پر  
نائب آجانا کیا مشکل تھا۔ ملک اور مذہب کی طرف سے جو دشواریاں  
اونسے کی گئی تھیں وہ بالآخر کام کر گئیں اور اگست ۱۸۸۷ء  
کے اخیر دن سلطان عبدالحمید خان ثانی نے اپنے آبائی تخت پر  
بٹیکر اون مقید اصلاحوں کا سلسلہ شروع کیا جنکا ذکر اس  
کتاب میں اختصار کے ساتھ کیا جائیگا۔

جو وقتیں سلطان کو تخت نشینی کے وقت پیش آئیں اور جس  
مستعدی اور استقلال سے انکا مقابلہ کیا گیا اوس کی  
نظیر شاید کسی بادشاہ یورپ کی تاریخ میں نہ مل سکے سلطان  
کی تخت نشینی کے وقت سلطنت عثمانیہ کی مالی حالت جو تمام  
پولیکل کاروبار میں پشت و پناہ ہے نہایت پچیدہ اور تاریک  
حالت میں تھی۔ اور دیوالیہ ہو جانیکے اعلان نے جو چند نو  
پہلے جاری ہو چکا تھا اور جس کے اجراءے بغیر کوئی چارہ  
نہ تھا اون مغربی سلطنتوں کی ہمدردی زایل کر دی تھی  
جو اس سے پہلے ترکوں کی ہمدرد کہلاتی تھیں رابل یورپ  
کی تمام ہمدردی بطریقہ قرضہ کا سودا کرتے رہنے پر منحصر  
اکثر صوبوں میں پوشیدہ طور سے سازشوں اور بغاوتوں  
کا باز ارگرم تھا۔ روسی جاسوس اور ایجنٹ قصبہ قصبہ اور  
کانون کانون میں موجود تھے اور روسی رشوتوں کا چال

ہر طرف پہلایا ہوا تھا۔ یکم جولائی کو زار روس کا پہلا کرشمہ ظاہر  
 ہوا۔ یعنی صوبہ سر دیانے سلطنت عثمانیہ سے منحرف ہو کر  
 جنگ کا اعلان دیا اور اس کے ساتھ ہی عثمانی ملک پر حملہ کر دیا  
 لیکن سر دیاکو اس حملہ میں بھی مثل سابق کے ناکامیابی ہوئی  
 کیونکہ عثمانی فوج کے بہادر سپاہیوں نے باغی فوجوں کو فوراً  
 شکست دیکر اپنے ملک کے حدود سے باہر نکال دیا۔ اس  
 شکست کے بعد بڑی بڑی مغربی سلطنتوں کی دست اندازی  
 سے جو ہمیشہ اصفان سے زیادہ حکمت عملی کو پیش نظر کرتے  
 ہیں پھر یہ ستر جنگ التوائے جنگ کا اعلان دے دیا گیا۔  
 اس سے ظاہر ہے کہ سلطان عبدالحمید خان ایسے وقت میں تخت  
 نشین ہوئے جو وقت ٹرامیوں کا سلسلہ چھڑ چکا تھا یہ وقت  
 ہرگز ایسا نہ تھا کہ ملکی یا تمدنی اصلاحوں کی طرف توجہ کیجاتی۔  
 سلطنت کا سب سے پہلا فرض اپنے فوجوں کا آراستہ  
 اور پیراستہ کرنا تھا مدبران ملک اس امر سے بخوبی واقف  
 ہیں کہ زمانہ جنگ میں ملکی قانون بیکار ہو جاتے ہیں۔ پس  
 ایسے وقت میں جبکہ بحریہ قوانین کا عمل درآمد مشکل ہو جیسا  
 اصلاحات ملک پر غور یا تجویز کرنا کس قدر زیادہ مشکل ہوگا  
 لیکن سلطان باوجود ان جنگی تیاریوں کے اور ملکی اصلاحات  
 سوچ رہے تھے جنکو وہ اپنے بارہ سال کے عہد حکومت

میں نہایت مستعدی اور استقلال کے ساتھ عمل میں لاتی  
رہے ہیں۔

جو مہلت کہ اس وقت سردیا کو دگنی تھی وہ سلطنت عثمانیہ اور  
اون کے مخالفین کے معاہدہ کا ایک جزو تھا۔ یورپ نے  
اس موقع پر جو دست اندازی کی اوسکا اصلی منشاء قیام امن  
نہ تھا بلکہ یہ تمام کارروائی محض سردیا کے فائدہ کی غرض سے  
کی گئی تھی جس سے اوس نے حسب دلخواہ فائدہ حاصل کیا۔  
اس مہلت کے زمانہ میں روسی سپاہ اور مختلف سامان جنگ  
برابر سردوں پر پہنچتا جاتا تھا اور باغیوں کے مورچے  
میں تمام انگرنڈ اس روز بروز مضبوط ہوتے جاتے تھے۔ اور  
تمام دنیا کے ماہران فن جنگ کا عام قیاس یہی تھا کہ اس  
مہلت کے ختم ہوتے ہی سالہ برعکس ہو جائیگا اور سردیا  
شیر بجائے غرا کے پہاگ جائیگے جیسا کہ اٹیک کرتا رہا ہے  
ہر دور کوئی نمایاں کارگرداری ظاہر کر لیگا لیکن بالآخر سردیا  
کا شیر جو پہر پروں اور تمغوں پر اسقدر بہاؤ اور جبرئی  
معلوم ہوتا ہے فی الحقیقت ایک ذیل قسم کی بلی ثابت ہوا  
جس کے پنجوں میں اسقدر بھی طاقت نہیں کہ اوس شکار کو  
جیسے ”شمال کی آسمانی قوت“ سلطنت روس دانت لگاؤ  
بیٹھی ہے۔ آگ سے نکال سکے۔ جنگ شروع ہونیکے بعد

ایک ہی مہینہ کے اندر باوجود اس تمام درد کے جو اُردسی مجاہدین سے ملی تھی ”بہادر اور جری سردیا“ کی فوجیں شکست فاش کہا کر بھاگتی ہوئی نظر آئیں اور فتیاب عثمانی جنرل کے واسطے بلکہ ڈیٹنگ راستہ صاف ہو گیا لیکن وہ وہاں تک نہیں پہنچا۔ ان فوجوں کے پاپے شکست نے اس پردہ کو اٹھا دیا جس میں اس وقت تک مور کے کی اصلی شکل چھپی ہوئی تھی۔ ترکوں کی فتحیابی کی خبر سننے پر مین پہنچتے ہی سفیر روس مقیم قسطنطنیہ کے پاس یہ حکم آیا کہ فوراً سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت اصرار کے ساتھ تجدید مہلت کی درخواست کرے۔ اور اگر مہلت نامنطور ہو تو فوراً سفارت اٹھالیا جائے۔

اصلی مدبران ملک کا اطلاق ادھنیں لوگوں پر ہو سکتا ہے جو ہر معاملہ میں مصالح اور نشیب و فراز پر پورا خیال رکھتے ہیں پر جوش اور جذباتی لوگ جو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بغیر سوچے سمجھے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں گو بہت زیادہ قابل قدر ہوں لیکن نہ اون پر پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے اور نہ ادھن انسانوں کے مادی اور رہنما بننے کی قابلیت ہوتی ہے۔

تحت نشینی کے بعد جو سب سے بڑا اور اہم مسئلہ

سلطان عبدالحمید خان کو طے کرنا پڑا وہ یہ تھا کہ اس ماجرایہ اور غیر معمولی درخواست ہمت کی نسبت جو ایک قومی اور موروثی دشمن کی طرف سے پیش ہوئی ہے کیا کارروائی کرنی چاہیے۔

چونکہ سلطان عبدالحمید خان نے نہایت مستقل مزاجی اور خجندیہ سے اپنا یہ اصول قرار دیا تھا کہ بمقابلہ اپنی ذاتی رائے یا شاہی شان و شوکت کے وہ ہمیشہ ملکی فوائد اور شامان یورپ کی خواہشوں کو زیادہ ملحوظ رکھیں گے لہذا وہ ہونے سے پہلے سے تھوڑے سے تاہل کے بعد درخواست ہمت جنگ پانچ مہینے کے لئے منظور کر لی۔

جب زار روس کو سامان جنگ کی تیاری کا پورا موقع مل گیا تو وہ دوسری چال چلا اور ایک مدبرانہ مراسلہ سلطنت انگلستان کے نام اس مضمون کا بھیجا گیا کہ اعلیٰ حضرت شہنشاہ روس کے نزدیک یورپ میں امن قائم رکھنے کے لیے رشتہ شاہ روس کو قیام امن کا جتنی خیال ہے وہ تمام دنیا پر اظہار میں ہمیشہ ہے (یہ امر نہایت ضرور ہے کہ ایک یورپین کانفرس اور اصلاحات پر غور کرنیکی غرض سے مقرر کیجئے جسکا جاری ہونا سلطنت عثمانیہ کی عیسائی رعایا کے امن اور حفاظت کے واسطے ضروری خیال کیا

جاتا ہے۔

اور سلطان سے اس بات کا اطمینان حاصل کیا جائے کہ کانفرنس جو فیصلہ کرے گی اس کی پوری تعمیل ہوگی۔

اگر زار روس کی بددیانتی کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہو تو اس کی لئے یہ مراسلہ کافی ہے اگر یہ مراسلہ چہم مہیتہ پہلے جاری ہوتا تو اس قدر بے موقع نہ ہوتا لیکن اس وقت اس مراسلہ کا اصلی مقصد یہی ہے کہ وہ تمام تبدیلیاں جو سلطنت عثمانیہ میں ہوئیں ہتھ اور جنگ کے بعد ایک قابل اطمینان حالت قائم ہو گئی ہتی وہ کا اندازہ کر سکیجائیں یہ امر ہرگز قرین قیاس نہیں ہے کہ سلطنت روس کو روسی سفیروں نے ان تبدیلیوں کی اطلاع نہ کی ہو اور شہنشاہ روس اس لئے سلطان کے چال و چلن اور اصل مقاصد سے ناواقف ہو چکوزمانہ کے انقلابات نے سلطنت عثمانیہ کے تحت پر بٹایا تھا۔ زار روس اس امر سے خوب واقف تھا کہ وہ سلطان سے ادھنیں اصلاحات کو بجز طلب کر رہا ہے جسکی اجراء کی نسبت سلطان خود فیصلہ کر چکے ہیں۔

روس کی اس حکمت عملی کا مقصد صرف سلطان کو مشتعل کرنا تھا اگر اسکی نسبت کوئی شبہ ہو تو وہ شہنشاہ روس کی اس عملی کارروائی سے رفع ہو سکتا ہے کہ ایک لاکھ پچاس ہزار فوج سمیت چہم سو پلوں کے گرانڈ ڈویو ک نکلا اس کے تحت میں سرحد کی طرف رقبول



روس تبصرہ احتیاط) روانہ ہوئی۔ ان تمام کارروائیوں کو  
 دیکھ کر سلطان عبدالحمید خان کا خاموش بیٹا رشتہ حقیقت میں  
 اپنے ملک اور مذہب پر سخت ظلم تھا جیسا کہ اونسے ہرگز امید  
 نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ تمام تیاریاں دیکھ کر اوہنوں نے بھی  
 اپنی فوجوں کی راستگی کی طرف توجہ کی۔ ۱۸۷۶ء کے اخیر  
 میں جب کانفرس جمع ہوئی تو تمام یورپ میں کوئی ایسا شخص  
 نہ تھا جسکو اس کانفرس کی کامیابی کی امید ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا  
 اور کانفرس چند حلیوں کے بعد خود اوس کے محرک کی خواہش  
 کی موافق بلا کسی نتیجہ کے برخاست ہو گئی۔

اس موقع پر سلطان عبدالحمید خان نے اپنے سچے دوستوں  
 کی صلاح اور اپنے موروثی دشمنوں کی درخواستوں کو رد کر کے  
 بلا کسی توسط کے سرویاسے خود صلح کر نیکی کارروائی کی اور  
 اسمین اوزکو پورمی کامیابی ہوئی جو شرائط سلطان کی طرف سے  
 پیش ہوئیں بہتین اوزکو بلا تامل سرویاسے منظور کر لیا اور  
 اس طور سے جو مہلت سلطان کو ملی اوسکو اوہنوں نے ملک  
 کی اندرونی اصلاحات میں صرف کیا۔

لیکن ایک ذی فہم روشن خیال مدبر بادشاہ کا تخت عثمانیہ پر  
 بیٹھ ہوئے دیکھتا ایک روشن خیال اور ذی فہم رار کو  
 کب گوارا ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اگر سلطنت عثمانیہ میں امن قائم

ہو جاتا تو سلطنت روس کو بیجا دخل اندازی اور جابرانہ عصبیت کا موقع ہاتھ سے جاتا رہتا۔ سلطنت روس اگرچہ سلطنت عثمانیہ کی ان تبدیلیوں کو ہنیت روک سکتی تھی لیکن کم از کم اسکو اون کے کا عدم سمجھنے کا ضرور اختیار تھا۔ کانفرس کے نزاع ہوتے ہی پرنس کارجگاف نے ایک سرکلر یورپ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے نام جاری کیا جس میں اوس نے اس کانفرنس کی ناکامیابی کا ذکر کر کے یہ لکھا کہ۔

ہر چند یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں مشرق میں امن قائم رکھنا نہایت ضروری اور اہم خیال کرتی ہیں اور اون حقوق کے لحاظ سے جو انکو معاہدہ کے رو سے حاصل ہیں۔ اوس کے متعلق کوشش بھی کر چکی ہیں۔ لیکن اکیس سال کی مدبرانہ محنتوں کے بعد ہر ایک سلطنت پر یہ امر سنجو بی ثابت ہو گیا ہے کہ مشرق کی جو حالت پہلے تھی وہی اتیک قائم ہے۔ بلکہ خونریزی۔ جوش۔ تباہی۔ اور اوس خوفناک زمانہ کے خیال سے جو بہت جلد یورپ پر آئیوالا ہے اور جسکو ہر ملک کی رعایا اور گورنمنٹ پورے طور سے سمجھی ہوئی ہے اوسکی حالت اور زیادہ اتیر ہو گئی ہے مگر با این ہمہ یاب عالی نے یورپ کی متفقہ خواہشوں۔ اپنے وعدوں۔ اور اون ذرائع منصبی کا جو اوسپر بحیثیت سلطان یورپ عاید ہوتی ہیں ذرہ برابر بھی خیال نہیں کیا جسکی وجہ سے مشرقی معاملات

بجائے روبراہ ہونیکے اور زیادہ پیچیدہ ہو گئے ہیں۔  
 اور اس وقت بلحاظ یورپ کے امن اور انسانی ہمدردی  
 اور عیسائی قوموں کے اخلاقی خیالات کے نہایت اندیشہ ناک  
 ہیں۔ اس مراسلہ کا لطف سمجھو گئے یہ امر یا درکنہ افروز  
 ہے کہ انعقاد کانفرس سے پہلے ہی سلطان نے اندرونی  
 اصلاحات کے واسطے مشورہ و ذرا انتظام سلطنت کے  
 متعلق کچھ قواعد تیار کئے تھے جنکو صفوت پاشاہ نے کانفرس  
 کے پہلے جلسہ میں پیش کر کے توپون کی سلامی ادا کرے جانے لگا  
 ساتھ ہی یہ اعلان کیا تھا کہ  
 ”اس بڑے قانون نے جسکی تکمیل ابوقت ہوتی ہے چہ سو برس  
 کے قدیم اصول سلطنت کو بدل دیا ہے۔ سلطنت کے جدید  
 اصول جو سلطان نے قائم کئے ہیں اور جسے عثمانی رعایا کے  
 امن و آسائش کا نیاز مانہ شروع ہوتا ہے اس وقت سے  
 جاری کئے جاتے ہیں۔“

ان جدید اصول کا ذکر اس کتاب کے دوسرے حصہ میں  
 کیا جاوے گا یہ امر کہ ان اصول پر امن کی حالت میں ہی عمل کرنا  
 ہو سکتا ہے یا نہیں میری بحث سے خارج ہو۔  
 عثمانی مدبران ملک شاید اس امر کو بخوبی سمجھیں ہوئے ہوتے  
 کہ آزادی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کسی خاص حکم یا اعلان

کے ذریعہ سے دفعتاً پیدا کر دیا جائے مگر اور تمدنی ضرورتیں  
 اوسکو خود بخود پیدا کر لیتی ہیں اور مختلف اقوام اور مذہب کو  
 نے مختلف قسم کی حکومتوں کی ضرورت ہوتی ہے بہر حال  
 اون کا خیال چاہئے جو کچھ ہو مگر اسمین کچھ کلام نہیں ہو سکتا  
 کہ جو اصول مرحمت پاشاہ نے قائم کئے تھے اوسکی ازمایش اور  
 کامیابی کا ذرا بھی موقع نہیں دیا گیا۔ اور خاص مراحمہ اس  
 سلطنت کی طرف سے ہوئی جسکی تمام تاریخ آزادی روکنے کی جویر  
 جیگر وں سے مملو ہے جو سلطنت اپنی رعایا کے آزاد خیال نمبر کو  
 ہمیشہ قتل اور جلاد وطنی کی سزا دیتی ہو اوسکا کسی دوسرے  
 ملک میں آزاد گورنمنٹ نہ قائم ہونے دینا کچھ تعجب انگیز نہیں ہو  
 سکتا۔ شہنشاہ روس نے بلا لحاظ اون کوششوں کے جو سلطان  
 عبدالحمید خان نہایت امانداری کے ساتھ اپنے ملک کی اصلاح  
 میں کر رہے تھے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتوں کو اس امر پر  
 آمادہ کیا کہ سلطان سے مجوزہ اصلاحات کی ایک فہرست طلب  
 ہو اور اون کے اجراء کے لئے ایک وقت مہین کر دیا جائے  
 اور یہ امر بخوبی اون کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ تمام مغربی  
 سلطنتیں اون کی عیسائی رعایا کی حالت کو بغور دیکھتی رہیں گی  
 اور اون کی اصلاح اور آسائش کے لحاظ سے جو کارروائی  
 متفقہ سلطنتیں مناسب تصور کریں گی وقتاً فوقتاً عمل میں

لائن گی۔

سلطنت

اس مراسلہ کے جواب میں انگلستان کے وزیر خارجہ نے  
روس سے اس بات کا اطمینان چاہا کہ اس متفقہ دست اندازی کو  
بعد جو روسی فوجیں سلطنت عثمانیہ کے سرحدوں پر پڑی ہوئی  
ہیں وہ فوراً اڑھایا جائیگی۔ اس نے اپنی قدیم عادت  
کے موافق اسکا کوئی راست جواب نہیں دیا بلکہ اسکی متعلقہ میں  
یہ تجویز پیش کی کہ باب عالی میں اس متفقہ مراسلہ کے پیش ہو کر  
بعد فوجوں کے ہٹانے اور بڑھانے کا مسئلہ شہنشاہ اور سلطان  
کے باہمی تصفیہ پر چھوڑ دیا جائے اور دوسری سلطنتیں اس میں  
کچھ دخل نہ دیں۔

بالآخر یہ تجویز منظور ہوئی اور ۳۰ مارچ ۱۸۷۷ء کو مفصلہ ذیل مراسلہ  
یورپ کی بڑی بڑی سلطنتوں کی طرف سے بذریعہ سفیروں کے سلطان  
کے سامنے پیش ہوا۔

جو سلطنتیں یا اتفاق یک دیگر مشرق کا قیام میں اپنے ذمہ ٹیکہ  
تسلطیہ کی کانفرنس میں شریک ہوئی تھیں۔ انکا یہ خیال  
ہے کہ اس مقصد میں کامیابی کے لئے سب سے پہلو یہ امر  
ضروری ہے کہ جو باہمی معاہدات اور عین قرار پائے ہیں وہ  
قائم رکھے جائیں اور اس متفقہ خواہش کی ارسر فوجیں  
جو لوگ سلطان کے عیسائی رعایا کی فلاح اور بوسینا

ہر ری گونیا اور بلیکریا کی اصلاح کے متعلق ظاہر کر چکے ہیں  
 جسکی تعمیل کا باب عالی نے وعدہ کر لیا ہے جو صلح کہ سرودیا  
 کے ساتھ کی گئی اور سکودہ منظور کرتی ہیں اور ہانسی مگر وکی لسنہ  
 اذ نکا یہ خیال ہے کہ حدود کا تعین اور بحر اسود میں جہاز رانی  
 کی عام اجازت قیام معاہدہ کے لئے نہایت ضروری ہے  
 جو معاہدے کہ باب عالی اور اس کے دو ممبروں میں ہو  
 ہیں یا آئندہ ہوں اور متفقہ سلطنتیں قیام امن کا بڑا  
 ذریعہ تصور کرتی ہیں اور سلطان سے درخواست کرتی ہیں  
 کہ جو فوج اور ہونے والے حال میں بخیاں جنگ بڑھائی ہے  
 اور سکوت خفیف کر کے صرف اور قدر فوج رکھی جائے جو قیام  
 امن کے لئے ضروری ہو۔ اور فوراً وہ اصلاحیں جاری کر دیں  
 جنکے متعلق کانفرس فیصلہ کر چکی ہے۔ متفقہ سلطنتیں اس  
 امر سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ باب عالی ان اصلاحات کو  
 بڑے حصہ کی تمیل پر اپنی پوری آمادگی ظاہر کر چکی ہے  
 جو سر کلر ۱۳۔ ضروری شدہ کو باب عالی نے جاری کیا  
 اور جو کچھ اسکی طرف سے بوقت کانفرس یا اس کے بعد  
 بیان کیا گیا وہ سب سلطنتوں کے متفقہ کے پیش نظر ہے  
 باب عالی کی اس نیک نیتی اور آمادگی پر ہر دوسرے کے  
 سلطنتوں کے متفقہ کو پوری امید ہے کہ باب عالی موجودہ

موجودہ زمانہ امن کو غنیمت سمجھ کر ایسا انتظام کر لیا جس سے  
 اوسکی عیسائی رعایا دکی حالت میں قابل اطمینان ترقی ہو گئی  
 جو یورپ میں قیام امن کے لئے نہایت ضروری ہے۔  
 متفقہ سلطنت ہائے یورپ یہ بھی امید کرتی ہیں کہ باب عالی  
 ان تمام تجویزوں کو شروع کرنے کے بعد اون پر نہایت مستعدی  
 کے ساتھ ثابت قدم رہنا اپنی شانہ و عزت اور ذاتی فوائد  
 کے لحاظ سے ضروری سمجھے اس لئے کہ متفقہ سلطنت ہائے یورپ  
 اپنے سفیروں کے ذریعہ سے بغور دیکھتی رہیں گی کہ باب عالی اپنے  
 وعدوں کو کس طرح ایفا کرتا ہے۔ اگر اون کو اپنی امیدوں میں  
 دوبارہ ناکامی ہوئی یا سلطان کی عیسائی رعایا کی حالت میں کوئی  
 اصلاح نہ ہوئی اور وہ پیچیدگیوں نہ رنح ہو سکیں جو تھوڑے  
 تھوڑے عرصہ کے بعد مشرق کے امن میں خلل انداز ہوتی ہیں تو  
 متفقہ سلطنتیں اوسکو عام یورپ کے مقاصد کے بالکل خلاف تصور  
 کریں گی۔ اور مجبوری اون کو قیام امن کے لئے باتفاق یکدگر ایسی  
 تدبیریں اختیار کرنی پڑیں گی جنکو وہ ان مقاصد کے لئے مناسب  
 تصور کریں۔

میں نے ایسے قابل قدر مراسلہ کو جس پر تمام یورپ  
 کے مدبران ملک اپنا دماغ صرف کر چکے تھے اس  
 مقام پر بحینہ درج کرنا مناسب خیال کیا

کیونکہ میری رائے کے موافق اس مراسلہ کو اس وقت بہت کم لوگوں نے دیکھا ہوگا اور اکثر لوگ اس وقت تک بھی یہ سمجھتے ہیں کہ سلطنت روس نے قیام امن کے واسطے تمام مدبرانہ ذرائع میں ناکامی کے بعد جنگ کا اعلان دیا تھا۔

میں سمجھتی ہوں کہ میرے سوا اور لوگ ہی اس مراسلہ کو بطور عجیب روزگار کے کسی بڑے عجائب خانہ میں جگہ دینے کے قابل خیال کریں گے۔ اگر یہ مراسلہ کسی چھوٹی سے چھوٹی جنوبی امریکہ کی ریاست کے نام پہنچا جاتا تو وہ بھی اسکو اپنی سخت توہین خیال کرتی۔ لیکن ایک ایسے شخص کے سامنے جسکے تحت میں لاکھوں جاننا اور بہادر سپاہی ہوں اور وہ ایک قوی قدیم سلطنت کا خود مختار پادشاہ ہو اور جسکو تین مختلف براعظم کے مسلمان دنیا مذہبی پیشوا سمجھتے ہوں اس قسم کے مراسلہ کا پیش کرنا ایسا جاہلانہ اور وحشیانہ فعل تھا جسکی مثال باہمی سلطنتوں کی مراسلت کی تاریخ میں بہت ہی مشکل سے مل سکتی ہے۔

اگر یہ امر فرض کر لیا جائے کہ بلحاظ ضرورت کے اس مضمون کے تحریر میں مجبوری تھی تب بھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو طرز ادا اختیار کیا گیا وہ نہایت ناملائم تھا اور جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ نہایت سخت اور مشتمل کرشمہ



تھے اور جب یہ مان لیا جائے کہ اس قسم کے الفاظ اور علانیہ تحریف کی کوئی  
 مقول وجہ ہی نہ تھی تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ سلطنت تباہ  
 تنقہ کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا گیا تھا اور ان کی طرف سے ایسے امور پیش ہو  
 تھے جو ان کے دلی مقاصد کے بالکل خلاف تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جس  
 شخص نے اس مراسلہ کو تحریر کیا تھا اس کا اصلی مقصد سب سے  
 قیام امن کے جیسا کہ ظاہر کیا جاتا تھا، اعلیٰ تک تھا چنانچہ  
 ایسا ہی ہوا اور یہ مراسلہ آئندہ خونریز اور تباہی کا دیباچہ بن گیا۔  
 اس توہین کا جو اثر سلطان کے دل پر ہوا ہو گا دوسرے لوگوں کو  
 اس کا اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ سلطان عبدالحمید خان  
 تحت نشینی کے وقت سے جانتے تھے کہ وہ ایک ایسی قوم کے  
 حقوق اپنے ذمہ لیتے ہیں جو دنیا میں سب سے زیادہ وفادار  
 اور جان نثار سمجھی جاتی رہے اور ان فرائض منصبی کو پورے  
 طور سے ادا کر نیکیے لیے عرصہ و راز تک اندرون امن اور آزدی  
 کی سخت ضرورت ہوگی۔ ان کی خدا داد عقل و درست نے ان کو  
 بتلادیا تھا کہ ان کی سلطنت ایسے امراض میں مبتلا رہے جو امتداد  
 زمانہ سے کہنہ اور فرس ہو گئے ہیں اور وہ بحر فطرتی اور تدریج  
 تدابیر کے کسی طور سے علاج پذیر نہیں ہو سکتے۔ اور جو علاج  
 بیرون لوگ بتجویز کرتے ہیں وہ کسی طور سے مصلحت کے  
 موافق حال نہیں ہے

دہ بیہ بھی جانتے تھے کہ اون سلطنتوں میں جو بیہ تاجا و نیز پیش  
 کر رہی ہیں کم از کم ایک سلطنت ایسی ہے جسکی تمام کارروائیاں  
 خود غرضی پر مبنی ہیں اور وہ اپنے گہر کا انتظام چھوڑ کر دوسرے  
 گہروں کا انتظام بہت زیادہ فردری خیال کرتی ہے خلاصہ یہ ہو  
 کہ سلطان عبدالحمید خان دس کے اندرونی معاملات سے ناواقف  
 نہ تھے وہ خوب جانتے تھے کہ روسی فرار عین کی حالت اذکی علیائی  
 رعایا کی حالت سے بدرجہا بدتر ہے اور جو ظلم کہ اوپر خود زار کے  
 حکم سے ہوتے ہیں وہ یاشی بروق کے اتفاقی مظالم سے بہت  
 زیادہ ہیں۔

سلطان عبدالحمید خان اپنے ارادوں اور مقاصد کی سچائی سے  
 واقف ہونیکے علاوہ اس بات کو بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ سلطنت  
 یورپ اونکو اشتباہ کی نظر سے دیکھتی ہیں اور اون کے سیر سلطان  
 کی ملکی اصلاح کی نگرانی کے لیے مقرر ہیں۔

اور ایسے وقت میں جبکہ اونکی قومی اور مذہبی دشمنوں کی ہتھیار  
 فوجیں سرحد کی طرف بڑھتی چلی آتی ہیں اولتے بہ خواہش ظاہر  
 کچالی ہے کہ وہ اپنی اوس چھوٹی سی فوج کو جو ایک ناجائز اور  
 عاصبانہ حملہ کو ابھی نہایت بہادری کے ساتھ روک رہی ہے  
 تحصیل کر دیں اور اس پریشانی کی حالت میں یورپ کی سلطنتوں  
 متفقہ ایک ید فراج اوشاد کی طرح اونکو دھمکانی اور ڈراتی ہیں

فی الحقیقت ایسے وقت میں ان دہلیوں کو بروااست کر لینا  
 گو کہ وہ تمام سلطنتیں یورپ کی طرف سے کیوں نہ ہوں کسی  
 معمولی ترک سے ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

اس موقع پر سلطان عبدالحمید خان نے جو استقلال اور  
 تحمل ظاہر کیا اسکا عشر عشر بھی دنیا کے کسی دوسرے بادشاہ  
 سے ممکن نہ تھا ایسی حالت میں اگر وہ سفیران دول خارجہ کو  
 قسطنطنیہ چھوڑ دینے کا حکم دیتے اور تنفقہ سلطنتیں یورپ  
 سے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو جاتے تو کچھ تعجب انگریز تھا اور نہ  
 کوئی شخص انکو قابل الزام قرار دیتا سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ  
 کے قبضہ میں ہمیشہ کچھ اس قسم کے اختیارات رہتے ہیں کہ  
 اگر وہ انکو کام میں لائے تو دنیا کے تین چوتھائی حصوں  
 میں جہاں کہ عیسائی اور مسلمان ملجھکر رہتے ہیں کشت و خون  
 کی آگ لگا سکتا ہے اور انکے کو دوسرے کے خون کا پیاسا  
 بنا سکتا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کا مذہبی پیشوا اور دنیوی بادشاہ  
 مانا جاتا ہے۔

اگر کسی سلطان کو انصافاً اس عظیم الشان اقتدار کو کام میں لانا  
 جائز ہو سکتا تھا تو وہ اس مسئلہ کے پیش ہونیکے وقت  
 صرف سلطان عبدالحمید خان تھے۔ لیکن یورپ البتہ خصوصاً  
 انگلستان کی خوش نیتی تھی کہ عیسائی سلطنتوں کو ایک ایسی

شخص سے سابقہ پڑا تھا جسکی نظر بہ نسبت اپنی ذاتی توہین کے دوسرے مصالح پر زیادہ تھی اور ہون نے اپنی معمولی عادت کی موافق اس موقع پر بھی اپنی رعایا کے فواید کو مد نظر رکھا اور رافرد ہو کر وہ فوراً اٹرائی کے لیے آمادہ نہیں ہو گئے بلکہ انہوں نے یہ کہہ کر اور اس انصاف کو جوش میں لانا چاہا جو عیسائی سلطنتوں میں مخصوص جبکہ وہ مسلمان پادشاہوں سے معاملہ کرنے میں مفقود ہے۔

اس مراسلہ کے پیش ہونے سے ایک ہفتہ کے بعد سلطنتوں کو سلطان کی طرف سے جواب پہنچ گیا۔ جس میں خود داری اور اپنی توقیر کا پورا لحاظ رکھ کر اندر ذنی انتظامات کی نسبت سلطنت عثمانیہ کی خود مختاری پر پورا زور دیا گیا تھا جس میں یورپ کی دست اندازی کی مزاحمت نہایت معقول الفاظ میں کی گئی تھی اور استعاضات کی ضرورت کو آزادی کے ساتھ تسلیم کر کے بلا شرکت غیرے اپنی اصلاحات کے عمل میں لانے کا وعدہ کیا گیا تھا جسکو کوئی سلطنت سلطان کے ملک میں جاری نہیں کر سکتی۔

سلطان کے جواب کے اخیر فقرہ کو ہم اس مقام پر بحسنہ نقل کرتے ہیں تاکہ اس مراسلہ کے ساتھ جسکا یہ جواب ہے ہر شخص کو متبادلاً کرنے کا موقع ملے۔

اپنے حق کی سچائی اور اپنے خدا پر ہر دوسرے کے سلطنت عثمانیہ ان تمام امور کو کا معدم سمجھتی ہے جو بغیر اس کے مشورہ کے

ادس کے خلاف فیصل کیے گئے ہیں اور ادس غربت کو قایم رکھنے کے لئے جو خزانے اوسکو دیئے گئے وہ ادن تمام حملوں کے رد کرنے سے باز نہیں رہ سکتی جو حقوق بین الممالک اور ادن معاہدات کے خلاف اوسپر کیے جاتے ہیں جو یورپین سلطنتوں کے باہم ہو چکے ہیں اور چکی پائری لون سلطنتوں پر بھی واجب ہے جنہوں نے متفق ہو کر ۳۱ مارچ کو ایک مراسلہ پیش کیا ہے اور وہ جسکو وہ بالکل ناجائز اور ناقابل تمثیل تصور کرتی ہے۔ اور وہ ادن تمام سلطنتوں کی ایمانداری کو جوش میں لانا چاہتی ہے جس سے اوسکو مثل سابق کے انصاف اور دوستی کی امید کرنیکا پورا حق ہے۔

جو دوستی اور انصاف کے خیالات شہنشاہ روس الگزندر ثانی کے سینہ میں جوش زن تھے انکا اظہار بذریعہ اعلان مورخہ ۲۴ اپریل ۱۸۷۸ء کیا گیا جس میں لکھا گیا تھا کہ تمام روسی قوم مشرقی عیسائیوں کی حالت میں اصلاح کے لئے بے حد مضطرب ہے۔ جب اس امر کی طرف خیال کیا جاتا ہے کہ سلطنت روس میں عام رائے کا اظہار بذریعہ اخبار کے ممکن نہیں اور عام خیال کے اظہار کا بذریعہ تقریر کے دستور نہیں ہے تو پھر کس طرح شہنشاہ روس کو اپنی رعایا کے عام خیالات کے معلوم کرنیکا موقع ملا۔ پھر حال اس اعلان میں یہ لکھا گیا کہ سلطنت عثمانیہ کی معزور اور کشتی

ہکو تلو اور کینجے پر مجبور کرتی ہے۔

اعلان کا اخیر فقرہ یہ تھا کہ ہم اپنی بہادر فوجوں پر خدا کی رحمت کے طالب ہو کر سلطنت عثمانیہ کے حدود میں داخل ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ امر نہایت مشکل ہے کہ کوئی انجمنیں اس زمانہ کے تاریخی واقعات پر غور کر کے نام اور شہر مندہ ہو۔ ان واقعات پر دس سال گزر جانیکے بعد بھی حقیقت اس بیرونی ریاکاری - تلون - خود غرضی اور قدیم تعلقات سے بے پروائی کا خیال آتا ہے جو اہل انگلستان سے اس موقع پر ظاہر ہوئی تو دل اختیار میں نہیں رہتا۔ میں اپنے سالہا سال کے تجربہ اور مشاہدہ کے واقعات کی بنا پر نہایت یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اگر لارڈ سیکینس فیلڈ کی گورنمنٹ اپریل ۱۸۷۷ء میں تھوڑا سا بھی استقلال ظاہر کرتی تو وہ کام خوشنویس اور مصبتیں حبکا داع اس بد نصیب سال کے دامن پر لگا ہوا ہے ہرگز ہرگز نہ واقع ہونے پاتین۔ لارڈ سیکینس فیلڈ بھی سلطان کی طرح اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ سلطنت عثمانیہ کے اندرونی حالات کے واسطے سب سے زیادہ ایک عرصہ دراز تک امن کی ضرورت ہے۔

لارڈ سیکینس فیلڈ یہ بھی جانتے تھے کہ بلخاٹ مسابرات کی انگلستان کا یہ فرض منبھی ہے کہ وہ اپنے قدیم رفیق سلطنت عثمانیہ کو

سینکے اور از سر نو اٹھانے کا موقعہ ملا۔ پارلیمنٹ  
 میں ایک جماعت کثیر اس خیال کی موید تھی اور میران پارلیمنٹ  
 کے علاوہ دوسرے لوگ بھی جو اپنے ملک کی غربت اور نا اطمینانی  
 کے خواہان تھے اسی خیال کے حامی اور مددگار تھے۔ پس  
 ایسی حالت میں لارڈ بکنس فیلڈ کو اپنے پولیٹیکل دشمنوں کی شکست  
 کو بیکار کر دینا کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن باہنہ وہ ایسی حرارت  
 مکر کے جسکی وجہ سے یورپ میں امن قائم رہتا اور سلطان  
 کی رعایا کی حالت میں ترقی ہو سکتی۔ اگرچہ گذشتہ واقعات پر  
 افسوس کرنا محض بیفائدہ ہے اور ایک ایسے نام آور شخص  
 کی کاروائیوں پر جو دوسری حیثیتوں سے ایک بڑا نام آور  
 وزیر سمجھا جاتا ہے اور جسکو مرے ہوئے ہی ایک زمانہ گزر گیا  
 مکمل چھٹی کرنا نہ صرف بدنام بلکہ سخت مبتذل معلوم ہوتا ہے لیکن  
 زندہ لوگوں کی دادرسی سمجھو اصلی واقعات کے اظہار پر مجبور  
 کرتی ہے ”یہ مقولہ کہ ایمانداری سب سے عمدہ حکمت عملی ہے“  
 بدیران ملک کے ہدایت ناموں میں بہت کم پایا جاتا ہے اور اگر  
 اتفاق سے کہیں نظر ہی پڑ جاتا ہے تو اس پر عمل بہت  
 کم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ افراد  
 کی طرح قومی معاملات میں بھی گناہ بغیر اپنا اثر دکھائے نہیں  
 رہ سکتا۔

اس موقع پر یہ کہنا کہ انگلستان اس وقت تک شہ عری  
اپنی مجرمانہ غلطی کے کفارہ سے سبکدوش نہیں ہوا ہے کچھ  
بیجا نہ ہوگا۔

اعلان جنگ کے بعد کچھ عرصہ تک رومین کی گورنمنٹ نے  
دونوں طرف سے اپنی بے تعلقی ظاہر کی لیکن یہ صرف ایک دھوکا  
تھا جو چند گھنٹوں سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ  
ایسا ہی ہوا اور رومینا کو بہت جلد سلطنت روس کے ساتھ  
کر لینا پڑا اور اس نے اپنی تمام قوت شہنشاہ روس کے قبضہ  
میں دیدی۔ اور اس کی پچاس ہزار فوج مغربی حدود پر  
اور روسیوں نے ڈیوپ کو عبور کرنا شروع کیا۔ اہل رومینا  
روسیوں کے ساتھ ہو جانا کسی طور سے قابل الزام نہیں سمجھا  
کیونکہ وہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ ان کا چھوٹا سا ملک دو قوی  
سلطنتوں کے بیچ میں واقع ہے۔ پس وہ لوگ اپنے ملک  
کو بچانیکے لئے زبردست فریق کے ساتھ ہو جانا نہایت مناسب  
مقرر کرتے تھے۔

ترکی فوج جو روسیوں کی مداخلت کے لئے بھی گئی تھی اس کے  
جنرل عبدالکریم پاشا نے خواہ ذاتی ناقابلیت یا کسی دوسرے  
کمینہ خیال سے اپنے زالیض منصبی میں قابل اسفوس کو تباہی کی  
ادہوں نے نہ کوئی پل توڑا اور نہ ریلوے لائن کو نقصان پہنچایا



اور نہ کسی ایسی مضبوط مقام پر قبضہ کیا جہاں سے وہ اپنے دشمنوں کی فراحت کر سکیں جبکہ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۸ جون کو جنرل زفر مان نے دریائی ڈیویز کو عبور کر دیا اور ایک ہینے کے اندر دشا پر قابض ہو گیا عثمان پاشا کو اپنے جاسوسوں کی غلطی سے روسی فوج کے ہر ہینے کا ٹھیک حال معلوم نہ ہو سکا اس کو ادنیٰ پلونا کی طرف واپس ہونا پڑا اور ملک کا وہ حصہ جو کہہ بلقان کے شمال میں واقع ہے روسیوں کے قبضہ میں آ گیا لیکن روسیوں نے یہاں بھی دم نہ لیا جنرل گورکوف کو سواروں کے دو برگیڈ اور چند جنگی توپوں کے ساتھ اس فوج کے آگے بڑھا جو گرانڈ ڈیوک نکلاس کے تحت میں تھی وہ ایک مختصر جنگ کے بعد ٹرٹوا پر قابض ہو کر درہ ہنگولی کے طرف بڑھا۔ یہاں ترکوں کے محکمہ جاسوسی کی غفلت اور بے پروائی سے محافظین درہ بر غالب ہو گیا اور قیصر اعلیٰ کا ارادہ کیا جو کہ درہ نیکا سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس مقام پر البتہ روسیوں کی کچھ فراحت کی گئی۔

ترک بہادر درمی سے لڑے اور تھوڑے عرصہ تک جنرل پرنس گورکوف کے حملوں کو کامیابی کے ساتھ روکتے رہے۔ لیکن آخر کار اصول جنگ کی واقفیت بہادر درمی بر غالب آ گئی اور اسی مہینہ کی پہلے تاریخ کو دونوں روسی جنرلوں کی فوجیں کوہ بلقان کے

جنوب میں باہم مل گئیں۔

اس فتح نے جو روس کو اصول جنگ کی واقفیت سے حاصل ہوئی  
 تھی سلطان عبدالحمید خان کو پہلی مرتبہ اس بات کے ثابت کر دیا  
 موقع دیا کہ وہ اسے درجہ کے مرد میدان میں اس خزانے کے روسی  
 فوج نہایت تیزی کے ساتھ پڑھتی چلی آتی ہے قسطنطنیہ میں  
 تھکے بچا دیا جب نرکی دزدان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ قسطنطنیہ  
 اور حملہ آور فوجوں کے درمیان میں کوئی قدرتی روک باقی نہیں  
 رہی تو ادنیٰ دہی حالت ہو گئی جو زمانہ جنگ میں فرانس کو دیکھتی  
 لوگوں کی حالت جبرمتی سپاہی کے دیکھنے سے ہو جاتی تھی وہ بد  
 سو اس اور پریشان ہو کر اقلان و خیران سلطان کے حضور میں  
 پہنچے اور بہت یہ التجا کی کہ علیحضرت انہی حفاظت کیے  
 دار الحکومت کو چھوڑ کر باسفورس کے ایشیائی کنارہ پر تشریف  
 فرما ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وزیر اس سپاہان یورپ کی  
 طرح سلطان عبدالحمید خان کے استقلال و بہت سے محض  
 تاواقف تھے۔ سلطان نے جس تانت آمیز حقارت سے  
 متفقہ سلطنتاے یورپ کی پیش کردہ تجا ویر کور و کر دیا تھا  
 اسی طرح اس بہت ختمی کی صلاح کو بھی روک دیا ایسے نازک وقت  
 میں جبکہ انکو نہ اپنے قدیم رفیقوں (اہل انگلستان) سے  
 کسی مدد کی امید تھی اور نہ وزراء کی دشمنی پر بوجہ ادنیٰ

بدحوہی کے اعتماد ہو سکتا تھا اور نہوں نے خود اپنے قوی دل اور  
 اپنی فوج کی قدیم جو المزدی پر بروہہ کر کے اپنی جگہ چھوڑ دینے  
 سے قطعاً انکار کیا اور تمام کاروبار سلطنت براہ راست اپنے ہاتھ میں  
 لے لیا۔ اس تبدیلی نے ہزار ہا روسی گھروں کو بے چارے اور  
 تباہ کر دیا اور حملہ آور فوجوں کے خبروں پر ثابت ہو گیا کہ جو  
 فراحت ایک جری اور بہادر شخص کا قوی دل کر سکتا ہے اویں کر  
 مقابلہ میں وسیع دریا اور بلند پہاڑوں کی فراحت بالکل حقیقت  
 اور میسر ہے۔ ردلیف پاشا وزیر صیفہ جنگ دفعتاً اپنے عہدہ  
 سے معزول کر دئے گئے اور جنرل عبدالکریم جہنوں نے اپنے  
 آپکے مشہور کر دیا تھا فوراً مقام جنگ سے واپس بلائے گئے۔  
 مصطفیٰ پاشا وزیر صیفہ جنگ مقرر ہوئے اور محمد علی پاشا  
 فوج کے کمانڈر کیے گئے۔ سلطان عبدالحمید خان کی ذاتی جرات  
 نے ترکی فوجوں میں ایک جوش اور ولولہ پیدا کیا اور روسوں  
 کی ایک اتفاقی غلطی نے اوسکو دوبالا کر دیا۔ گرامیہ دیوک نکلاں  
 نے رچو کہ ذاتی قابلیت سے زیادہ تر خاندانی اعزاز کے لحاظ  
 سے تمام فوج کا افسر مقرر کیا گیا تھا کسی اتفاقی غلطی سے  
 پونا جیسے مضبوط مقام کو بغیر قبضہ چھوڑ دیا تھا جنرل عثمان پاشا  
 جنگی قیمت میں لکھا تھا کہ یہاں درسا بیویں کے ہر طبقہ میں اولکھا  
 جام صحت پایا جاسے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر فوراً اوسپر تالیف ہو گئے

جنرل گروڈیر نے اپنے اعلیٰ افسر کے نام سے اس بُدنامہ داغ کو  
 دور کرنے کے لئے تین رجمیٹوں کو یہ حکم دیا کہ جس طور سے ممکن ہو  
 پلونا پر قبضہ کر لیں۔ سپاہیوں نے اس حکم کی پوری تعمیل  
 کی مگر ان کی کامیابی محض عارضی تھی کیونکہ ان کی مدد کے لئے  
 کوئی اور فوج نہ تھی۔ یہ لوگ پورے طور سے پلونا میں داخل  
 نہیں ہونے پائے تھے کہ عثمان پاشا نے کثیر نقصان کے ساتھ  
 ان کو پسپا کر دیا۔ اور دفعتاً ان مورچوں کی تعمیر شروع کر دی  
 جنکی دیرانہ حفاظت سے ان کا نام دنیا کے مشہور جزیروں کی  
 فہرست میں نہایت آب و تاب کے ساتھ چمکتا رہ گیا۔ اس  
 موقع پر عثمان پاشا نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایک مستعد اور  
 ہوشیار اعلیٰ فوجی انجینئر ہیں کیونکہ انہوں نے درہ اسکینا  
 سے صوفیا تک آمدورفت کا راستہ کھول لیا اور اس کے  
 ساتھ ہی لودیز کو بھی زیادہ تر محفوظ اور مضبوط کر دیا۔ اس طور  
 سے شہنشاہ کی اس ہربانی کی بدولت جو ان کو اپنے منقرض شدہ اور  
 کی ساتھ تھی تین اعلیٰ درجہ کے مضبوط مقام اور لاکھوں روپے  
 جو فائدہ کش فراہم سے بحیرہ حاصل کئے گئے تھے اور دس  
 ہزار سپاہیوں کی عزیز جانیں ضائع ہو گئیں۔ روسیوں کی  
 سلسل کامیابی میں اس ناگہانی فراہمیت نے ان کے  
 جزیروں کو غصہ سے دیوانہ بنا دیا اور وہ لوگ بلا عاقبت اندیشی

غضبناک جانوروں کی طرح ہر اک کارروائی کے لئے مستعد  
 ہو گئے۔ روسیوں نے ۳۰ جولائی کو تین ہزار فوج اور  
 بہاری توپخانہ کے ساتھ پلونا پر حملہ کر دیا مگر اون کو اس  
 بات کا بخوبی سبق مل گیا کہ غلطیان کرنا بہ نسبت غلطیوں کی  
 اصلاح کے بہت زیادہ آسان ہے۔ ہر ایک روسی جنرل اپنی  
 اعلیٰ افسر کی غلطی رفع کرنے میں دوسروں سے پیشقدمی کرنا  
 چاہتا تھا جبکہ یہ نتیجہ ہوا کہ وہ غلطی بجائے رفع ہو نیکی اور  
 زیادہ خوفناک ہو گئی۔ حملہ آور افواج نے بجائے اس کے  
 کہ کسی ایک اعلیٰ افسر کے زیر حکم رہ کر حملہ کریں علیحدہ علیحدہ حملہ کیا  
 روسیوں کو اون گھاٹیوں سے گزرنا تھا جنکے کناروں کی  
 بندی پر ٹرکی توپخانہ لگے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ لوگ بڑے  
 بڑے تھے اس لیے فوج کا ایک صفہ جبکہ افسر شکاف کی صفہ  
 دوسرے صفوں سے آگے بڑ گیا اور بلا انتظار مدد نہیا  
 حملہ کر کے بدبختی سے پہلے مورچہ پر قابض ہو گیا اگرچہ اس کامیابی  
 میں اوس نے کثیر نقصان اٹھایا مگر یہ کامیابی بھی اوس کی  
 لیاقت اور قابلیت سے زیادہ تھی۔ مین نے اس کامیابی کو  
 بدبختی سے اس لیے تعبیر کیا کہ اس حملہ سے اوس کو اور اوس کے  
 آقا کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس موقع پر کامیابی کے  
 خوش میں اوس نے نہ اپنے ساتھیوں کا انتظار کیا اور نہ اپنی

فوج کو دم لینے کی مہلت دی اور دوسرے مورچہ پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ اس موقع پر روسی بجد بہادری کی سافقہ لڑے لیکن اونکا مقابلہ بھی اوسی بجاوری کے سافقہ کیا گیا۔ ترکی فوجین بہ نسبت روسیوں کے تازہ دم تھیں تین گنہ کی سخت لڑائی کے بعد روسی فوجوں کو کامل شکست اوٹھا کر پس پا ہونا پڑا۔ بہاگی ہوئی روسی فوج نے اس خیال سے کہ اوسکو اونہیں گھاٹیوں سے نہ گزرنا پڑے جنہیں سے وہ پہلے داخل ہوئی تھی ایک دوسرا راستہ اختیار کیا لیکن یہ راستہ بھی بالکل ترکی توپوں کی زد میں تھا جس سے مزور فوج پر برابر آگ برستی رہی یہاں تک کہ رحم دل رات نے بہاگنے والوں اور تعاقب کرنے والوں کی درمیان ایک سیاہ پردہ حایل کر کے اس خونریزی کا خاتمہ کر دیا۔

جب دوسرے دن صبح کو آفتاب بلند ہوا تو اوس بہادر فوج کے جس نے اس بے احتیاطی سے حملہ کیا چھوٹے چھوٹے پریشان شدہ ٹکڑے جنوب کی طرف جاتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس پہلی اور کامل شکست نے دشمنوں کے دل توڑ دیئے اور تمام دنیا میں سلطنت عثمانیہ کے بھی خواہوں کی اسیدین تازہ ہو گئیں۔ اس خبر کا یورپ کے تجارتی فرقہ پر جو اثر پڑا وہ اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ اس شکست کے ساتھ ہی گورنمنٹ

روس کے پراسرے نوٹن کی قیمت گھٹ گئی جو لوگ اس قدر  
 کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ اسحق بجائے خود ایک بڑی قوت  
 ہے۔ ان کو بچہ شرمندہ ہونا پڑا اور وہ لوگ سمجھ گئے کہ اب  
 روسیوں کو بہت جلد دریائے دونوب کے پار جانا پڑے گا۔  
 لیکن افسوس ہے کہ ترکوں کو جو نقصان عبدالکریم پاشا سے  
 پہنچ گیا تھا اس کا معاوضہ محض اس کی موقوفی سے نہیں ہو  
 سکتا تھا۔ عبدالکریم نے اس قدر مضبوط مقامات بلا فراموشی  
 کے قبضہ میں دیدیئے تھے کہ عثمان پاشا کو اس فتح سے  
 جو ان کو اپنے دشمنوں کی غلطی۔ اپنی ہوشیاری۔ اور سپاہ  
 کی بہادری سے حاصل ہوئی پورا فائدہ اٹھانا محض غیر ممکن  
 تھا۔ اگرچہ وہ اپنی گجہ پر قائم رکھ کر اپنے دشمنوں کے حملوں  
 کو روک سکتے تھے لیکن شکست خوردہ فوج کا تقاب کر کے  
 خاص لشکر کو درہم برہم کر دینا محال تھا۔ اس وجہ سے  
 روسی جنرلوں کو اپنے پریشان افواج کو یکجا کرنے اور تازہ  
 مدد سے عثمانی مورچوں پر حملہ آور ہونیکا پورا موقع مل گیا۔  
 جو لوگ ان معاملات کو دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے  
 ان کو پلٹنا کی ٹرائی نے اپنی طرف اس قدر متوجہ کر لیا کہ وہ  
 تھوڑی دیر کے لئے ان اہم کارروائیوں کو بالکل بھول گئے  
 جو جنرل گور کو جنوب میں کرنا تھا۔ یہ افسر اپنے ہمراہیوں

کی مصیبتوں سے لاعلم اون درون کی طرف برابر بڑھتا چلا  
 جاتا تھا جو ایک چھوٹے سے کوہستانی سلسلہ سمی کارادانغ سے  
 گذر کر رومینیا کے میدانوں میں ختم ہوتے ہیں۔ سلطان  
 عبدالحمید خان نے ہر عہدہ کے لئے اوس کے مناسب شخص  
 کے انتخاب میں جو قوت ظاہر کی تھی اوسکا اثر جنرل گورکو کی  
 اس بے باکانہ پیشقدمی پر بھی پڑا۔ سلطان نے عثمان سلطنت  
 اپنے ماتھے میں لیتے ہی سلیمان پاشا کو جو کہ مانٹنی مگرو میں مشہور  
 سے وحشی سپاہیوں کے مقابلہ میں اپنی اوقات ضائع کر  
 رہے تھے بلا کر ایڈریانوپل کی فوج کا کمانڈر مقرر کر دیا۔  
 سلیمان پاشا نے گورکو کی فراہمت کے لئے ایک ایسا مقام  
 منتخب کیا جہاں سے وہ ہر طرح اوس کی بخوبی فراہمت کر سکتی  
 تھے خواہ وہ کسی طرف سے ایڈریانوپل میں داخل ہونیکا  
 قصد کرے۔ اوسیرن کی یہ تجویز تھی کہ بلگریا کی فوجیں  
 سلیمان کے مہمہ اور میرہ کی طرف بڑھیں اور جنرل گورکو  
 قلب فوج کو کارادانغ کے درون سے گزادیا جائے۔  
 منجملہ ان درون کے ایک درہ سمی کارادانغ پر روسی  
 قابض ہو گئے تھے لیکن اس عرصہ میں سلیمان پاشا نے  
 اپنی متفرق فوجوں کو جمع کر کے تیس ہزار سپاہیوں کے  
 ساتھ جنرل گورکو کی فوج پر بمقام اسکیزیرا سخت حملہ کیا



اور آٹھ ہزار آدمیوں کے نقصان کے ساتھ اوسکو شپکا  
 اور فٹکونی کے درون سے باہر نکال دیا۔ یہ امر بیان  
 کر دینا بھی قرین الصاف ہے کہ ماہران فن جنگ کی اسے  
 پہچانتے بھی مثل شکست پلونا کے ترکون کی بہادری  
 سے زیادہ تر روسیوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے ہوئی تھی  
 چونکہ آغاز جنگ میں ترکون کی طرف سے نہایت کمزوری کی ساتھ  
 مقابلہ کیا گیا تھا اس لیے روسی اذکو ضعیف سمجھنے لگے تھے  
 مگر یہ لوگ اس تبدیلی سے محض لاعلم تھے جو حال میں ایک  
 مستقل فراج اور روشن دماغ شخص کی مداخلت سے پیدا  
 ہو گئی تھی۔ ان دو شکستوں نے روسیوں کی آنکھیں  
 کھول دیں اور اونپر ثابت کر دیا کہ ترکی سپاہیوں کی  
 قدیم بہادری میں اتنی کوئی فرق نہیں آیا ہے اور ابتدائی  
 جنگ میں جو کاما بیان اذکو ہوئے اوس کا سبب یہ نسبت  
 روسیوں کے اصول جنگ سے واقفیت کے زیادہ تر عثمانی خبروں  
 کی بے پروائی اور بے ایمانی تھی۔ پس ستر ہزار ترکی فوج  
 کے مقابلہ میں جو توڑ اور پلوتا کے قرب و جوار میں پڑی  
 ہوئی تھی گرانڈ ڈیوک لھلاس کو بجز اس کے کوئی چارہ  
 نہ ہوا کہ وہ اس ایک لاکھ جدید فوج کا جو سیلٹ پیرسبرگ  
 سے طلب کی گئی تھی اور رومینا تک پہنچ چکی تھی انتظار

کرے ہر اک شخص باوجود اصول جنگ سے محض ناواقف  
 ہونیکے نقشہ پر ذرا غور کرنیکے بعد معلوم کر سکتا ہے کہ یہی  
 مقام ایسا تھا جہاں ترک اپنی پہلی سگستون کے برعکس  
 کو دور کر سکتے تھے۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ بجائے حملہ  
 روکنے کے خود دشمنوں پر حملہ کیا جائے لیکن یہ دو دہہ  
 غیر ممکن تھا۔ اُنک یہ کہ حکمہ جاسوسی کے مقابل اطمینان ہو سکی  
 وجہ سے میدان جنگ کی خبریں سلطان کو بہت دیر میں  
 پہونچتی تھیں دوسرے یہ کہ کوئی ایسا بڑا جنرل موجود نہ تھا  
 جسکے ہاتھ میں سلطان پورے اطمینان کے ساتھ تمام رُائی  
 کا انتظام دے سکتے۔ اہلین وجوہات سے روسیوں کو  
 درہ شیکا میں مورچہ بندی کر کے مطلوبہ مدد کے انتظام  
 قیام کرنیکے کاموقع ملا۔

اگست کی پندرہویں تک تقریباً دونوں فوجیں ایک  
 دوسرے کے مقابل میں بیکار پڑی رہیں۔ توپیں جو کبھی  
 کبھی سر ہوتی تھیں انکا مقصد بجز غنیمت کی حالت اور جنگ  
 دریافت کرنے یا کسی بیرونی دلدلہ پر قبضہ کرنے کے کچھ  
 اور نہ تھا۔ لیکن ۱۶۔ اگست کو سلیمان پاشا نے درہ پر  
 قبضہ کرنیکے لیے روسیوں پر حملہ کیا اس حملہ کی کیفیت  
 کے حملہ سے بالکل برعکس تھی یعنی روسی مورچوں کی آڑ

مین تھے اور ترک کھیلے میدان میں۔ اگرچہ پانچ دن تک  
 برابر شب و روز قتال و جدال کا فکھامہ گرم رہا اور  
 درہ شب کا توپوں اور بند و قون کی روشنی سے برا بھکتا  
 رہا لیکن روسی فوجوں نے اپنے مقام سے جینش نہ کی اور  
 سلیمان پاشا کو چار ہزار سپاہیوں کے نقصان کے ساتھ  
 ناکامیاب واپس ہونا پڑا لیکن اس ناکامیابی سے ان کے  
 ساتھی محمد علی اور عثمان پاشا مطلق شکستہ خاطر نہیں ہوئے  
 ایک ہی ہفتہ کے اندر وہ بھی اوس فوج پر حملہ آور ہوئے جو  
 گرائڈ ڈیوک نکلا اس کے تحت میں بھی لیکن ان کو بھی سلمان  
 پاشا کی طرح باوجود ترکوں کی سخت جرات کرنیکے ناکام  
 واپس ہونا پڑا اس عرصہ میں روسی جدید کمک کے پہونچ  
 جانے سے خود دوبارہ حملہ کرنیکے قابل ہو گئے تھے۔ غزل  
 اسکو بلیف قدیم باشندگان پولینڈ کا جنگ جو پیشوا جو فن  
 جنگ میں ممتاز اور ہمارے زمانہ کا ایک مشہور شخص ہے  
 تو اس کی طرف اس قدر فوج لیکر پڑھا جسکی تعداد بہ نسبت مجھیوں  
 کے سہ گونہ خیال کیجاتی ہے۔ ایک سخت اور دلیرانہ  
 مقابلہ کے بعد تو اس فتح ہو گیا اور روسیوں کے لیے پلوتا  
 تک راستہ صاف ہو گیا۔

اس وقت ڈرائی کا وہ یادگار حصہ شروع ہوتا ہے

جس نے فاتح اور مفتوح دونوں کو ممتاز اور اون دو شخصوں کو جو فریقین کے اعلیٰ فوجی افسر تھے تمام دنیا میں ہمیشہ کے لیے مشہور اور نام اور کر دیا چٹھی ستمبر کو اسکو بلیف نے ایک لاکھ سپاہ اور دو سو پچیس توپوں کے ساتھ پلونا کے بیرونی مورچوں پر انشباری شروع کی وودن تک روسی توپخانہ اور ترکی مورچوں میں رد و بدل ہوتا رہا روسی توپوں کے ہراک فیر کے جواب میں ترکی مورچوں سے ایک بم کا گولہ چلتا تھا۔ لیکن آٹھ ستمبر کو اسکو بلیف نے مجبور ہو کر ترکوں کے پھلے مورچہ پر پیاوہ فوج کے ساتھ حملہ کیا جسکو ترکوں نے نہایت خونریزی کے ساتھ رد کر دیا۔ اسکو بلیف نے پس پامو کر دوبارہ اپنی توپوں سے کام لینا شروع کیا۔ پلونا میں وودن تک پہلے توپوں کی آواز سے آسمان پھٹتا جاتا تھا اور گولوں کے بوجھار سے ہوا تیرہ و تارکک ہو گئی تھی گیارہویں تاریخ کو ایک غلیظ کھڑنے اس لشکاری کا خاتمہ کر دیا اور روسیوں نے اس خدا واد مدد سے فائدہ اٹھا کر سنگیوں سے اس مقصد کے حاصل کر لیا ارادہ کیا جسکو وہ توپوں سے نہ حاصل کر سکے تھے۔ انہوں نے تین مختلف مقامات سے حملہ شروع کیا روسی فوج بار بار ترکوں کے مورچوں تک پہنچ جاتی تھی لیکن ہر دفعہ اسکو

ایک چلتی ہوئی فولاد اور آگ کی دیوار سے مقابلہ کر کے  
 کثیر نقصان کے ساتھ گہرین پتہ گزین ہونا پڑتا تھا۔ جہاں  
 وہ اپنی صفوں کو ترتیب دیکر دیوانہ وار دوبارہ حملہ کے  
 لئے تیار ہو جاتے تھے یہ خوفناک سماں دو دن اور ایک  
 رات برابر قائم رہا۔ حملہ اور فوجوں کی صفین کی صفین  
 کٹ کر مورچوں کی خندقوں کو بہرتی جاتی رہیں۔ اور ریکی  
 سپاہی اپنے دشمنوں تک پہنچنے کے لئے اپنی رفیقوں  
 کی لاشوں کو بطور پل کے کام میں لاتے تھے۔ اگرچہ سننے  
 والوں کو یہ واقعہ نہایت عبرت ناک معلوم ہوتا ہو گا۔  
 لیکن تاریخ روس میں یہ واقعہ کچھ نہایت کیونکہ اوکو بارما  
 اس قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں۔

اس کشت و خون اور آتشباری میں اسکو بلیف برہنہ سر  
 قبائکند ہون سے ٹھکلی ہوئی ٹوٹی تلوار ماتہ میں خوشما چہرہ دہن  
 سے سیاہ آنکھیں غصہ سے سُرخ لائینی چہن آگ سے جلیبی  
 ہوئی ہر طرف بجلی کے طرح چمکتا ہوا اور اپنے سپاہیوں کا  
 دل بڑھاتا ہوا نظر آتا تھا۔ جہاں کوئی دھمکت پر لٹیاں یا  
 بے ترتیب اور بد دل ہو کر کسی مورچے سے پیچھے ہٹی کہ  
 فوراً اسکو بلیف تیر کی طرح اوسمیں پہنچ کر اپنی محکمانہ آواز  
 سے ایک دم میں اسکو درست کر دیتا تھا۔ اسکی موجودگی

روینا کے ناخبر یہ کار اور نئے سپاہیوں میں وہ جرات اور شجاعت  
 پیدا ہو جاتی تھی جو بھر یہ کار اور جنگ آزمودہ سپاہیوں میں  
 مشکل پائی جاتی ہے اور جب سپاہی دم لیکر اور اپنی صفیں درست  
 کر کے موت کے موہنے میں داخل ہو نیکی لئے اپنے ہنرل کے  
 حکم کے منتظر ہوتے تھے تو ہنرل اسکو بلیف خود ہی یہ حکم دیتا  
 تھا اور ہمیشہ اگلی صف کی سنگینوں سے گزرنے آگے رہتا تھا  
 لیکن اسکو بلیف کی غیر معمولی کوشش اور وہ ہر وقت جو دوسرے  
 اپنے سپاہیوں میں پیدا کر دیا تھی موجودہ زمانہ کے آلات  
 جنگ (بندوق وغیرہ) برجن سے بہادر ترک مورچوں کے  
 آڑ میں کام لے رہے تھے غالب نہ آسکی جب تیسرے  
 دن ڈرائی موقوف کر نیکا بگل دیا گیا تو اس حملہ کا نتیجہ جو کہ  
 تمام تاریخ جنگ میں سب سے زیادہ سخت اور دیرانہ تھا  
 یہ معلوم ہوا کہ ترکوں کے ہاتھ سے صرف ایک مورچہ نکل گیا  
 یہ حملہ جس طور سے سب سے زیادہ دیرانہ تھا اسی طور  
 سے غالباً اخیر ہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ آئندہ ہرگز یہ امید  
 نہیں ہو سکتی کہ کبھی سنگینوں سے برج لوڈرینڈ قون کا  
 مقابلہ کیا جائیگا۔ اس حملہ سے روسی جنرلوں کو کافی تنبہ  
 ہو گئی جس سے انہوں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور  
 دفعتاً حملہ کا خیال چھوڑ کر وہ طریقہ اختیار کیا جس کے

ذریعہ سے اس زمانہ میں ایک محصور مقام کی فتح ممکن ہے  
 یعنی ادھون نے پلوتا کا محاصرہ کر کے رستہ کا پونجا بند کر دیا لیکن  
 اس طریقہ میں اس قدر عرصہ لگا جسکی اہل یورپ کو ہرگز اسید  
 نہ تھی کیونکہ دسمبر کی دسویں تاریخ کو عثمان پاشا نے قلعہ  
 رستہ کی وجہ سے زیادہ عرصہ تک ٹھہرنا ناممکن سمجھا اس  
 محاصرہ سے جس طور سے ممکن ہو نکل جائیگا اردہ کیا  
 چنانچہ وہ اپنی تمام فوج کے ساتھ نکلے اور محاصرہ  
 کی پہلی خندقوں پر قابض ہو گئے اور محافظ فوجوں کو  
 قتل کر ڈالا۔ لیکن عثمان پاشا کے سپاہی قلعہ غذا اور  
 کثرت مشقت کی وجہ سے اس قابل نہ تھے کہ محاصرہ کی  
 بیٹیاں فوج کا مقابلہ کر سکیں۔ لہذا ادھون نے اپنے  
 مورچوں پر واپس آ کر صلح کا سفید نشان بلند کیا جب  
 فاتح اندر داخل ہوئے تو ادھون نے پلوتا کو بجائے  
 ایک شہر کے دفن پایا۔

اب لیکو تھوڑی دیر کے لئے اون دامتات کی طرف متوجہ  
 ہونا چاہئے جو اس وقت ایشیا میں درپیش تھے کیونکہ  
 سلطنت عثمانیہ اس موقع پر اپنی حفاظت کے لئے دو  
 بڑے عظیم یعنی یورپ اور ایشیا میں برابر لڑ رہی تھی۔  
 روسی فوج گرانڈ ڈیوک میکائیل کی ماتحتی میں بحسب

اپریل کو ترکوں کی ایشیائی حدود میں داخل ہوئی تھی  
 اور اوس کا ارادہ کارس۔ بزازت۔ اردھان۔ باطوم  
 اور ارمن روم کے مشہور تجارتی شہروں پر حملہ کر چکا  
 تھا۔ اسمین سے اردھان سترہویں مئی کو ایک سخت  
 مقابلہ کے بعد روسیوں کے ہاتھ لگیا اور بزازت کو  
 بغیر کسی مقابلہ کے ترکوں نے خود چھوڑ دیا۔ لیکن یہاں  
 بھی یورپ کی طرح حملہ آور فوجوں کی ابتدائی کامیابی  
 سلسلہ وار جاری نہ رہ سکی۔ حملہ آور فوجوں کو وسیع  
 میدان طے کرنے تھے اور چونکہ ترک اس ملک سے  
 واقف تھے لہذا اوہوں نے مخمق اور تکلیف دہ حملوں  
 کا ایک سلسلہ جاری رکھا۔ بیس جون کو مختار پاشا نے  
 جوکہ ایشیا کے کمانڈر انچیف تھے روسی فوج پر حملہ  
 کیا یہ لڑائی تقریباً پندرہ روز تک قائم رہی اور  
 پانچویں جولائی کو روسی فوج کثیر نقصان کے ساتھ  
 سرحد کے پار کر دی گئی اور ترک دوبارہ بزازت پر  
 قابض ہو گئے اونیویں تک اس ضلع میں روسیوں  
 کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد مختار پاشا  
 نے کارس کی مدد کے لئے کوچ کیا۔ کارس کے قریب  
 ایک پہاڑی پر روسیوں نے کچھ مورچے تیار کر کے



ایک مضبوط مقام بنالیا تھا۔ تختار پاشا شے حملہ کر کے بزدل  
 سنگینوں کے اذکوں سے تمام سے نکال دیا اگرچہ تختار پاشا کو  
 عام حملہ میں ناکامی ہوئی لیکن اسکی وجہ سے روسی اس قدر کم زور  
 ہو گئے کہ اذکوں اکتوبر کی پہلی تاریخ تک حملہ شروع کر سکے  
 نئے جدید مدد کا انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد چودہ روز  
 تک کارس کے قریب وچوارین بڑی لڑائیوں کا ایک  
 سلسلہ جاری رہا۔ پندرہویں اکتوبر کو تختار پاشا قلعہ کارس  
 کو بحالت حصار چھوڑ کر ارض روم کی طرف بھاگے۔ قلعہ  
 مذکور اٹھارہویں اکتوبر کو ایک سخت اور دیرانہ لڑائی کے  
 بعد ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس اثنائ میں روسیوں  
 نے جو کہ ایشیا میں ہی یورپ کی طرح ترکوں سے تعداد  
 میں بہت بڑے ہوئے تھے تختار پاشا کا ارض روم  
 کے دروازہ تک تعاقب کیا اور چوتھی نومبر کو ان  
 بلندیوں پر جو کہ شہر کے شمال اور غرب میں واقع ہیں قابض  
 ہو گئے۔ شہر کے مشرقی اور جنوبی اطراف میں آٹھ یا سات  
 میل تک برابر دلدل واقع ہے جس کی وجہ سے شہر کا پورا  
 طور سے محصور ہو جانا غیر ممکن تھا۔ پس روسیوں کو پھر  
 اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ شہر پر متواتر حملہ کرتے رہیں  
 ان حملوں کو تختار پاشا ستائیس دسمبر تک نہایت کامیابی

کے ساتھ رو کرتے رہے لیکن اس کے بعد وہ قسطنطنیہ  
میں طلب کر لیے گئے۔ فی الحقیقت ارمن روم اور باطونم  
کبھی فتح نہیں ہوئے اور جب اکیس جنوری آئندہ کو  
مہلت جنگ کے معاہدہ پر دستخط ہوئے اس وقت یہہ  
دولتوں شہر سلطان ہی کے قبضہ میں تھے۔ اگر روسی  
اور ترکوں کی باہمی نزاع کا فیصلہ ایشیائے کوچک کی  
نتیجہ جنگ پر چھوڑ دیا جاتا تو جو سوالات کانگریس برلن  
میں پیش ہوئے ان کا فیصلہ موجودہ فیصلہ سے بالکل  
مختلف ہوتا۔

اب ہم دوبارہ کوہ بلقان کی طرف متوجہ ہو کر ڈرائی  
کے اس مختصر بیان کو ختم کئے دیتے ہیں۔ سترہویں ستمبر کو  
سلیمان پاشا نے روسیوں کو درہ شبکا سے نکال دینے  
کی ایک مرتبہ اور کوشش کی۔ لیکن مخالفین کے مورچے  
بمبارد ہوئے اسلئے یہ کوشش کارگر نہ ہوئی۔

پلوتنا کی فتح کے بعد دنیا میں ہر ایک شخص جو امن کا  
طرفدار تھا یہ سمجھتا تھا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ  
یورپ کی سلطنتیں بیچ میں پڑ کر اس خونریز ڈرائی کا خاتمہ  
کرادیں تمام انگلیں انگلستان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔  
کہ دیکھیں وہ کیا کارروائی کرتا ہے۔ لیکن لارڈ بیکسٹن فیلڈ

ابھی تک ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے اور انگریزی بیڑا  
 اپنی جگہ پر ٹنگر ڈالے ہوئے کھڑا تھا۔ اس میں کچھ شک  
 نہیں کہ اگر اس وقت کسی مداخلت سے مناسب شرائط پر صلح  
 ہو جاتی تو زار روس اسکو غنیمت سمجھ کر بخوشی خاطر منظور کرتا  
 کیونکہ اسکی فوج سخت مددے اوٹھا چکی تھی اور اسکی مالی  
 حالت نہایت اتر ہو گئی تھی علاوہ اس کے جاڑہ کا موسم  
 سر پر آگیا تھا جو لڑائی کی مصیبتوں کو دو بالا کر دیتا ہے۔  
 سلطان کی طرف سے اس وقت تک صلح کے متعلق کوئی تحریک  
 نہیں ہوئی تھی اور بلقان پر یہی معلوم ہوتا تھا کہ اگر کوئی دوستانہ  
 مداخلت نہ ہوئی تو سلطنت عثمانیہ اخیر دم تک لڑے گی روسیوں  
 کی فوجوں کا تمام جاڑے کے موسم میں اپنی جگہ پر قائم رہنا  
 محض ناممکن تھا اور اس موسم میں اوٹھکا کوہ بلقان  
 کو عبور کرنا بھی سخت دشواریوں سے خالی نہ تھا۔ پس زار کو  
 بجز اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنی فوجوں کو باسفورس کے  
 کناروں تک بڑھ جانے کا حکم دے۔ اس حکم کے مطابق  
 جنرل گورکو آگے بڑھا اور ایک ہفتہ کی سخت لڑائی کے بعد  
 کوہ بلقان کو طے کر کے تیسری جنوری ۱۸۷۷ء کو صوفیا پہنچ  
 ہو گیا۔ نوین جنوری کو درہ شبکا کی آخر لڑائی میں تیس ہزار  
 ترکی سپاہیوں نے اپنے آپ کو روسیوں کے حوالہ کر دیا

اور پندرہویں تاریخ روسی فوج قلیو پوس میں داخل ہوئی  
اس فتح مند فوج کو روکنے کے لئے جو برابر بڑھتی چلی آتی تھی  
ایک اور دلیرانہ حملہ کیا گیا اور اس کے بعد جنوری کے آخر میں  
مہلت جنگ کے متعلق ایک معاہدہ ہو گیا۔

ایک چھینے تک صلح کے متعلق گفتگو جاری رہی۔ تیسری مارچ  
کو سین اسٹیفو کا مشہور معاہدہ مکمل ہوا جس پر ایک سرسری  
نظر ڈال کر ہم اس فصل کو ختم کرتے ہیں۔

اس معاہدہ میں سب سے پہلے یہ شرط تھی کہ منوٹنگرو  
سیر دیا۔ اور روسنیا۔ کے صوبہ بالکل خود مختار رہیں گے اور  
بلگیریا ایک جداگانہ باج گزار صوبہ قرار دیا جائیگا جس کے  
حاکم سلطان سمجھے جائینگے لیکن اوکو راست حکومت سے  
کوئی تعلق نہوگا۔ اس صوبہ کے حدود دریائی ڈینیوب  
سے لیکر کوہ بلقان کے دونوں طرف ایجنسی تک  
متصور ہوں گے اور اس کا ابتدائی انتظام دس سال تک  
اون کشزوں کے ہاتھ میں رہیگا۔ جو زار روس کی طرف سے  
مقرر ہوں گے۔ اس عرصہ میں روسی فوج وہاں مقیم رہیگی  
بوسنیا۔ اور ہرزیگوینیا کے متعلق جو اصلاحات کا نظریہ  
قسطنطنیہ میں پیش ہو کر نامنظور ہو چکی وہ سلطنت ہائے روس  
اور استریا کے اہتمام سے جاری کی جائیں گی۔ ایسپرس

تہقی اور یورپین ترکی کے دوسرے حصوں کا انتظام جنگی نسبت  
کوئی خاص شرط نہیں ہوئی ہے ایک کمیشن کے سپرد ہو گا اور یہ  
کمیشن جو اصلاحات تجویز کرے گا ان کی رپورٹ پہلے باب عالی میں  
پیش ہوگی اور باب عالی ان کو سلطنت روس کے مشورہ اور  
صلاح کے بعد جاری کر دیگا۔ دوسری شرائط یہ ہیں کہ سلطنت  
عثمانیہ چودہ کروڑ دس لاکھ پونڈ سلطنت روس کو بطور حربہ  
اداکرے گی منجملہ اسکے تین کروڑ دس لاکھ پونڈ نقد اور باقی کے  
معاوضہ میں ایشیائی کوچک کا ایک بڑا حصہ جس میں اردمان  
باطوم۔ بزارت وغیرہ شامل ہیں سنگنلو تک دیا جائیگا۔  
بس اریلیا کا وہ حصہ جو جنگ کریمیا میں روسیوں سے لے لیا گیا  
تھا انکو واپس دیا جائے۔ باسفورس اور ڈارڈنیلس۔ بحر اسود  
کے روسی بندر کاہوں سے تجارت کے لئے ہمیشہ کھلے رہیں  
معاہدہ کی اخیر دفعات میں روسی فوج کو رفتہ رفتہ عثمانی  
ملک سے ہٹانے کی نسبت وعدہ کیا گیا تھا۔

اس معاہدہ کے شائع ہونے کے بعد اسکی نسبت جو کچھ اہل یورپ  
کے خیالات تھے ان سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان شرائط کی تعمیل

✽ فی الحال ایک پونڈ انگریزی پندرہ روپے کھدار کے برابر ہے اس

حساب سے جملہ خسارہ چھ جنگی دواں گیارہ کروڑ پچاس لاکھ

روپیہ ہوتا ہے۔ مسعود علی۔ مترجم۔

نہایت مشکل ہے۔ انگلستان میں اس معاہدہ کی وجہ سے جو جوش پیدا ہو گیا تھا اوسے معلوم ہوتا تھا کہ شاید یورپ میں عرصہ دراز تک امن قائم نہ رہ سکے۔ انگلستان کے دو تہائی آدمیوں نے اس معاملہ کی نسبت سخت حقارت اور ناراضی ظاہر کی۔

گورنمنٹ انگلستان کا یہ خیال معلوم ہونیکے بعد کہ وہ اس معاملہ میں دست اندازی کرنا چاہتی ہے عام لوگوں کو نکلجوش بھید بڑھ گیا پلیمتھ میں گورنمنٹ کا مخالف فریق بھی ایک لفظ روسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ یورپ کے دوسرے دارالخلافوں میں بھی اسی قسم کے خیالات عام طور سے پھیلے ہوئے تھے جس نے زار پر یہ امر بخوبی ثابت کر دیا کہ اگرچہ وہ اپنے مفتوح دشمنوں کے ساتھ خاطر خواہ بے انصافی کر سکتا ہے لیکن کسی ایسے طریقہ کا اختیار کرنا جو تمام سلطنت ہائے یورپ کے خلاف ہو نہایت مشکل ہے۔ چنانچہ زار روس کو فوراً یہ اطلاع دی گئی کہ ۱۵ اگست ۱۸۵۷ء کے معاہدات میں بغیر شرکار معاہدہ کی صلاح اور مشورہ کے کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اس خیال سے کہ شاید سلطنت روس فتح مندی کے نشہ میں یورپ کی اس دہکی کو خاطر میں نہ لائے انگلستان نے اپنی ذاتی مصالح پر نظر کر کے فوراً کارروائی شروع کر دی اور لارڈ بکنسفیلڈ نے انگلستان کے بیڑے کو یہ حکم دیا کہ وہ قسطنطنیہ کے میناروں کے سامنے جا کر لنگر کرے لارڈ بکنسفیلڈ کی تمام کارروائیوں

مین یہ کارروائی سب سے زیادہ مشہور اور قابل قدر ہے۔  
 ایک طویل مراملت کے بعد زار روس کو معلوم ہو گیا  
 کہ سینٹینو کا معاہدہ محض ایک ابتدائی تھا۔ سترہ سترہ مین قریب  
 کہ آئندہ جون مین بمقام برلن ایک کانگریس منعقد ہو اور اوس مین  
 تمام سلطنتوں کے سفیر بلائے جائیں۔  
 اس کانگریس مین جو کچھ کارروائی ہوئی اوس کا ذکر  
 دوسری فصل مین کیا جائیگا۔

# فصل دوم

## برلن کی کانگریس

برلن کی کانگریس سلطنت روس کی کیفیت مثل اس خوشخوار چٹھی جانور کے تھی جسکے منہ سے کوئی عمدہ شکار نکل جاتا ہے ایسی حالت میں روسی فوجوں کا مہدات صلح کی خلاف ورزی کرنا کسی طور سے حیرت انگیز نہیں ہو سکتا۔ اس عارضی صلح کو قایم رکھنے کے لئے یورپ کی متفقہ سلطنتوں کو بار بار دولت روس پر زور ڈالنے کی ضرورت واقع ہوتی تھی۔ ہم لارڈ پکینسفیلڈ کی کارروائی پر سخت اعتراض کر چکے ہیں اور پھر اس مقام پر اسکا اعادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ کوئی شخص جو اس وقت کے حالات سے واقف ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں کر سکتا کہ اگر سلطان عبدالحمید خان کی تحت نشینی کے وقت لارڈ پکینسفیلڈ کی گورنمنٹ پامراسٹون کے استقلال کا امیک شمع بھی ظاہر کرتی تو یہ تمام کشت و خون نہ ہونے پاتا اور سلطنت عثمانیہ

✽ پامراسٹون بوقت جنگ کریمیا جو کہ ۱۸۵۶ء میں روسیوں اور ترکوں میں ہوئی انگلستان کے وزیر اعظم تھے۔



عیسائی صوبوں میں نہایت آسانی کے ساتھ سہل گورنمنٹ قائم ہو جاتی۔ اور وہ خطرات اور دقیق جو اس وقت (بوقت تالیف کتاب) یورپ کے جنوبی اور مشرقی حصہ میں درپیش ہیں ہرگز پیش نہ آتین۔ لیکن وزیر مذکور کی حکمت عملی پر رائے دینے وقت ہکوانٹا سے درگزر نہ کرنا چاہئے۔ اگرچہ میرا یہ خیال ہو کہ لارینڈن فیملی کی کم جتنی کی وجہ سے حسب وخواہ حالت نہ پیدا ہوئی۔ لیکن جو کچھ ہوا وہ بہت غنیمت تھا۔ روسی فوجوں کا قسطنطنیہ نہ پہنچنی اور سالہا سال کی کوششوں میں ناکامیاب رہنے کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ اس وقت سلطنت عثمانیہ کا دارالخلافت انگریزی بڑے کے توپوں کی حفاظت میں تھا جبکہ لارڈین فیملی کا بہت زیادہ مشغور ہونا چاہئے۔ اگرچہ وزیر انگلستان شروع میں خاموش بیٹھا رہا لیکن آخر کار اسکو دست اندازی کرنی پڑی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سن ۱۸۷۸ء میں معاہدہ برلن کے معاہدہ سے تبدیل ہو گیا۔

۱۸۷۸ء جون ۱۳ء کو برلن میں تمام سلاطین یورپ کے سفیر جمع ہوئے اور ان صوبوں کی حالت پر بحث شروع ہوئی جو برائے نام اس لڑائی کے سبب قرار دئے گئے تھے۔

جس طور سے انگریزی حکومت ہندوستان کے باشندوں کے باہمی مہی اور تمدنی اختلاط کی وجہ سے بغیال کھاتی ہے اسی طور سے ان صوبوں میں مسلمان۔ عیسائی۔ سلیو۔ ترک اور یونانیوں کا باہمی

نفاق عثمانی حکومت کے استحکام کا باعث تھا۔ اس امر سے سلطنت  
 روس بھی بخوبی واقف تھی لیکن ساہا سال سے اسکی یہ کوشش  
 برابر جاری ہے کہ سلطنت ہائے یورپ کی انہوں میں خاک و لکڑ  
 یہ ثابت کر دیا جائے کہ یہ صوبے باہمی انخلاص اور اتفاق کے علی  
 منوں ہیں۔ اسوقت تک یورپ کے مدبران ملک نے یورپ  
 میں عثمانی حکومت کا قیام رہنا محض اس بنا پر گوارا کیا ہے کہ  
 ان ممالک میں اس قسم کی حکومت کے سوائے کسی دوسری حکومت  
 کا قیام رہنا نہایت مشکل ہے۔ انگلستان کا فرقہ ریڈیکل بھی (جو تمام  
 پولیٹیکل فرقوں میں سب سے زیادہ آزادی پسند ہے) ہندوستان  
 کی حکومت کو محض اس وجہ سے جائز سمجھتا ہے کہ اگر ہندوستان سے  
 انگریزی حکومت اڑھالی جائیگی تو ہندوستان کو بھی کبھی قسم کے  
 فائدہ پہنچنے کے سخت مضرت کا اندیشہ ہے۔ اگر یہ امر اہل یورپ  
 کے اطمینان کے موافق ثابت ہو جائے کہ سلطان کی عیسائی رعایا  
 بغیر کسی اعلیٰ حاکم کی قوی دست اندازی کے باہم اتفاق کے تحت  
 رہ سکتی ہے تو یورپ میں اہل اسلام کی حکومت کو جائز رکھنے کا  
 ایک قوی سبب مفقود ہو جاتا ہے آغاز جنگ سے چند سال قبل  
 روسیوں کی سخت ترغیب اور فتنہ انگیزی سے سلطان کی رعایا میں  
 جو فتنہ و فساد ہوا وہ اہل اسلام اور عیسائیوں میں نہ تھا بلکہ سلیو اور  
 یونانیوں میں ہوا تھا جسکو کانگریس میں لارڈ سلیسبری نے

مفصلہ ذیل الفاظ میں بیان کیا تھا۔

”سلیو نے جو پہلے یونانی اسطیس کے تابع تھے ایک نیا مذہبی طریقہ اختیار کیا۔ اس تبدیلی سے سلیو اور یونانیوں میں مختلف جھگڑے اور فساد برپا ہو گئے اور ایک فرقہ کے مذہب۔ مدرسون اور عبادت خانوں کو دوسرے فرقہ کے ہاتھ سے سخت نقصان پہونچا۔“

بوقت انعقاد کانگریس برلن واقعات کی نگاہی اور اس عام دلچسپی کی وجہ سے جو لوگوں کو جنوبی اور مشرقی یورپ کے معاملات کے ساتھ پیدا ہو گئی تھی سلطنت روس اور منسکون اور وقتوں کو ہرگز نہیں چھپا سکتی تھی جنکا جدید انتظام میں پیش آنا لازمی تھا لہذا سلطنت روس کے سفیرون نے بجائے لارڈ سیلسبری کو راست جواب دینے کے یہ بیان کیا مگر ان کے شہنشاہ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ باب عالی کی عیسائی رعایا بالکل خود مختار کر دیا جائے اور اس امر کا کافی اطمینان دلادیا جائے کہ ان کے اس آزادی میں کوئی چیز خلل انداز نہ ہوگی۔ اور جہاں تک ممکن ہو بغیر تغیر حدود ممالک سلطنت عثمانیہ کے یورپی حصہ میں جو ہمیشہ قابل افسوس مصیبتوں میں گرفتار رہا ہے امن اور آسائش قائم ہو جائے۔

حدود ملک میں حتی الامکان تغیر اور تبدیلی نہ ہونے کی نسبت جو خواہش ظاہر کی گئی ہے وہ دو وقت تک نیک نیتی پر مبنی سمجھی جاسکتی ہے۔

جب ترکون سے سینٹفون کا معاہدہ بحیرہ حاصل کیا جاتا تو اس گفتگو کے وقت ہی پرنس کا چکاف کے جیب میں موجود تھا۔

انگلستان میں اس کانگریس کے جو فرایض منصبی اور مقاصد سمجھے جاتے تھے اونکو لارڈ سیلبری نے اس طور سے بیان کیا کہ اس وقت سلطنت عثمانیہ کو دوبارہ قائم کرنا ہمارے پیش نظر ہے لیکن وہ شل سابق کے خود مختار نہیں رہ سکتی کیونکہ اس لڑائی کے نتائج کو باطل کا عدم کر دینا محض ناممکن ہے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اوکو اس قدر اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے جنگی۔ پولیسکل اور تجارتی حقوق کی جو اوکو اس وقت پورے طور سے حاصل ہیں معافیت کر سکے۔ جو کچھ بیان کیا گیا اسکا مقصد میرے خیال کے موافق یہی ہے کہ سینٹفون کا معاہدہ چاک کر ڈالا جائے۔

ان مقاصد کے بیان کرنے کے بعد کانگریس کے پرنسٹ پرنس بہارک نے جو فضول مباحث کو چھوڑ کر فوراً اصل مقصد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں یہ بیان کیا کہ ”سب سے پہلے جس امر کا فیصلہ ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ بلغیریا کے حدود اور اوکا انتظام کس طرح سے قائم کیا جائے میرے خیال کے موافق اوکا سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے معاہدہ سینٹفون کی ان شرائط سے بحث کی جائے جو بلغیریا کے آئندہ انتظام کے متعلق قرار پائی ہیں“ یہ تجویز بھی شل اس دو سہری تجویزوں کے

منظور ہوئی اور چند روز تک کانگریس میں روسی اور انگریزی سفیروں میں یہ بحث ہوتی رہی کہ بلگیریا کا کس قدر حصہ سلطان کی راست حکومت میں رکھا جائے اور کس قدر آزاد کر دیا جائے بہر حال ایک طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ آزاد بلگیریا کی جنوبی حد کو بلفان قرار دیا جائے۔

بعد کے واقعات نے یہ امر بخوبی ثابت کر دیا کہ اس وقت سلطنت روس نے اہل یورپ کے دباؤ سے جو کچھ منظور کر لیا تھا وہ محض ناپیشی تھا کیونکہ اس وقت سے ایک روسی اپنے طرز عمل سے برابر ثابت کرتے رہے ہیں کہ جو معاہدہ بمقام برلن ہوا تھا اس کو وہ کسی طور سے ختم اور قطعی نہیں سمجھتے ہیں۔ اس کتاب کی تصانیف کے زمانہ میں بھی یورپ کے مشرقی حصہ سے برابر اندیشہ ناک خبریں چلی آتی تھیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ اس جدید صوبہ میں روسی ایجنٹ اپنے کام سے غافل نہیں ہیں۔ اس امر کا بیان کرونا بھی قرین انصاف ہے کہ سلطنت روس نے اس وقت منظور شدہ شرائط میں اس بات سے مطلع کر دیا تھا کہ وہ کانگریس کے اس فیصلہ پر رضامند نہیں ہے جس سے اس کے آئندہ ارادوں کا حال بخوبی معلوم ہو سکتا تھا۔ تاہم چون کہ پرنس گارس چٹا نے جو کہ چند روز تک ناسازی طبیعت کی وجہ سے کانگریس میں نہ شریک ہو سکا تھا مصالحت کی غرض سے ایک مختصر تقریر کرنے

اجازت چاہی جو مصاحبت امیر تقرر ادا س نے کی وہ ذیل ملاحظہ کیجائی  
 ”لارڈ کینسنگھم نے اپنی مجلس میں یہ رائے ظاہر کر چکے ہیں  
 کہ سلطان کو اپنے ملک میں پوری آزادی دیجائے لیکن میرے  
 خیال کے موافق یہ آزادی چند انتظامی اور پولیٹیکل شرائط کے ساتھ  
 محدود ہونی چاہئے جسکے بغیر کسی طور سے کامیابی کی امید نہیں  
 ہو سکتی اور انتظامی لحاظ سے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ جس  
 صوبے کے باشندے اس کانگریس میں خود مختار نہ کئے جائیں  
 ان کے جان و مال کی حفاظت کا پورا اطمینان کر دیا جائے مگر یہ  
 انتظام محض کاغذی نہ ہو جو مثل پہلے انتظامات کے بلا تعمیل  
 رہ جائے اور عام بد نظمی اور جائزہ نہ مطالبات کو نہ روک سکے  
 بلکہ یورپ کی متفقہ سلطنتوں کے طرف سے یہ انتظام اس طرح  
 کیا جائے کہ ان صوبہ جات کے باشندوں کو اس بات کا پورا  
 یقین ہو جائے کہ جو کچھ انتظام کیا گیا ہے اسکی پوری تعمیل ہوگی  
 پولیٹیکل لحاظ سے یہ امر نہایت اہم ہے کہ قسطنطنیہ میں کسی خاص  
 ایک قوم مثلاً انگریزوں فرانسیسوں یا روسیوں کا زیادہ تر  
 زور اور رسوخ نہ ہونے پائے جیسا کہ اس وقت تک ہوتا رہا ہے  
 بلکہ بجائے متبذل اور مضرت رسان رقابت کے یورپ کی  
 بڑی بڑی سلطنتیں متفق ہو کر ایسی کوششیں کریں جس سے  
 باب عالی کی بہت سی غلط فہمیاں اور نقائص دور ہو جائیں“

اسکے بعد پرنس گارچکاٹ نے یہ بیان کیا کہ سلطنت  
روس نے جو فتوحات بے انتہا جان نشانی اور عرق ریزی سے  
حاصل کی ہیں وہ کانگریس میں اس غرض سے پیش کی جاتی ہیں کہ  
کانگریس اذکو مفید اصلاحات میں تبدیل کر دے۔ کانگریس کے  
دو گزشتہ جلسوں میں میرے دو ساتھیوں نے قیام امن کی غرض  
سے جو رعایتیں کی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ اور جو کچھ میرے ساتھیوں  
نے بیان کیا ہے وہ زبانی جمع خرچ نہ تھا بلکہ اصلی اور حقیقی واقعات  
ہیں جن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ہماری سلطنت کو بھی مثل  
دوسری یورپین سلطنتوں کے قیام امن کا بے انتہا خیال ہو  
مجھ کو کامل یقین ہے کہ کانگریس کے ممبر سلطنت روس کی ان  
خواہشوں کی پوری قدر کرتے ہیں میں آپ لوگوں کو یقین  
دلاتا ہوں کہ میں اور میرے ساتھی ہمیشہ قیام امن کے حامی  
اور مددگار رہیں گے۔ ان تمام وجوہات پر نظر کر کے میں ہرگز  
یہ نہیں خیال کر سکتا کہ یورپ کی کوئی سلطنت اپنے لئے کسی  
ایسے امر کی طلبکار ہوگی جسکا منظور کرنا ہمارے شہنشاہ اور  
بڑی قوم کے لئے جس کی طرف سے میں سفیر ہوں مشکل ہو اور  
جسکے باعث سے قیام امن کے بیش بہا اور قابل قدر نتائج ظہور  
پذیر نہ ہو سکیں مجھ کو یہ بھی امید ہے کہ اس کانگریس میں کوئی ایسی  
کارروائی عمل میں نہ آئے گی جسکو ہمارے محاصرہ یا آئندہ مورخ

یا جابرانہ خیال کریں گے۔

دو دن بعد یعنی اٹھائیس جون کو وہ پیچیدہ مشرقی مسئلہ پیش ہوا جس میں اسٹریڈ ہنگری کو ایک بڑے درجہ تک دلچسپی تھی کونٹ انڈر سی سفیر دولت اسٹریڈ ہنگری نے جس خوبی سے بوسینا اور ہرزی گونیا کے مسئلہ کو پیش کیا وہ بغیر اد نہیں کے الفاظ کے نہیں ادا ہو سکتا لہذا ہم اسکو ذیل میں درج کرتے ہیں۔

”ان صوبوں میں مسلمان متعصب عیسائی اور کیتھولک آباد ہیں جو ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں یہ لوگ مختلف اضلاع میں نہیں رہتے بلکہ ایک ہی شہر گائون اور محلوں میں ملے ہوئے رہتے ہیں بالفرض محال اگر سین اسٹیفنو کا معاہدہ اس کانگریس میں قائم رکھا جائے تو باب عالی کو ان صوبوں کی آزاد گورنمنٹ میں مختلف صوبہ کو باہم ملانا پڑے گا اور جو رعایا اس وقت اسٹریڈ ہنگری اور مائینگر وین پناہ گزین ہے اسکو نہ صرف دوبارہ بلا کر آباد کرنا ہوگا بلکہ ان کے خورد نوش تقاوی اور تعمیر کانا کا پورا انتظام کرنا پڑے گا تاکہ وہ لوگ دوبارہ اپنا کاروبار شروع کر سکیں۔ اسکے علاوہ باب عالی کو تقسیم اراضی کا وہ پیچیدہ مسئلہ بھی حل کرنا پڑے گا جسکی وجہ سے ان صوبوں میں وقتاً فوقتاً مختلف ہنگامے برپا ہوتے رہتے ہیں اور جو اس وقت مذہبی تعصب اور



معدنی رقابت کی وجہ سے اور زیادہ پیچیدہ ہو گیا ہے اس مسئلہ کو کسی ایسے ملک میں حل کرنا جہاں زمینداروں کا قلیل التعداد و فرقہ مسلمان ہوا اور کثیر التعداد کا شتکار عیسائی ہوں صرف ایک مضبوط اور غیر متعصب گورنمنٹ کا کام ہے۔ مزید برآں ان تمام انتظامات کے لئے کثیر خرچ درکار ہے جو اس وقت باب عالی کی طاقت سے باہر ہے کیونکہ معاہدہ سین اسٹاف کے دفعہ ۱۴ میں یہ امر قرار پایا ہے کہ باب عالی اپنی رعایا سے بقایا کس نہ وصول کرے گا اور موجودہ مالکداری ہی بھی آئندہ دس سال تک نہ وصول کی جائے گی۔ ثمانیہ کو بلا کسی الزام دینے اور اس کی نیک نیتی کو مشتبہ کرنے کے ہمہ کہنا کچھ بھیجا ہو گا کہ وہ ہرگز اس کام کو انجام نہیں دے سکتی۔ امن کی حالت میں بھی اسکا سرانجام مشکل تھا لیکن ایسی حالت میں کہ ابھی تک لڑائی ختم نہیں ہوئی ہے اور ان اضلاع کو خیمین مسلمان آباد ہیں سرویا اور ٹائیگر و کی حکومت میں دئے جانے کی وجہ سے تعصب اور جوش بڑھا ہوا ہے یہ امر بالکل اوسکے اسکان سے خارج ہے پس اسوقت اگر ان صوبوں میں خود مختار گورنمنٹ قائم کی گئی تو بجائے قیام امن کے اور نہ زیادہ دو تین ہفتے پیش آئیں گی۔

جس خوبی سے کونٹ انڈر سی نے روس کی بددیتی اور روسی تجاویز کا ناقابل تعمیل ہونا ثابت کیا اوس سے زیادہ عمدہ گئی

شاید خود سلطان کے سفیر ہی ثابت نہیں کر سکتے تھے۔ بطور سلطنت  
 روس کے سفیر ہی ان دلائل کو مان گئے کیونکہ انہوں نے بلا تامل  
 اپنی تجویزوں سے دست بردار ہونا منظور کر لیا۔ اگرچہ کونٹ انڈر سی  
 نے نہایت معقول طریقہ سے روس کی تجاویز کو رد کر دیا لیکن اس کے  
 مقابلہ میں خود کوئی دوسری تجاویز پیش نہیں کیں اور اپنی تقریر کو  
 اس مسئلہ پر کہ ان صوبوں میں قیام امن نہایت ضروری ہے  
 ختم کر دیا۔ جو لوگ کہ سیاست المدن کے پیچ در پیچ راستوں کا تعین  
 ہیں ان کے سادہ خیال کے موافق اس موقع پر کانگریس کے صدر  
 انجمن کا فرض تھا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے سفیروں کو اس کے اظہار  
 کا موقع دیتے کہ آیا اونکی گورنمنٹ ان تمام مشکلات کا جو اس وقت  
 بیان ہوئی ہیں مقابلہ کر سکتی ہے یا نہیں۔ لیکن کونٹ انڈر سی کی  
 تقریر کے ختم ہوتے ہی یہ بات صاف طور سے ظاہر ہو گئی کہ کانگریس  
 کی کارروائی کا بڑا حصہ باہمی طور سے اجلاس کے باہر طے ہو جاتا ہے  
 اگرچہ کونٹ انڈر سی شرم کی وجہ سے اپنی قوم کی اغراض خود پیش  
 کر سکے لیکن اونکو کسی کی مہربانی پر پورا اطمینان تھا جو اس کام  
 کو ان کے طرف سے نہایت خوبی کے ساتھ انجام دے سکتا ہے  
 چنانچہ اسکے بعد لارڈ سلسبری آٹھے اور یہ فرض کر کے کہ روس  
 کی تجاویز متعلقہ ازادی صوبجات کانگریس کی بحث سے خارج  
 ہو گئی ہیں اور باب عالی کسی طور سے ان صوبوں کا انتظام نہیں

نہیں کر سکتا اور اگر کر ہی سکتا ہے تو ادن سے کسی قسم کا فائدہ  
 نہیں اٹھا سکتا۔ یہ بیان کیا کہ بوسنیا اور ہرزی گونیا سے باب عالی  
 کو کوئی مالی اور ملکی فائدہ نہیں ہے۔ قسطنطنیہ کی کانگریس میں یہ ثابت  
 ثابت ہو چکی ہے کہ ان صوبوں کی آمدنی ان کے اخراجات  
 کے لئے کافی نہیں ہے اور ان کے تحفظ میں باب عالی کو ایک کثیر رقم  
 صرف کرنی پڑے گی علاوہ ازاں یہ صوبے لڑائی کے وقت ہی کمتر  
 نہیں ثابت ہو سکتے۔ پس باب عالی کی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی یہی ہے  
 کہ وہ اس کام کو جو اسکی طاقت سے باہر ہے اپنے ذمہ نہ لے اور کسی ایسی  
 سلطنت کے سپرد کر دے جو اس کام کو بخوبی انجام دیکے۔ اس کی وجہ  
 سے سلطنت عثمانیہ کے بہت سے خطرات اور اندیشے رفع ہو جائیں گے  
 بناؤ علیہ گورنمنٹ انگلستان سلطنت ہائے متفقہ کے سامنے یہ تجویز پیش  
 کرتی ہے کہ بوسنیا اور ہرزی گونیا کا انتظام حکومت اسٹربائیگیا  
 کے سپرد کر دیا جائے۔

مدبران ملک کی یہ اعلیٰ متانت قابل ملاحظہ ہے کہ اس تجویز  
 کو شکریہ کوئی انڈر سی کے خشک منہ پر نہیں تک نہ آئی۔  
 لارڈ رسلینفیلڈ نے جو منشی کے ضبط کرنے میں کسی باشندہ اشیرا  
 سے کم نہ تھے اور جنکو نقابی میں ہی خاص دلچسپی تھی اپنے وزیر خارجہ  
 کے بعد کہہ رہے ہو کہ اس امر میں ان کی تائید کی کہ باب عالی ان دونوں  
 صوبوں میں کسی طرح سے اس کا قیام نہیں رکھ سکتا اور ان سے بجائے

کسی فائدہ کے باب عالی کا سر اسر نقصان ہی ”پس میری رائے  
میں (شاید اس قدر پر مذاق بات انہوں نے ایسا شک منہ نہ کر کہی  
نہ کہی ہوگی) اس وقت بجز اسٹریا کے کوئی ایسی سلطنت نہیں ہے جو  
ان صوبوں پر قابض ہو کر قیام امن کی اہم ذمہ داریوں کو برداشت  
کے اور باب عالی کو یورپ کے ملکی معاملات میں دقیق اور زور  
دار کر دے۔“

پرنس کا سرچکاٹ کے بعد جنہوں نے قیام امن کے متعلق  
چند معمولی باتیں بیان کی تھیں سلطان کے سفیر اٹھے اور انگریزوں  
کی پیش کردہ تجاویز سے اختلاف کر کے یہ بیان کیا کہ باب عالی  
پورا یقین ہے کہ وہ فوراً ان صوبوں میں امن کر دیگا اور وہ وعدہ  
کرتا ہے کہ یہ کام بہت جلد ان صوبوں میں اعلیٰ کشتہ بہیکر شروع  
کر دیا جائیگا۔ یہ کشتہ و بان پہنچتے ہی پولیس قائم کریں گے اور ان  
لوگوں کے لئے جو اپنا وطن چھوڑ کر بہاگ گئے تھے خورد و نوش بود و باش  
کا انتظام اس وقت تک کے لئے کر دیا جائیگا کہ وہ لوگ دوبارہ کاروبار  
بازرراعت شروع کر سکیں۔

باب عالی کے سفیروں نے انگریزوں کے اس اعتراض کا  
کہ تین سال سے سلطنت عثمانیہ ان صوبوں میں کیوں نہ امن قائم  
کر سکی یہ جواب دیا کہ تقریباً تین سال سے باب عالی قرب و جوار  
کے صوبوں کے جھگڑوں اور ایک سال سے ایک بڑی لڑائی

بین مصروف ہے لیکن با این ہمہ اوسکی حکومت بوسینیا اور ہرنزی  
 گوئینا میں اوسیطرح قائم ہے۔ اب وہ وقت قریب آگیا ہے کہ صلح  
 اس خوزیر لڑائی کا خاتمہ کر دے اور باب عالی اطینان کے ساتھ  
 تمام قوت اندرونی اصلاحات پر صرف کر سکے۔ پس ایسے وقت  
 میں اوسکو اس امر پر مجبور کرنا کہ وہ ان صوبوں کو کسی دوسری سلطنت کے  
 حوالے کر دے سر اسرے انصافی ہو۔ یہ بالکل صحیح ہو کہ بوسینیا سے  
 باب عالی کو کوئی مالی فائدہ نہیں ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں  
 نکل سکتا کہ اوسکے انتظام میں یہی وقت کسی دوسری سلطنت کو پیش  
 نہ آئے گی۔ جو پیچیدگیوں مسئلہ اراضی کی نسبت بیان کیجاتی ہیں وہ صرف  
 بوسینیا ہی تک محدود نہیں ہیں بلکہ یورپ کے دوسرے حصوں میں  
 بھی اسی قسم کی دقتیں پیش آتی ہیں لیکن اس بنا پر انکی نسبت کبھی  
 کوئی ایسی تجویز پیش نہیں کی گئی جو اسوقت بوسینیا کے لئے پیش کی  
 جاتی ہے۔ ہملو کا نگرس سے پوری امید ہے کہ وہ ان تمام شرائط  
 پر لحاظ رکھ کر جو ہم اپنے شہنشاہ کی طرف سے منظور کرنے کے لئے آئے  
 ہیں حوالگی صوبجات کی تجویز کو کسی طور سے منظور نہ کرے گی جس سے  
 بجائے قیام امن کے سخت دقتوں کے پیش آنے کا اندیشہ ہے۔  
 ٹیروڈوسی پاشا کے بیٹھنے کے بعد پرنس بمارک نے سفیران باب عالی  
 کے طرف متوجہ ہو کر کہا کہ کا نگرس صرف انہیں صوبوں میں امن  
 قائم کرنے کے لئے نہیں مقرر ہوئی جتنے انتظام کا باب عالی کو مستعد

خیال ہے بلکہ اسکا مقصد اسوقت اور آئندہ کے لئے تمام یورپ  
 میں امن قائم کرنا ہے پس میں آپ لوگوں کو اس امر کی طرف توجہ  
 دلاتا ہوں کہ اگر کانگریس اس معاملہ میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی  
 تو آپ لوگوں کو معاہدہ سین اسٹیفنو کی پوری تعمیل کرنی ہوگی۔ کانگریس  
 کی دست اندازی کی وجہ سے آپ لوگوں کو بوسینا سے بہت بڑا اور  
 زیادہ تر شاواب ملک جو بحر الجہیر سے کوہ بلقان تک پھیلا ہوا ہے  
 ملتا ہے۔ پس میرا یہ خیال ہے کہ باب عالی اس معاملہ میں اپنے  
 سفیروں کو جو یہدایتیں کرے گا اور کانگریس میں نکات اظہار کیا جائیگا۔  
 چوتھی جالائی کو جدید ہدایتیں پہنچائیں اور سلطان کا یہ آخری جواب کانگریس  
 کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ باب عالی نے کانگریس کی اون تمام تجاویز پر جو بوسینا  
 یا برزیگوینیا میں قائم امن کے متعلق پیش کی گئی ہیں کل توجہ کی باب عالی کو  
 کانگریس کی تجاویز پر پورا اطمینان ہو لیکن وہ اس معاملہ کو براہ راست  
 گورنمنٹ آف آسٹریا سے طے کر لینے کا اقتدار خود اپنے  
 ہاتھ میں رکھتا ہے۔

معاہدہ سین اسٹیفنو کی دوسری شرائط بھی جلد فیصل ہو گئیں اور  
 سر دیو کی ازاد می بلا اختلاف منظور کر لی گئے کارنہیو دوسری پاشا  
 نے اس موقع پر جو تقریر کی تھی وہ قابل بیان ہے لہذا اہم اسکو  
 ذیل میں درج کرتے ہیں۔

”اس موقع پر کہ کانگریس اون شرائط سے بحث کرنی والی ہی

جو آزادی کے متعلق معاہدہ سین اسٹیفنو میں درج ہیں کار تھیو دوری  
 اپنی رائے کے ساتھ کچھ مختصر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ یہ  
 امر مسلمہ کہ یورپ نے سر ویارباب عالمی کی حکومت یورپ کی  
 ضرورتوں اور خاص سر ویارباب کے فائدے کے لئے منظور کی تھی۔ باب عالمی  
 کو جو حقوق معاہدہ ون کے ذریعہ سے سر ویارباب حاصل تھے وہ نہایت نرمی  
 کے ساتھ کام میں لائے گئے ہیں اور سخت سے سخت مشکلوں میں بھی  
 ان کی خلاف ورزی نہیں کی گئی۔ اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ ان حقوق  
 کی وجہ سے ان تمام دقتوں کا جو وقتاً فوقتاً یورپ کو پیش آتی رہتی ہیں  
 نہایت آسانی کے ساتھ فیصلہ ہو جاتا تھا اور باوجود ان شاہی حقوق  
 کے سر ویارباب کو آزادی ان تعلقات کی وجہ سے جو فوائد اس کو حاصل  
 انکو وہ خود بارہا تسلیم کر چکی ہے۔ معاہدہ سین اسٹیفنو نے اس صوبہ اور  
 نیز دوسرے صوبوں کو اپنے اصلی مرکز سے جدا کر کے ایک جدید اصول  
 پر قائم کر دیا ہے۔ آج اگر یورپ کی کونسلوں میں آزادی کا زور ہے  
 تو باب عالمی اس کی مخالفت نہیں کرتا کیونکہ اس کو پورا یقین ہے کہ جو  
 آزادی کانگریس دیگی وہ حقیقی نیک نیتی پر مبنی ہوگی اور جن ملکوں کو  
 یہ آزادی ملے گی وہ ان تمام حقوق اور ذمہ داریوں کا پورا خیال رکھیں  
 گے جو اس کی وجہ سے ان پر عاید ہوتی ہیں کیونکہ اس وقت سے ان کی  
 آزادی کی پوری عزت کی جائے گی اور یورپ کے حفظ امن کی اور  
 ذمہ داریوں میں کوئی کمی نہ واقع ہوگی جو اب تک تعلقات عالمی حکومت

کی وجہ سے قائم ہیں۔

سلطنت روس آزادی کی جس قدر عزت کرتی ہے اوسکا اظہار عجیب طور سے اس موقع پر ہوا۔ انگلستان اور فرانس کے سفیروں نے اس امر پر پُرازور دیا تھا کہ ان صوبجات میں مذہبی آزادی کے لئے ایک صریح قانون بنا دیا جائے تاکہ آئندہ اس معاملہ میں کوئی دقت اور پیچیدگی نہ واقع ہو لیکن پرنس گارس چکاف نے اون قدیم روسی خیالات کے موافق جسمیں ہر قسم کی آزادی خواہ وہ تمدنی ہو یا مذہبی نفرت آمیز نگاہ سے دیکھی جاتی ہے یہ عذر کیا کہ اُنھیں یہودی نہ شامل کئے جائیں کیونکہ اونکی رائے میں یہودی ہی باشندگان ملک کی تباہی اور پریشانی کے اصلی باعث ہیں چونکہ عام آزادی کے مسئلہ پر دوسرے سفیر بشمول سفیرانِ سلطانی بالکل متفق تھے لہذا معاہدہ برلن میں دفعہ ۳۵ بڑی مادی گئی جس نے اس معاملہ کا قطعی فیصلہ کر دیا۔

اس کے بعد کانگریس نے یونانی حدود کے تعین کی طرف توجہ کی اور یونانی سفیر مقیم برلن کانگریس میں اظہارِ رائے کے لئے طلب ہوئے۔ گورنمنٹ انگلستان کی یہ خواہش تھی کہ یونان بھی باضابطہ طور پر کانگریس میں شریک کیا جائے۔ لیکن سلطنت روس فرانس اور ترکی نے اس خیال کے ساتھ اتفاق نہیں کیا لہذا اسکو بحجوری چھوڑ دینا پڑا۔ اوتھیں جون کو مشرینخراہی سفیر



اور مسٹر ڈیلیانس وزیر صیغہ خارجہ یونان نے کانگریس میں اپنی اکثرملکی ضرورتوں کو بیان کیا۔ مسٹر ڈیلیانس نے کہا کہ ہماری قوم کامل آزادی کی خواہشمند ہے اور یہ چاہتی ہے کہ کینیڈا اور وہ صوبے جو اسکی سرحد پر واقع ہیں اسکے حوالے کر دئے جائیں تاکہ امن اور قومی جوہر قائم ہو سکے۔ اپنے دعوے کی تائید میں انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ ان صوبوں میں عرصہ سے فرد اور سرکشی کا سلسلہ برابر جاری ہے چنانچہ اسوقت بھی کینیڈا میں ہر طرف فتنہ و فساد پیا ہے۔ پس انصاف اور انسانی ہمدردی اسی کی متقاضی ہے کہ ان صوبوں کی قومی خواہشیں جنکو وہ بار بار ظاہر کر چکے ہیں پوری کر دی جائیں اور آئندہ سکے لئے ان تمام تکلیفوں اور تباہیوں سے محفوظ کر دئے جائیں جو قومی زندگی کی خواہش میں انکو اٹھانی پڑتی ہیں۔ باشندگان یونان کے موجودہ خیالات کو خواہ وہ خاص یونان میں مقیم ہوں یا اسکے باہر انہوں نے کسقدر تفصیل اور نہایت زور کے ساتھ بیان کیا جنکو ہم انہیں کے الفاظ میں ظاہر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

”یونان کے ہزاروں باشندے سلطنت عثمانیہ میں آباد ہیں جنہیں سے اکثر باب عالی کے ملکی اور فوجی محکومین میں اعلیٰ خدمتوں پر ممتاز ہیں اور بعض تجارتی دنیا میں سربراہ اور وہ ہیں جو چین میں اہل یونان کی سرکشی کی انکو پہنچتی ہیں وہ ممکن نہیں کہ ان کے دلوں کو چین نکر دیتی ہوں۔ اسکا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ

اومی اپنے جان و مال کو سخت خطرون میں ڈال دیتے ہیں جسکی وجہ سے بعض وقت سخت مضر تلج پیدا ہونیکا اندیشہ ہوتا ہے اور سلطنت کی حالت اندیشہ ناک ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان صوبوں کے باشندے بھی آزادیوں کے ہم مذہب ہم قوم اور ہم خیال ہیں لہذا وہ اہل یونان جو سلطنت عثمانیہ میں آباد ہیں انکی ہمدردی سے ہی باز نہیں آسکتے اور نہ اوسین بے پروائی کر سکتے ہیں کیونکہ یہ بے پروائی بہت جلد ان امید و ناکامیہ کردیگی جو ہر کسی کے یونانیوں کو اپنے آزاد ساتھیوں سے تھیں۔ گویونانی گورنمنٹ اس جوش کونہیں روک سکتی ہے اگر کہیں اوسکے روک نے کی کوشش کیجائیگی تو اسکا نتیجہ بجز اسکے کچھ نہیں ہو سکتا کہ تمام ملک میں بغاوت اڑ جائے۔ خود باب عالی اس قومی جوش کو روکنے سے معذور ہے کیونکہ اوسکی سلطنت کے حدود یونان سے اسطرح ملے ہوئے ہیں کہ ایک لاکھ فوج بھی پوشیدہ مدد کو ان تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی گے۔

اس تقریر کے بعد یونانی سفیر کانگریس سے رخصت

ہوئے اور پندرہویں جولائی کو یونان کا معاملہ تصفیہ کے لئے کانگریس میں پیش ہوا۔ مشروید انگلٹن نے بحث شروع کی اور مفصل ذیل تجویز اس غرض سے پیش کی کہ سلطنت عثمانیہ کو اہل یورپ کے منشا سے پوری اگاہی ہو جائے اور اہل یونان کو وہ حد تک

جس سے آگے بڑھنے کی اوکو کس طور سے اجازت نہیں دی جاسکتی  
 ”کانگریس باغی عالمی سے یہ خواہش کرتی ہے کہ وہ سلطنت  
 یونان سے حدود تہلی اور اپیرس کا قطعی فیصلہ کر لے اور یہ حدود  
 نہایت صاف طور سے متعین کر دئے جائیں۔ کانگریس کو پورا یقین ہے  
 کہ فریقین اس معاملہ کو باہمی طور سے طے کر لیں گے اور اگر اس میں  
 کانگریس کی مدد کی ضرورت ہوگی تو کانگریس نہایت خوشی سے  
 مدد دیگی۔“

یہ تجویز منظور ہوئی اور حدود کا فیصلہ دو نون سلطنتوں کی راہ  
 پر چھوڑ دیا گیا۔ ایسے موقع پر لارڈ مکینسفیڈ نے وہ یادگار اور مشہور  
 فقرہ کہا تھا جو اکثر نقل کیا جاتا ہے۔ ”اس ملک (یونان) کی آئندہ  
 ترقی کی نسبت کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا لیکن ہونا ہمارے سلطنتوں کو  
 بھی ہونا ہمارے آرمیوں کی طرح انتظار کرنا لازمی ہے۔“ انہوں نے یہ بیان  
 کیا۔ ”کہ میں بذات خود ہرگز یہ صلاح نہیں دیکھتا کہ تصفیہ حدود کے  
 متعلق کسی قسم کا زور ڈالا جائے کیونکہ میرے نزدیک سلطان جو  
 اس قدر سخت مصیبتیں اٹھا چکے ہیں بہت زیادہ عزت اور ہمدردی  
 کے مستحق ہیں مجھ کو پوری امید ہے کہ تصفیہ حدود کے متعلق جو  
 مناسب تجویزیں پیش کی جائیں گی اوکو سلطان ضرور منظور کر لیں گے۔“  
 معاہدہ سین اسٹیفن میں جو واقعات روینا کی خود مختاری  
 اور پسارینا کی تفویض کے بابت تین اون کے متعلق سفیران

روس اور انگلستان میں سخت بحث ہوئی۔ سفیرانِ انگلستان اس امر پر روز دیتے تھے کہ ڈینیوپ مین جہاز رانی کی اجازت ہونی چاہیے جسکے متعلق ابتدائے معاہدہ میں کچھ نہیں لکھا گیا تھا۔ اس بحث میں کوٹ شیدوالف نے باشندگانِ رومینا کو اپنے ملک کے جدید انتظام میں اختلاف کرنے کی وجہ سے سخت ناشکر قرار دیا۔ اس طرح بحث کے بعد یہ امر قرار پایا کہ خود رومینا کے سفیر اس معاملہ میں رائے دینے کیلئے طلب کئے جائیں۔ چنانچہ مٹر کو گلیسی آنو کانگرس میں طلب کئے گئے جنہوں نے یہ بیان کیا ”کہ ہم صرف اپنے فقیرانہ ممالک میں سے کسی حصہ کے چھوڑ دینے پر معترض ہیں بلکہ ہماری خواہش ہے کہ ہکو وہ جزائر بھی دلا دیئے جائیں جو ڈینیوپ کے دیانہ پر واقع ہیں۔ اُن کے چلے جانے کے بعد بھی بحث جاری رہی۔ پرنس کارسچکوف اور کوٹ شیدوالف نے تفویض بس ارییا کی درخواست میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کرنے سے قطعی انکار کیا چونکہ اونکا پادشاہ اس موقع پر ”فریق قابض“ تھا لہذا اونکی یہ درخواست منظور کرنی پڑی اور اُسکے معاوضہ میں رومینا کو ایک جزیرہ جسکے وہ بہت خواہمند تھے۔ اور دوست ملک کا ایک جدید حصہ دیا گیا۔

مٹینگہ کی آزادی بلا کسی بحث کے منظور کر لی گئی اور ڈینیوپ مین جہاز رانی کا مسئلہ جو تفویض بس ارییا کی وجہ سے

اون تمام سلطنتوں کے لئے جو دریائے ڈینیوب پر واقع ہیں نہایت اہم ہو گیا تھا دوبارہ پیش ہوا۔ کونٹ انڈرسی نے مفصلہ ذیل چار تجویزیں پیش کیں جو بطور بنیاد تصفیہ منظور ہوئیں۔

۱۔ ڈینیوب میں دروازہ آہنی تک عام جہاز رانی کی اجازت دیجائے۔

۲۔ یورپین کمیشن مستقل طور سے مقرر کیا جائے۔

۳۔ اس کمیشن میں رومینا شریک رہے۔

۴۔ دروازہ آہنی پر صرف استرڈ ہنگری کو تعمیر کی اجازت دیجائے۔

اسکے بعد کانگریس میں معاہدہ سین اسٹیفنو کی اون دفعات کے متعلق بحث شروع ہوئی جنہیں بطور خراج جنگ نقد روپیہ اور ملک کا ایک حصہ روسیوں کو دینا تجویز ہوا تھا جس ملک کا دینا تجویز ہوا تھا اس کے حدود بیان کئے گئے اور زر نقد کی نسبت کا تھوہ دوڑی پاشانے کانگریس کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ لڑائی میں جتنا ملک روسیوں کے قبضہ میں آگیا ہے وہ خود اس کے خراج جنگ کا کافی معاوضہ ہے اس لڑائی میں جو بی شمار اخراجات سلطنت عثمانیہ پر پڑے ہیں اون پر نظر کر کے ہرگز یہ امید نہیں ہو سکتی کہ وہ اس قدر کثیر رقم ادا کر سکے گی اگر بالفرض یہ رقم کسی طور سے ادا بھی کر دی گئی تو اس کی ادائیگی کے بعد سلطنت عثمانیہ ہرگز اس

قابل نہیں رہ سکتی کہ اون انڈرونی اصلاحات کو جنہیں سلطان  
 بھی مثل دوسرے سلاطین یورپ کے اپنے ملک کے لئے نہایت  
 ضروری سمجھتے ہیں جاری کر سکے۔ پس اگر یورپ کی سلطنتوں  
 نے علاوہ ملک کے سلطنت روس کو اس قدر کثیر رستم  
 دلانے میں مدد کی تو اس رعایا کی حالت جسکی فلاح اور  
 اصلاح کے لئے بظاہر اہل یورپ اس قدر کوشش کر رہے  
 ہیں سخت خطرناک ہو جائیگی بلکہ خود سلطنت عثمانیہ جسکی عظمت  
 کانگریس کا اعلیٰ مقصد بیان کیا جاتا ہے درہم برہم ہوجائیگی۔  
 جس رعایا کے لئے بظاہر یہ تمام خوریزی اور صرف کشیر  
 برداشت کیا گیا تھا اسکی دردناک حالت نے اگرچہ  
 پریس گارچہ گاف اور کونٹ شیڈلف کے سخت دلوں پر کوئی  
 اثر نہ کیا لیکن اور سفیر اس قدر سنگدل نہ تھے اور بالآخر یہ قرار  
 پایا کہ معاہدہ میں نقد روپیہ کا کوئی ذکر نہ کیا جائے۔

جنس اسلہ میں آار ڈسپلنری نے ادائی خرچہ جنگ کی نسبت کانگریس کا مشایان  
 کیا تھا اسکا ایک فقرہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ ”خرچہ جنگ جسکی نسبت سلطنت  
 عثمانیہ کی طرف سے بہت سے عذرات پیش کئے گئے تھے معاہدہ سے بالکل خارج  
 کر دیا گیا کہ چونکہ وہ معاہدہ پریس کے خلاف تھا اور اس لحاظ سے خود مختار سلطنتوں کا بالکل اختیار  
 بعض تہذیب کانگریس میں اس پر بحث ہوئی ہیں اور وہ ممکنہ حد میں درج کر لی گئیں ہیں جسکی وجہ  
 سے غالباً اسکا عملی اثر بہت کم ہو جائیگا۔ روسی سفیر دن نے وعدہ

سلطنت عثمانیہ میں عام مذہبی آزادی کا سلسلہ پریسڈنٹ نے پیش کیا۔ یہ پریسڈنٹ کی دوسری تجویز تھی اور اسکے متعلق کارا اہتپو ڈورسی پاشا نے سلطان کی طرف سے ایک تحریر کا مگرس میں پڑھ کر سنائی۔ چونکہ اس تحریر سے سلطان کے ذاتی خیالات کا بہت کچھ اندازہ ہوتا ہے لہذا ہم اسکو کھینچ اس مقام پر درج کرتے ہیں۔

”بحاظ اوان مختلف تجویزوں کے جو بارہا مذہبی آزادی کے لئے

بقیہ حیا صحیحہ (۹۹) کر دیا ہے کہ وہ اس خرچہ جنگ کی ادائیگی میں ملک کے کسی حصہ پر قابض ہون گے اور نہ بہر خوش کر نیگے کہ اس مطالبہ کو اس قرضہ پر ترجیح دیجائے جسکی ضمانت سلطنتیں کر چکی ہیں یا جسکی ادائیگی میں سلطنت عثمانیہ کے چند ابواب مکفول ہیں۔ انگلستان کے سفیروں نے یہ امر صاف طور سے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ اس خرچہ جنگ کو اوان قرضوں پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں پاتے جو اس سے پہلے کے ہوں۔ ان تمام مباحث کا یہ نتیجہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ قانون بین الممالک کے لحاظ سے اس خرچہ کے کسی خسرو کی بھی نہیں ہے اور نہ اسوقت تک اسکی ادائیگی پر مجبور کیا جاسکتی ہے جب تک وہ قرضہ جو تاریخ جنگ سے پہلے کے بین پورے طور سے نہ بیاق ہو جائیں۔ اگر کسی وقت سلطنت عثمانیہ کی مالی حالت اسقدر ترقی کر گئی کہ اسکا تمام قرضہ ادا ہو گیا اسوقت البتہ خرچہ جنگ کا مطالبہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عالمی عہد میں یہ مطالبہ نہ اسقدر بجا ہوگا اور نہ اسکا ادا کرنا سلطنت عثمانیہ کو گراں معلوم ہوگا۔ نیز طاقانوں میں الممالک کے لحاظ سے ناجائز نہیں ہے مگر اسکی یہ عجیب حالت موجودہ ایک مختصر وقت تک متوی کر دی گئی ہے۔“

کانگریس میں پیش ہو چکی ہیں تمکو اس امر کے اظہار کی اجازت دیجاتی ہے کہ اس بارہ میں باب عالی کا بعینہ وہی منشا ہے جسکا یورپ خوشہمند ہے۔ باب عالی کا قدیم عملہ رآمد اور سکی حکمت عملی اور اسکی رعایا کی فطرت سب اسی طرز عمل کے موید ہیں۔ باب عالی کے مالک محروسہ میں کروڑوں مختلف المذہب لوگ آباد ہیں۔ جنکی مذہبی پابندی شرعی احکام کی تعمیل میں کبھی کوئی مزاحمت نہیں کی جاتی۔ باب عالی اس اصول جاری رکھنے اور حتیٰ الوسع اوسمیں توسیع کرنے کیلئے ہمہ تن آمادہ ہے۔“

اس منشا ہی مراسلہ کو پیش کرتے وقت کارا تھیوڈوری پاشا نے یہہ خوشہمش ظاہر کی کہ جدید معاہدہ کیجی اوس دفعہ میں جو مذہبی آزادی سے متعلق ہے یہہ امر صاف طور سے ظاہر کر دیا جائے کہ تمام ممالک محروسہ میں پیشتر سے ہر قسم کی مذہبی آزادی ہے۔ یہہ درخواست منظور ہوئی اور عہد نامہ کی دفعہ ۶۴ کے آغاز میں یہہ عبارت زیادہ کی گئی۔

”باب عالی نے یہہ ارادہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنے ملک میں مثل سابق کے مذہبی آزادی قائم رکھیگا اور اوسمیں جہانگیر ممکن ہے اور یہی توسیع کی جائیگی۔ پس فریقین معاہدہ سلطنت عثمانیہ کے اس ارادہ کو جو اوس نے بلا کسی دباؤ کے خود بخود ظاہر کیا ہے ضبط تحریر میں لانا چاہتے ہیں۔“



زار کی مظلوم رعایا کس قدر اسی قسم کے فیاضانہ اعلان کی منتہی ہے اسکے بعد کانگریس نے اون ممالک کی طرف توجہ کی جو ایشیا میں سلطنت روس کو تفویض ہونے والے تھے اور جسے متعلق انگریزی اور روسی سفیر مین خانگی طور سے گفتگو ہو کر یہ طے ہو چکا تھا کہ سلطنت روس ارض <sup>روس</sup> اور وادی الشر کے دعوے سے دست کش ہو جاوے گی مگر اردمان کارس بزازت اور باطوم کی تفویض پر روسی اسطرح اڑے رہے۔ باطوم کے متعلق جو کچھ برنس گار سچگان نے کانگریس میں بیان کیا اس سے روسی حکمت علمی اور انکے وعدوں کی سچائی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے لہذا ہم برنس گار سچگان کے فقرہ ذیل کی طرف اپنے ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

”میں اس امر کے اظہار کا مجاز کیا گیا ہوں کہ ہمارا آقا، نامدار اپنے شاہی حقوق کو کام میں لا کر باطوم کو بندرگاہ قرار دیگا۔ یہ آزادی تمام تجارتی اقوام خصوصاً انگلستان کیلئے جسکے تجارتی جہاز اس کثرت سے ہیں نہایت مفید ہوگا۔ لارڈ بیکنسفیلڈ نے اس اعلان کو قابل قدر مصلح کارروائی قرار دیکر یہ بیان کیا کہ اگر باطوم کی تفویض سے بحر اسود کی آزادی کو کسی قسم کا اندیشہ ہوتا تو خاص سلطنت انگلستان دوسری سلطنت ہائے یورپ کے ساتھ ہرگز اس امر میں متفق نہ ہوتی کہ وہ اپنے آپکو اس سمندر میں داخل ہونے سے باز رکھے گی۔ چونکہ اب باطوم ایک عام اور تجارتی بندرگاہ قرار دیا گیا ہے لہذا سلطنت انگلستان

کو کانگریس کی ترمیم شدہ شرائط کی تجدید میں کوئی عذر نہیں ہے۔  
 باوجود ان تمام وعدوں کے باطوم اسوقت ایک مضبوط جنگی مقام ہے۔  
 کانگریس کے آخری جلسوں میں ان تجویزوں پر بحث ہوتی رہی جو پرنس  
 گارجچکاف اور کونٹ شیووالف نے اس غرض سے پیش کی تھیں کہ معاہدہ  
 چند ایسی دفعات بڑھا دیا جائے جنکی روس سے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتوں کو  
 مختلف تجاویز کی تعمیل کرانے کا پورا حق حاصل ہے۔ لیکن کوئی سلطنت باجمعی  
 دست اندازی کی حکمت عملی پر راضی نہیں ہوئی۔ اور کارٹیوڈوری پاشا  
 نے سفیران روس کی تجاویز کی سخت مخالفت کر کے یہ بیان کیا کہ باب عالی  
 مثل دوسری سلطنتوں کے جو اس معاہدہ میں شریک ہیں معاہدہ کے تمام شرائط  
 کی پابندی اپنے ذمہ فرض سمجھیں گے۔ مسٹر ڈیڈنگٹن نے جن الفاظ میں اسکی پابندی  
 کی وہ قابل تحریر ہیں اور ان سے مختصر آدھ اسوقت کی حالت کا اندازہ ہو  
 سکتا ہے۔ ”جو تجویز کہ کانگریس میں اسوقت پیش کی گئی ہے اس کے سیاق عبارت  
 یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ کو ایک قسم کی مدامی تعلیم دینے کا ارادہ کیا  
 جاتا ہے تاکہ باب عالی کی تمام کارروائیوں میں ہر وقت دست اندازی کا حق  
 ملتا رہے۔ جو امور اس کانگریس میں طے ہوئے ہیں انکی پابندی بظاہر باب عالی کے  
 لئے نہایت مفید معلوم ہوتی ہے۔ پس بجائے اسکے کہ سلطنت عثمانیہ کے وعدے  
 مشتبہ سمجھے جائیں کچھ عرصہ تک انتظار کر کے یہ دیکھ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے  
 کہ اوکی طرف سے ان وعدوں کی کس طرح سے تعمیل ہوتی ہے کیونکہ کسی سلطنت کو  
 بطور خودیہ فرض کر لینے کا حق نہیں ہے کہ جن شرائط کو سلطنت عثمانیہ نے

منظور کر لیا ہے وہ انکی تعمیل نہیں کریگی یا نہیں کر سکتی“ اس بحث سے  
 کچھ حاصل نہیں ہے کہ سلطنت ہاسے بورپ کے سفیرون نے روس کی پیش  
 کردہ تجاویز کو کس بنا پر نامنظور کیا خواہ وہ ان تجویزوں کو غیر واجبی سمجھ  
 ہوں یا اپنی سلطنتوں کو اس قسم کی ذمہ داری میں پہنچانے کو نامناسب سمجھے  
 ہوں جس میں بھرپور دشمنوں کے کوئی فائدہ نہ تھا۔ بہر حال یہ تجویزین بلا اختلاف  
 نامنظور کی گئیں اور تیرہویں جولائی کو مختلف ملکوں کے سفیر ایک دوسرے  
 سے الوداع کہہ کرخصت ہوئے۔ پرنس کارچکوف مو اپنے ساتیوں کے  
 سینٹ پیٹرس برگ روانہ ہوئے تاکہ وہاں پہونچکر سلطان کو نئی مشکو  
 میں پہنچانے کیلئے تدابیر سوچیں۔ سفیران سلطنت عثمانیہ اوس انتظام  
 میں مردینے کیلئے جسکی اصلی غرض اصلاح اور اپنے ملک کو دوبارہ زندہ  
 کرنا تھا قسطنطنیہ کو روانہ ہوئے۔

لاڈ سکنے فیڈ اور سائیسبری برلن سے روانہ ہو کر لندن پہونچ  
 جہاں پر جوش مبعوثین اور ناخیر مقدم کہا گیا اور انہوں نے اپنی  
 قوم کو اس صلح کی جو نہایت عزت کے ساتھ ہوئی تھی مبارک باد دی۔

## فصل سوم

### اصلاح

جو وقت سلطنت عثمانیہ تک الموت کے پنجے سے چھوٹی اور موت سے سلطان عبد الحمید خان نے اپنے باقی ماندہ مالکدین امن قایم کر کے اون اصلاحوں کا سلسلہ چھیڑ دیا جنکا اونہوں نے تخت نشینی کے وقت مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

کوئی کام خواہ وہ لڑائی کے متعلق ہو یا قیام امن کے روپے کر بغیر نہیں چل سکتا لہذا سلطان نے سب سے پہلے سلطنت کی مالی حالت کی طرف توجہ کی جو مالی مشکلیں اس وقت سلطان کو درپیش تھیں وہ شاید نیکر کے سوا جس نے بغاوت کی بعد فرانس کا مالی انتظام اپنے ہاتھ میں لیا تھا کسی دوسرے شخص کو نہ پیش آئی ہوں۔ جنگ کیریمیا کے زمانہ سے سلطنت عثمانیہ کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی تھی۔

۱۸۵۸ء سے سلطان عبد الغفر خان کی معزولی تک سلطنت عثمانیہ غیر ملکوں کے مہاجروں سے برہمی بڑی رقمیں برابر قرض لیتی رہی یہاں تک کہ سلطان عبد الحمید خان کی تخت نشینی کے وقت اس "قرض" کی مقدار بیس کروڑ پونڈ (تقریباً تین ارب سکہ انگریزی مروجہ ہندوستان) تک پہنچ گئی تھی۔ میں نے اس قرضہ کو "قرض" اسوجہ سے قرار دیا ہے

کہ اسمین سے نصف رقم بھی خزانہ شاہی میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ  
 پچاس فیصدی کے قریب ادن ایما دار اور لایق کار برداروں کا حصہ  
 ہو گیا جنہوں نے وقتاً فوقتاً یہ قرضہ دلا یا تھا۔ اس بیرونی قرضہ کے  
 علاوہ ایک بڑی مقدار منگی اوس کمپنی سے لی گئی تھی جو عثمانی بینک کے زیر  
 ہدایت سلطنت کے مالی معاملات میں بہت کچھ داخل رہی تھی۔ سابق  
 سلطانین عثمانیہ کا یہ دستور تھا کہ جب قرضہ پر سود زیادہ ہو جاتا تھا  
 تو دوسری جگہ سے قرض لیکر یہ روپیہ ادا کر دیا جاتا تھا۔ اگرچہ قرضہ  
 کے ادا کرنے کا یہ بہت آسان اور خوش آئند طریقہ ہے لیکن بہت  
 عرصہ تک جاری نہیں رہ سکتا۔ اگر اس معاملہ میں سلطان عبدالحمید خان  
 اپنے جانشینان سابق کی پیروی کرنا چاہتے (جسکی ادن سے ہرگز امید  
 نہیں ہو سکتی) تب بھی وہ اسمین کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ قرضہ  
 نہ ادا ہونے کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ کا اعتبار بالکل جاتا رہا تھا۔ پس  
 اوسوقت نہ صرف بیرونی مدد سے ناامیدی تھی بلکہ ملک کی آمدنی کا  
 بڑا ذریعہ بالکل سدود ہو گیا تھا یعنی ٹیکس کا وصول ہونا اور وصول  
 شدہ ٹیکس کا مقامی عہدہ داروں سے خزانہ شاہی تک پہنچنا  
 اوس بد نظمی اور بے اطمینانی کی وجہ جو لڑائی نے تمام ملک میں  
 پھیلادی تھی نہایت دشوار ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں بیرونی  
 مہاجتوں کے کثیر التعداد سود اور کمیشن کے مطالبوں اور مقامی  
 عہدہ داروں کی بددیانتی سے روز بروز قرضہ کا بڑھتا جانا کچھ

تجب انگیز تھا۔ سلطان نے صلح کے بعد سب سے پہلے سلطنت کی مالی حالت پر غور کرنے کیلئے ایک کمیٹی مقرر کی جسکی صلاح کے مطابق قسطنطنیہ میں بیرونی قرضخواہوں کی ایک کونسل اس غرض سے طلب کی گئی کہ وہ عہدہ داران سلطنت عثمانیہ کے ساتھ بیرونی قرضہ کے مسئلہ پر غور کرے۔ اس کونسل کے ممبر مالی دینا کے بڑے بڑے نامور لوگ مقرر ہوئے۔ انجمنستان اور دندارک کے قرضخواہوں کی طرف سے دکانٹا آنرہیل۔ ار۔ بورگی ایک مشہور کنسر ویٹیو (جواب لارڈ کینومرا کے نام سے مشہور ہیں اور اس سے قبل مدراس کے گورنر تھے) بھیجے گئے فرانز کی طرف سے مسٹر والفرے متعلقہ محکمہ خارجہ بھیجے گئے۔ اسٹریا۔ اٹلی۔ جرمن وغیرہ کے قرض خواہوں نے بھی اسی قسم کے مشہور اور نام آور لوگوں کو اپنی طرف سے بھیجا۔ اس کونسل میں وزیر عینہ مال سلطنت عثمانیہ بھی شریک کئے گئے اور ایک طویل بحث کے بعد یہ امر قرار پایا کہ اسکے متعلق سلطان کے سامنے چند تجویزین پیش کی جائیں۔ ان تجویزوں کے پیش ہونے پر یہ معلوم ہوا کہ کمیشنروں نے مالک غیر کے قرضہ کی اصلی حقیقت دریافت کر کے براہ دیانت اور ایمانداری فرضی قرضہ کا مطالبہ چھوڑ دیا ہے اور وہ لوگ اس امر پر راضی ہیں کہ اس قرضہ کی تعداد پیش کر دیونڈ سے گھٹا کر بندہ کروڑ بائیس لاکھ پونڈ قرار دی جائے۔ اس کثیر رقم کی تخفیف کے بعد انہوں نے یہ درخواست کی کہ تا ادائی قرضہ

سلطنت کی خاص خاص آمدنیان مثلاً محصول تنباکو - نمک - شہاب شراب - مہاجر تیرمی - اور ریشم وغیرہ اون کے حوالہ کر دیا جائے۔ علاوہ اسکے بلگیر یا کاجراج اور سائرس اور مشرقی رومیلیا کی آمدنی اور ایوانی تنباکو کی جنگی کا ایک حصہ اور محکمہ جنگی داجارہ اور حفاظت حق ایجاد کی جدید آمدنیان بھی اونکو دی جائیں۔ اور جو کچھ سروریا مانٹنگرو بلگیر یا اور لومان اپنے قرضہ میں ادا کریں وہ بھی اونہیں کو ملے۔ ماسوا اسکے اونہوں نے قسطنطنیہ میں ایک مجلس انتظامی قائم کرنے کی درخواست کی جس میں تمام قرضخواہوں کے وکلا شریک ہوں اور اس مجلس کو مذکورہ بالا آمدنیوں کے وصول کرنے کا پورا اختیار دیا جائے اور جو دفا تر دار الخلفہ یا صوبجات میں عثمانی قرضہ کی ادائی کے متعلق ہوں وہ اس مجلس کے ماتحت سمجھ جائیں۔ ان تمام درخواستوں کو سلطان نے بلا تا مل منظور کر لیا اور بذریعہ فرمان شاہی واقع ۲۰ دسمبر ۱۸۸۱ء اونکا باضابطہ نفاذ ہوا۔ ۱۸۸۲ء سے یہ جدید انتظام شروع کیا گیا۔ اور اوسوقت کمیشن کے ممبروں کو اون وقتوں کے اندازہ کرنے کا موقع ملا

جد کمیشن نے ایک سال کی کارروائی کے بعد اسکا اقرار کیا کہ جو احکام اس فرمان میں درج ہوئے تھے اونکی پابندی نہایت یاندازی کے ساتھ ہوئی ہے۔

جو سلطنت عثمانیہ کے ایک مصلح اور ایماندار بادشاہ کو پیش آتی ہیں۔ اسکی ادنیٰ مثال تنباکو کی وہ چنگی ہے جو یورپ اور ایشیا کے اٹھارہ صوبوں سے وصول کی جاتی تھی۔ ہر صوبہ میں ایک خاص ایجنٹ مقرر تھا جسکے تحت میں دو دو اور تین تین سو تک ملازم کام کرتے تھے۔ ان لوگوں کی کارروائی پر قسطنطنیہ سے پوری نگرانی کا ہونا بیکہ مشکل تھا اور ان لوگوں کو اکثر (ایشیا کو چک میں) ایسی جماعتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا جو کہ محصولی مال کو بلا ادا اسے محصول ملک میں لانے کیلئے مسلح و آمادہ جنگ ہو کر آتی تھیں۔ یہ امر بالکل خلاف عقل ہے کہ غیر ملکپوں کی ایک جماعت بغیر مدد و عہدہ داران گورنمنٹ کے ان تمام دشواریوں کا مقابلہ کر سکتی۔ جو کہ یہ ان لوگوں کو سرکاری عہدہ داروں سے مدد ملی اوسکے اصلی باعث خود سلطان تھے۔

جو آمدنی کہ اس کمیشن کے حوالہ کی گئی اوسکی تعداد ساڑھے ستر لاکھ

منجہ اس رقم کے قرض خواہوں کو پانچ لاکھ چوبیس ہزار تین سو ترسٹھ پونڈ سود اور اس قرضہ کی ادائیگی میں دینا پڑتا ہے جو کہ کلیشہ کی جماعت مہاجران سے لیا گیا تھا اور جسمین ملک کے خاص خاص ٹیکس کفول تھے۔ یہ قرض چوبیس سال میں ادا ہو جائے گا۔



پنڈ سالانہ تھی (دو کروڑ ساٹھ لاکھ پچاس ہزار روپے انگریزی پانچ مستحقوں کے برابر ہیں) چونکہ سلطنت کی کل آمدنی (باستثناء اوس رقم کے جو قرضہ میں دیدی گئی ہے) ایک کروڑ پچھتر لاکھ پونڈ ہے (جو بحساب فی پونڈ پندرہ روپے اسکے انگریزی کے ۲۶۲۵۰۰۰۰ روپے ہوتے ہیں) لہذا میری رائے میں ترکوں کا دشمن سے دشمن بھی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ سلطنت عثمانیہ نے ایسے قرضہ کے سود ادا کرنے میں نہایت ایمانداری سے کوشش کی ہے جبکہ نصف بھی اوسکو نہیں ملا تھا۔

سلطان نے اپنے قرضخواہوں کے ساتھ جو کچھ برتا دیا وہ ناظرین پر ظاہر ہو گیا اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ سلطان کے قرضداروں نے انکے ساتھ کیا برتا دیا اور یورپ کی بڑی بڑی سلطنتوں نے مالی معاملات میں اپنے وعدوں کو کس طرح ایفا کیا۔

معاہدہ برلن کی دفعہ کا یہ مضمون تھا کہ بلغیریا کے سالانہ خراج کی مقدار باتفاق اون سلاطین یورپ کے جو معاہدہ میں شریک ہیں قرار دی جائیگی۔ دفعہ مذکور کے ٹھیک الفاظ یہ تھے ”اس جدید انتظام پر ایک سال گزرنے کے بعد بلغیریا کا خراج اوسکی اوسط سالانہ آمدنی کے لحاظ سے مقرر کیا جائیگا۔ چونکہ بلغیریا کو سلطنت عثمانیہ کے عام قرضہ کے ایک حصہ کا ذمہ دار ہونا ضرور ہے لہذا سلطنت کا متفقہ بروقت تعین خراج اس امر کا بھی فیصلہ کرے گی کہ قرضہ کا کس قدر رسدی حصہ اوسکے ذمہ دارانہ ترین انصاف ہے۔“

اس معاہدہ پر سلطنت ہائے یورپ کے سفیر نو برسن ہوئے کہ دستخط کر چکے  
 ہیں مگر اوسکی تعمیل کے متعلق اب تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔  
 مگر سلطنت عثمانیہ خراج بلگیریا کے معاوضہ میں قرضخواہوں کو باقی ماندہ  
 ذرائع آمدنی میں سے تبا کو کا عشر بھی برابر دیتی رہی ہے۔ اس  
 معاہدہ کے طرز تعمیل سے زیادہ کیا چیز شرکا و معاہدہ برلن  
 کے اصلی منشاء کو ظاہر کر سکتی ہے۔ سلطنت عثمانیہ پر جو مالی فہرہ دایا  
 عاید کی گئی تھیں اونکی تعمیل نہایت سختی کے ساتھ چاہی گئی جسکو  
 سلطان نے بخوشی خاطر انجام دیا مگر اوس ایک شرط پر جو سلطان  
 کے مفید تہی مطلق لحاظ نہیں کیا گیا۔ یہ کہ نہایت مشکل ہے کہ  
 بلگیریا اپنا قرضہ ادا نہیں کر سکتی کیونکہ اسوقت تک سلطنت ہائے  
 یورپ نے مطالبہ تو درکنار قرضہ کی مقدار بھی متعین نہیں کی ہے  
 سلطان کی طرف سے اس معاملہ میں جو تحریک ہوئی اوسپر بھی  
 مطلق لحاظ نہیں کیا گیا۔ معاہدہ کے دفعہ ۳۳ بھی اسی طرح بلا  
 تعمیل رہی جسکا یہ مضمون تھا ”کہ معاہدہ برلن کے بموجب مانٹنگرو  
 کو جو جدید ملک دیا گیا ہے اوسکی وجہ سے سلطنت عثمانیہ کے  
 عام قرضہ کا ایک حصہ اوسکو بھی ادا کرنا ہوگا جسکو سفیران  
 سلطنت ہائے یورپ مقیم قسطنطنیہ پر مشورہ باب عالی متعین  
 کریں گے“

اسی طور سے دفعہ ۴۴ میں سر دیا بھی قرضہ کے ایک حصہ کی

ذمہ دار قرار دی گئی تھی۔ اگرچہ سرویا کو حال میں سلطان سے لڑنے کے لئے کافی سامان مہیا ہو گیا لیکن اون دونوں صوبوں سے ایک حصہ بھی سلطانی خزانہ میں اس قرضہ کے مستحق داخل نہیں ہوا ہے۔ ناظرین سے میری درخواست ہے کہ جبوقت وہ لوگ روزانہ اخبارات میں ایسے مضامین دیکھیں جنہیں نہایت شد و مد کے ساتھ شرائط متعلقہ اریٹہ کی تعمیل چاہی جاتی ہے تو اوکھو واقعات مذکورہ بلا سبب نہ کہنا مناسب ہو گا۔

ان سیدھے سادے واقعات سے ناظرین اون وقتوں کا اندازہ کر سکتے ہیں جو سلطان کو انتظام ٹیکس اور سلطنت کی آمدنی اور اخراجات کو مساوی رکھنے میں پیش آئی ہوئی خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ آمدنی کے عمدہ ذرائع اون کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ یہ ایک ایسا کام تھا جسکو انگلستان کا لایتی سے لایتی وزیر خزانہ بھی مشکل سے انجام دے سکتا تھا لیکن سلطان نے اسکو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ اس موقع پر سب سے پہلا کام یہ تھا کہ قومی حفاظت اور انتظامی حالت کا پورا لحاظ رکھ کر اخراجات میں جہاں تک ممکن ہو تخفیف کی جائے اور بعد وہ بد انتظامی اور بددیانتی جو سالہا سال سلطنت میں پہلی ہوئی تھی دور کر دی جائے۔ ان دونوں کاموں کے لئے لایتی اور ایماندار عہدہ داروں کی بجد ضرورت تھی کیونکہ یہ کام صرف احکام کے جاری کر دینے سے نہیں نکل سکتا تھا۔ لایتی اور

کا رگزار آدمیوں کے علاوہ امن بھی نہایت ضرور تھا تا کہ ان لوگوں کو  
 اطمینان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے کیوں کہ صدیوں کے خرابیوں  
 کو مہینوں میں رفع کر دینا بالکل غیر ممکن ہے۔ لیکن تکمیل معاہدہ  
 سے اس وقت تک کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرا کہ باب عالی کی اسفید  
 کارروائی میں اون اصلی ہنگاموں سے جنکے لئے اغوا کرنے والے  
 ایجنٹ مقرر ہیں یا اون جہوٹی افواہوں سے جو نادان اور جاہل  
 سفیر پہلے تے رہتے ہیں خلل نہ ڈالا گیا ہو۔ لیکن باوجود ان تمام  
 ناقابل برداشت دقتوں اور دراندازیوں اور بغیر کسی قسم کی بری  
 مدد کے نہایت استقلال و تیزی۔ اور زور کے ساتھ برابر اصلاح  
 ہوتی رہی ہے۔ میں یہ امر نہایت اطمینان کے ساتھ کہہ سکتی ہوں  
 اور آئندہ اس کو ثابت بھی کر دوں گی کہ سلطنت عثمانیہ نے تہذیب  
 میں جو ترقی عبد الحمید خان ثانی کے ظل عاطفت اور اونکی ہمت  
 میں کی ہے اسکی مثال یورپ کی کوئی سلطنت نہیں پیش کر سکتی۔  
 اس وقت تک جو واقعات بیان کئے گئے وہ تاریخوار تھے  
 لیکن اون تمام کارروائیوں کو جو سلطان اصلاح ملک کے لئے  
 عمل میں لائے ہیں بقید تاریخ و سن بیان کرنا دقت سے خالی نہیں  
 پس میں اس مندرجہ کو چھوڑ کر اصلاح کو جدا جدا بیان کر دوں گی  
 سب سے پہلے اس غلط فہمی کو رفع کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے  
 جو ایشیا کو حک کے عیسائی اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی

نسبت پہیلی ہوئی ہے۔ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یورپین ٹرکی کے عیسائی خود اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ لیکن ایشیا و کوچک میں انکی تعداد بہت کم ہے اور مسلمان ان پر سجدہ ظلم کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے ایشیا و کوچک کے اعلیٰ عہدہ داروں میں جس قدر عیسائی ہیں اس قدر آئر لینڈ میں قومی فرقہ کے کہنوں کہنوں کے معشر ٹیٹ بھی نہیں پائے جاتے۔ سلطان عبد الحمید خان کی سلطنت میں مذہب بہ نسبت کوئٹو کوئٹو کی سلطنت کے بہت کم مانع ترقی ہے۔ ایشیا و کوچک کے صوبے کے صوبے عیسائی عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہیں اور جو فتنہ و فساد برپا ہوتے ہیں وہ اکثر انہیں عیسائی صوبہ داروں کے تعصب اور جذبہ دہی کے نتائج ہیں۔ ایشیا و کوچک کے عیسائی بھی اپنے یورپین بھائیوں کی طرح اپنے مادی مذہب کے صرف انہیں احکام کو مانتے ہیں جس کو وہ اپنے حق میں مفید سمجھتے ہیں۔ انجیل کے اس حکم پر کہ ”قتل کے ساتھ وہی برتاؤ کرو جو اوسکے شایان ہے“ بالکل توجہ نہیں کی جاتی۔ اگر ایشیا کے عیسائیوں کی اون تمام شکایتوں کا خلاصہ کیا جائے جو وقتاً فوقتاً یورپ کے عیسائیوں کے سامنے پیش ہوتی رہتی ہیں تو اونکا حاصل بجز اسکے کچھ نہ معلوم ہو گا کہ لوگ اون ٹیکسوں کے ادا کرنے سے جان چراتے ہیں جو ترک بلا کسی عذر کے برابر ادا کرتے رہتے ہیں۔ میں پہلے دعوے کر چکی ہوں کہ جو کچھ میں بیان کروں گی اوسکو پایہ ثبوت تک پہنچا دوں گی لہذا میں اپنے منصف مزاج ناظرین کو

دو خفیف واقعات کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہوں جن سے اوٹنام  
جوش پیدا کرنے والی چیزوں کا بخوبی بطلان ہوتا ہے جو یورپ  
میں سینٹ پیٹر برگ ہو کر پہنچتی رہتی ہیں۔ سا لگدشتہ مسمیٰ از این  
باشندگان ارمینا کے اعلیٰ قیسیس نے (جو سید مظلوم خیال کئے جاتے  
ہیں) اپنے کلیسا میں بتقریب ایسٹریک بہت بڑا مذہبی جلسہ کیا جس  
اس فرقہ کے تمام معزز ممبر شریک تھے۔ ادائی رسوم کے بعد قیسیس  
مذکور نے نہایت شد و مد سے بیان کیا کہ جو مذہبی آزادیاں ہم کو  
سلطان المعظم کی طرف سے عطا ہوئی ہیں اور کتنا ہکومتہ دل سے مشکور  
ہونا چاہیئے۔ اسکے بعد سلطان کے لئے دعا کی گئی اور قیسیس مذکور  
نے تین بار بارہ آواز بلند کہا کہ ”ہذا ہمارے ہر دل عزیز پادشاہ  
سلطان عبد الحمید خان ثانی کی عمر دراز کرے“

سال گذشتہ بیروت کے فرقہ میروں کے اعلیٰ  
پادری جوزف ڈیس روم کو گئے تھے وہاں اونکو

۱۱۵ ارمینا کے عیسائیوں کو سلطان کی بے تخصی پر جقد راعتماد ہے اوسکا اندازہ  
مفصلہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ گذشتہ نومبر میں ارمینا کے رہنے والوں میں سبھا  
اور میراثی حقوق کی نسبت باہم ایک نزاع پیدا ہوئی جو کہ بالکل خانگی تھی اور سلطنت  
اوسکو کوئی علاقہ نہ تھا۔ لیکن آرمینا والوں نے اوسکو تصفیہ کے لئے وزیر امور  
مذہبی کے روبرو پیش کیا باب عالی نے اوسکے تصفیہ کے لئے ایک کمیشن مقرر کر دیا۔

پوپ لیوسینر دہم سے رٹنے کا موقع ملا۔ اٹنا سے ملاقات میں انہوں نے اون تمام آزاد یون کا ذکر کیا جو سلطان کی طرف سے اونکو عطا ہوئی ہیں۔ رقوم سے واپس ہوتے وقت وہ قسطنطنیہ میں ٹھہرے اور سلطان کی خدمت میں باریاب ہو کر اپنے تمام فرقہ کی طرف سے وفاداری اور جان نثاری کا اظہار کیا۔

اسمین کچھ شک نہیں کہ اس قسم کی خبریں ہمارے کارسپانچر اپنے آقاؤں کو کبھی نہیں پہنچے لیکن محض اسوجہ سے اونکی سچائی میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ رعایا روس کے غیر مذہب کے پیشوا ہی جب اس قسم کی آزادی کا اقرار کریں اور وقت البتہ یہ امر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ سلطنت روس کو مذہبی آزادی کا ایک درجہ تک خیال ہے۔

شامان سابق کے زمانہ میں سلطنت عثمانیہ کی خرابی کا باعث وہاں کی رہنمائی تھی۔ اگرچہ یہ دیکش اور عجیب پیشہ سلطان کی سلطنت تک محدود نہیں ہے بلکہ ترقی پذیر اٹلی اور آزاد یونان میں بھی اسکا وجود پایا جاتا ہے لیکن اسمین کچھ شک نہیں کہ جسقدر اسکا زور ایشیا و کوچک میں تھا اوسکی مثال دینا کے

بڑا۔ عیسائی مذہب میں فرقہ رومن کیتھولک پوپ کو اپنا امام و پیشوا مانتے ہیں۔ مگر وہ پوپ نہایت مقدس اور ذی فہم سمجھا جاتا ہے۔

کسی مہذب حصہ میں نہیں مل سکتی۔ رہنری کی کثرت سے اخبار نویس  
 کا یہ نتیجہ نکال لینا کہ یا تو یہ رہنر مسلمان مقامی عہدہ داروں  
 کو کثیر رشوتیں دیتے ہیں یا انہیں کی ملازمت میں داخل ہیں  
 مثل اون کے دوسرے نتائج کے بہت زیادہ بعید از قیاس  
 نہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ دلچسپ افسانہ بھی معدوم ہو گیا  
 اور سلطان نے ان راہزنوں کا نہایت سختی کے ساتھ انتظام  
 شروع کر دیا۔ جسکی وجہ سے دیار بکر کے چھوٹے چھوٹے گائوں  
 میں تھوڑے دن تک بڑا شور و غل رہا۔ اس انتظام میں منجملہ  
 اور دلچسپ واقعات کے یہ امر بھی دریافت ہوا کہ راہزنوں کا  
 خاص فرقہ جو سب سے زیادہ سخت اور مفید ہے اور جس میں  
 ہزار ہا آدمی شامل ہیں کوہ قاف کا رہنے والا ہے جس کو  
 روس کی فیاض اور رحمدل گورنمنٹ نے دمان سے  
 نکال دیا ہے۔ زار کے لایق کار پردازوں نے یہ دیکھ کر کہ  
 یہ فرقہ نہ کسی کام کے قابل ہے اور نہ کثرت تعداد کی وجہ  
 سے فنا کیا جاسکتا ہے اپنی بلا اپنے پڑوسیوں کے سرٹالینے  
 کی قدیم اور قابل قدر حکمت عملی اختیار کی ان کثیر التعداد  
 جلا وطن اور کردوں کی وجہ سے ایشیاء کو چک کا بڑا حصہ  
 رہنری اور قزاقی کی سخت آفتوں میں مبتلا رہا۔ یہ مسلح فرقہ  
 اپنے سرداروں کی ماتحتی میں سلطان کی غریب رعایا سے لڑتے



اور جھگڑتے رہتے تھے لیکن جب رہزنی اور قزاقی کی محنت شاقہ سے تنگ ہو کر آرام لینا چاہتے تھے تو ارمنی اور مسلمان مزارعین (رہزن تمام مذہبی تعصبات سے مبرا ہیں) کے مکانون پر بغیر انکی مرضی کے ٹہر کر اون سے مہینوں اپنے خور و نوش کا سامان بکھر وصول کرتے تھے۔ ملک میں رہزنی اور قزاقی کی یہہ نوبت پہونچ چکی تھی جو اوپر بیان ہوئی اور سوقت سلطان عبدالحمید نے اسکا انتظام شروع کیا۔ اس انتظام میں سلطنت ہاسے یورپ سے کسی مدد کی امید رکھنی محض فضول تھی کیونکہ اونکا یہہ خیال تھا کہ مسلمان صوبہ دار بچا رہے عیسائیوں کو پشت یا پشت سے لوٹتے اور ستاتے چلے آتے ہیں اون کے یکقدم موقوف کئے بغیر رہزنی اور قزاقی کا قابل اطمینان انداد نہیں ہو سکتا لیکن اسکو سلطنت عثمانیہ کی رعایا کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے کہ سلطان عبدالحمید خان تخت پر بیٹھتے ہی اون تمام حالات سے بخوبی واقف ہو گئے۔ جن سے سلطنت ہاسے یورپ باوجود بڑے بڑے ذمی فہم اور بیش قرار تنخواہ یاب سفیروں کی مدد کے واقف نہو سکیں۔

اندا اور رہزنی کا جو طریقہ سلطان نے اختیار کیا او سکی عمدگی کو عیسائی ترک۔ اور ہر واقف کار شخص تسلیم کرتا ہے۔ سلطان کا خیال ہے کہ ترکی کے حج اور بٹریٹ ہی لندن کے حجوں اور ممبریٹون کی طرح بے ضابطگی کے ملزم ہو سکتے ہیں لہذا اونہون

ابتداً یہ حکم جاری کیا کہ تمام والی اور متصرف اس پہنچے اپنے صوبوں کی عدالتوں پر کامل نگرانی رکھیں اور جو بیضابطکی اونکو معلوم ہوا اس سے وزیر عدالت کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتے رہیں۔ اسمین کچھ شک نہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں بہت سے بدنام واقعات ظاہر ہوتے رہیں گے اور اکثر خلاف ضابطہ کرنے والے عہدہ دار سزایاب ہوں گے لیکن اسکی وجہ سے بائیان فتنہ و فساد کی ناجائز آمدنی کے وہ ذرائع سد و دھو جائیگے جنکو عارضی اور ہمیشہ بدلنے والی اصلاحیں کیسے طور سے نہیں روک سکتی تھیں۔ ہمارے ملکستان کے مزارعین بھی ”بے تنخواہ عہدہ داروں پر“ اس قسم کی نگرانی کے کیسے متنبی ہیں۔ مغرب کے ایک معتبر اخبار کا یہ قول نہایت سچ ہے کہ بددیانت قاضیوں کی معزتی اور اون کے مقامی سرپرستوں کی بے اقتداری دیکھ کر یقیناً عام اطمینان پیدا ہو جائیگا۔

اس انتظام کی دوسری عملی تدبیر یہ ہے کہ ہر ضلع کی حفاظت کے لئے اوسے ضلع کے باشندوں میں سے ایک پولیس بہرتی کی گئی ہے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں وہی لوگ قزاقوں کا تعاقب کر سکتے ہیں جو قزاقوں کی طرح ملک کے چپہ چپہ سے واقف ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہاشمی بازوق قزاق اور رابزون کے مقابلہ میں بہ نسبت باقاعدہ فوج کے زیادہ تر کامیاب رہے ہیں یہ لوگ انہیں اضلاع کی زبان بولتے ہیں اور چونکہ ان کی

بود و باش اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں ہوتی ہے لہذا  
 اونکو ہر قسم کی اطلاعیں برابر ملتی رہتی ہیں جنکی وجہ سے یہ لوگ  
 قزاقوں کے اون کمین گاہوں میں نہیں پہنچتے جو غیر اضلاع کے  
 رہنے والوں کے لئے نہایت خوفناک ہیں اس سال موسم سرما میں  
 یہ کام نہایت عمدگی سے چلتا رہا۔ جب یہ لوگ جاڑے کی وجہ سے  
 پہاڑوں سے اوتر کر حسب معمول چھوٹے چھوٹے قبضوں اور گانوں  
 میں مقیم ہوئے تو اونہیں مزارعین نے جنکو یہ لوگ اس موسم میں  
 لوٹتے اور ستاتے تھے ان کو گرفتار کر کے پولیس کے حوالہ کر دیا۔  
 اگر کچھ عرصہ تک یہ کام اسی طور سے جاری رہا تو یورپ کے حین  
 کے لئے ایشیا کو چاک بھی اسکاٹ لینڈ کی طرح بالکل بخیر اور اس  
 کم خرچ ملک ہو جائیگا۔

اس مقام پر سفیران دول خارجہ کے قابل مضحکہ تقرر کی نسبت  
 بھی کچھ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سفیرون کے تقرر کا  
 ظاہری منشا دیہی معلوم ہوتا ہے کہ جس سلطنت کی طرف سے  
 وہ لوگ مقرر کئے جائیں اوسکی رعایا کے حقوق کا تحفظ کریں۔  
 لیکن سلطنت عثمانیہ میں جو لوگ سفیر مقرر ہوتے ہیں اونہیں اکثر  
 اپنے محفوظین سے نہ صرف مختلف القوم ہوتے ہیں بلکہ بعض وقت  
 اوسکی زبان تک نہیں بول سکتے۔

ایک موقع پر مجھکو تجارتی معاملہ میں کچھ دریافت کرنا تھا جب

میںے او سکے متعلق انگلستان کے سفیر سے گفتگو کرنی چاہی تو ٹوٹی  
 پہوٹی انگریزی میں مجھکو جواب ملا کہ افسوس میں انگریزی  
 نہیں بول سکتا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اونکی اس ناقابلیت  
 کی وجہ سے مجھکو بہت کچھ زیر بار ہونا پڑا۔

چند روز ہوئے کہ مجھکو ایک ترکی جزیرہ کے صوبہ دار  
 سے بات چیت کرنے کا اتفاق ہوا اثنائے گفتگو میں ایک ایسے  
 یورپین سفیر (اونکی قومیت بتانا اسوقت ضرور نہیں) کا ذکر آیا  
 جسکی بد اخلاقی کا اوس زمانہ میں بڑا شہرہ تھا۔ اوس کی  
 نسبت صوبہ دار نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ ”یہ شخص ایسے ملک  
 کی طرف سے سفیر ہے جس میں اوسنے کبھی قدم تک نہیں رکھا  
 اور جسکی زبان کا وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا۔ اوس  
 ملک کا صرف ایک باشندہ اس جزیرہ میں رہتا ہے جسکو میں  
 نہایت ایماندار سمجھتا ہوں اور مجھکو پورا یقین ہے کہ اوسنے  
 اب تک اپنے ملک کے سفیر سے شاید کبھی ایک بات ہی نہ کی ہوگی“  
 ”لیکن میں خیال کرتی ہوں کہ وہ سلطنت اپنے سفیر کا  
 ان تمام حالات سے بخوبی واقف ہوگی“

”بالکل نہیں۔ یہ شخص نائب سفیر ہے جسکا تقرر سفیر  
 کے اختیار میں ہوتا ہے۔ نائب سفیر بجائے لیاقت کے  
 سفارشی کے لحاظ سے مقرر کئے جاتے ہیں اور باب عالی اکثر

براہ غنایت اون کے تقرر کو منظور کر لیتا ہے۔ اس منظوری کے بعد وہ فوراً اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔

بظاہر انکی رائے اس نائب سفیر کی نسبت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

”بے شک۔ میں جانتا ہوں کہ اوسکا گہر فزقون کا مامن ہے جو لوگ اوسکے پاس نوکر ہیں وہ سب قزاق اور رہزنی کرتے ہیں میرے خیال کے موافق سب سے بڑا قزاق اوس جزیرہ میں وہی ہے اسی لئے میں نے بہت سے پولیس کے اور فوج کے سپاہی اسکی موت کا اور سکنات کو دیکھنے کیلئے مقرر کر رکھے ہیں۔“

”اگر اوسکی گورنمنٹ کو یہ تمام حالات معلوم ہو جائیں تو کیا وہ اوسکو موقوف نہ کر دیگی۔“

”میں اسکی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سفیرون اور بالخصوص نائب سفیرون کا تقرر محض رعایتی ہوتا ہے اور اکثر عورتوں کی سفارش پر کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ مقامی عہدہ داروں سے ہمیشہ لڑتے اور جھگڑتے رہتے ہیں اور بیرونی دشمنوں سے زیادہ ملکی کاروبار میں ماسج ہوتے ہیں۔“

”باب عالی کو یقیناً اون کے تقریر میں مداخلت ہوگی۔“

”اگر کوئی دخل ہے تو بہت کم۔ جب کوئی سفیر یا نائب سفیر مقرر ہوتا ہے تو باب عالی ضابطہ پورا کرنے کے لئے اوسکے

تقرر کی اجازت دیدیتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو سفیرون کے  
تقرر میں مزاحمت کا الزام اوپر لگایا جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ  
سلطنت عثمانیہ کے اندرونی انتظاموں میں جب قدر مداخلت کی جاتی  
ہے او سکو کوئی دوسری سلطنت گوارا نہیں کر سکتی۔ اسی نائب  
سفیر کے حالات پر غور کیجئے۔ اس وقت پولیس کے روزنامہ چین  
اس شخص پر چوتھیں الزام متعلقہ امن فایم ہین گم بن او سکو سزا  
نہیں دیکتا کیونکہ وہ سلطنت غیر کا نائب سفیر ہے اور ایک ایسی  
سلطنت کی حفاظت میں ہے جس کا وہ فی الحقیقت رعایا نہیں ہے۔  
اور جس کی رعایا میں سے صرف ایک شخص اس جزیرہ میں رہتا ہے  
با این ہمہ وہ مقامی عہدہ داروں سے ہر وقت مقابلہ کرنے  
کے لئے تیار ہے۔ قزاقوں کو اپنے مکان میں پناہ دیتا ہے اور  
اپنے ذاتی دشمنوں پر حملہ کرنے اور بیش قیمت بکریاں اور بھیرین  
جو رانے کے لئے آدمیوں کو نوکر رکھتا ہے۔ سفارتی نشان کے  
سایہ میں یہ شخص علانیہ قزاقوں کو پناہ دیتا ہے اور تمام میرے  
احکام میں جو بحیثیت گورنری صادر ہوتے ہیں دراندازی کرتا  
رہتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان چوتھیں استغاثوں کی نقل  
آپ کے پاس بھیج سکتا ہوں جو اس معزز نائب سفیر پر دائر ہیں۔  
میرے دوست نے اپنے وعدہ کو وفا کیا اور دوسرے  
دن میرے پاس ان استغاثوں کی نقل پہنچ گئی جو اس معزز

نائب سفیر بر دایر ہوئے تھے۔ یہ ایک طویل فہرست تھی اور اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس معزز نائب سفیر نے بہت سے کتوں کو بر۔ ر بازار محض اسوجہ سے گولی سے مار ڈالا تھا کہ وہ اس کے عزیز شکاری کتے پر ایک مرتبہ ہونکے تھے۔ سیرون ڈائنامیٹ (مثل بارود کے ایک مرکب ہے) مچھلیاں مارنے کیلئے کام میں لایا گیا تھا جس نے نہ صرف چھوٹی چھوٹی کشتیوں بلکہ گورنر کے بڑے جہاز کو بھی پر آشوب طوفان کی طرح ہلا دیا تھا۔ ایک روز ایک شریف بڈا آدمی اپنے چار بچوں کے ساتھ گہر جا رہا تھا۔ نائب سفیر کا ایک کتا اس کے چھوٹے بچے پر جھپٹا۔ شخص مذکور نے اس کو مار کر بٹا دیا۔ اس جرم کی سزا میں وہ اس قدر بٹیا گیا کہ دماغی صدمہ سے ہمیشہ کیلئے بہرہ ہو گیا۔

میں اس مضمون کو ایک ایسی روایت کے بعد ختم کرتی ہوں جس کا راوی خود اس موقع پر موجود تھا۔ اسمعیل پاشا نے ایجنین کے دورہ میں ایک دن جزیرہ کاس میں قیام کیا۔ دوسرے دن صبح کے وقت انگلستان کا نائب سفیر اون سے باضابطہ ملاقات کے لئے آیا۔ اسمعیل پاشا نے بذریعہ مترجم کے اون سے گفتگو شروع کی اور بہت سے سوالات کئے۔ اسمعیل پاشا نہایت ہوشیار آدمی ہیں اور جس ملک میں سفر کرتے ہیں وہاں کے حالات بہت دلچسپی کے ساتھ دریافت کرتے رہتے ہیں۔ گفتگو

ختم ہونے کے بعد حسب معمول شیرینی اور کافی پیش کی گئی اور  
چارے مفروز سفیر سلام کر کے رخصت ہوئے۔

دوپہر کے بعد اطلاع ہوئی کہ فرانس کے نائب سفیر حاضر ہیں۔  
یہ صاحب پوری فرانسیسی دروی پہنچے ہوئے تھے۔ اسماعیل  
پاشا ان کے ساتھ ہی اوسے اخلاق سے پیش آئے اور  
دیر تک باتیں کرتے رہے۔ لیکن باتیں کرتے کرتے دفعتاً  
اون کے چہرہ کی طرف بغور دیکھ کر کہا ”مین خیال کرتا ہوں  
کہ مین نے آنگو پہلے ہی کہیں دیکھا ہے لیکن یہ یاد نہیں تھا کہ  
کہان“

”بیشک جناب عالی۔ مجھ کو آج ہی صبح کو جناب والا کی خدمت  
میں بحیثیت نائب سفیر انگلستان حاضر ہونے کی عزت حاصل  
ہوئی تھی“

”تو آپ انگلستان اور فرانس دونوں سلطنتوں کی  
طرف سے سفیر ہیں“

”جی ہاں جناب عالی“

”اور کتنی سلطنتوں کی طرف سے آپ سفیر ہیں“

”پانچ اور سلطنتوں کی طرف سے۔ جہد سات سلطنتوں

کی طرف سے سفیر ہوں“

سفیر مذکور نے ان ساتوں سلطنتوں کے نام گنوا دیئے۔



”آپ مجھے بحیثیت سفیر انگلستان و فرانس تو مل چکے ہیں  
اب کیا آپکا بہہ ارادہ ہے کہ بقیہ سلطنتوں کی طرف سے  
بھی یہی رسوم ادا کریں“

”بے شک جناب عالی میں اسکو اپنا فرض منصبی تصور  
کرتا ہوں“

اسکے جواب میں اسماعیل پاشا نے ہنسر بہہ کہا کہ جو گفتگو  
آپ نے بحیثیت دو بڑی سلطنتوں کے سفیر کے کی وہ اسقدر  
تھی کہ میں آپ کو بقیہ سلطنتوں کی طرف سے تشریف آوری  
کی تکلیف نہیں دیکتا۔ جب اسماعیل پاشا شام کو سیر کے لئے  
باہر نکلے تو اس ذی عزت شخص کے مکان پر سات قومی جہتے  
اڑتے ہوئے دیکھ کر بہت ہنسے۔

باب عالی کو اس امر کا بڑا خیال ہے کہ غیر سلطنتوں  
کے حقوق کی کوئی ایسی دست اندازی نہ کی جائے کہ ان کو  
شکایت کا موقع ملے۔ اسکی وجہ سے بعض وقت خود اسکی  
رعایا کو سخت تکلیف اور نہانی پڑتی ہے خود میرے مشاہدہ  
میں ایک اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ جزیرہ میلین کے  
کناروں پر ماہی گیری کا حق سلطان کی طرف سے ہر سال سلیم  
ہوتا ہے جبکہ یونانی ماہی گیر جو اس جزیرہ کے باشندہ ہیں  
تقریباً دو ہزار پونڈ سالانہ پر خرید لیتے ہیں۔ تھوڑے دن

ہوئے کہ اٹلی کے چند ماہی گیر چوری سے ان حد و دین شکار  
 کھیلے ہوئے پائے گئے۔ یونانی ماہی گیروں نے اونکی مزاحمت  
 کی اور باہمی تکرار کے بڑے جانے کی وجہ سے زد و کوب تک  
 نوبت پہونچی جس میں اٹلی کے ماہی گیر مغلوب ہوئے۔ اس پر ان  
 لوگوں نے اپنے سفیر سے یہ شکایت کی کہ اس موقع پر اونکے  
 ساتھ نہایت ”بے انصافی“ کی گئی۔ سفیر مذکور نے اپنے  
 ہموطنوں کی اس شد و مد سے تائید کی کہ پچارے یونانی  
 ماہی گیر جو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے لڑے تھے قید کر  
 گئے۔ چہ مہینے کے بعد ایک عورت کی مدد سے جو اس واقعہ  
 کے اصلی حالات سے واقف تھی اور جس نے بمشکل تمام اون کو  
 باب عالی تک پہونچا یا یہ لوگ رہا کئے گئے۔ اس علت میں  
 اس جزیرہ کا ترکی گورنر بھی معطل کر دیا گیا تھا اور جس لوگوں  
 نے یونانیوں کی تائید کی تھی وہ بھی مقید تھے لیکن جب اصلی  
 واقعات قسطنطنیہ میں معلوم ہوئے (جہاں اصلی واقعہ کا ہمیشہ  
 معلوم ہونا آسان نہیں ہے کیونکہ کوئی نہ کوئی شخص اون کو  
 اپنے فائدہ کے لئے ہمیشہ پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے) تو گورنر  
 اپنی جگہ پر بحال کیا گیا اور قیدی چھوڑ دیئے گئے۔ اٹلی کا  
 سفیر مقیم سمرنا موقوف ہوا اور کونستنٹنولہ سفیر اٹلی مقیم  
 قسطنطنیہ کو جسکی کارروائی اس موقع پر نہایت بے ضابطہ

ہتی سخت تنبیہ کی گئی۔ اثنائے تحقیقات میں یہ عجیب بات معلوم ہوئی کہ نائب سفیر کے پاس جو اس ظلم کا بانی نہانی تھا باب عالی کی طرف سے تقرر کا کوئی باضابطہ اجازت نامہ نہ تھا بلکہ یہ شخص اصلی عہدہ دار کی جگہ پر جو اس وقت موجود نہ تھا بطور قایم مقام کے کام کرتا تھا۔

ان تمام واقعات سے جنکا ذکر میں نے اوپر کیا ہے اور جنکو ثابت کرنے کے لئے میں بذات خود موجود ہوں میرے مہوطنوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ مغربی سلطنتوں کی ترکی اصلاح اور وہاں کے انتظام پر نکتہ چینی کرنے سے زیادہ اپنی سفارتوں کی اصلاح ضروری ہے۔

تمدنی فلسفہ کا یہ نہایت عام اصول ہے کہ ہر قوم کی تہذیب اور ترقی کا اندازہ اسکی عورتوں کی حالت سے کیا جاتا ہے جنوبی اور مشرقی یورپ کی عورتوں کی حالت سے عموماً یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ترکوں کی سلطنت میں تہذیب اور ترقی بالکل مفقود ہے۔ اگر اس مسئلہ پر جبکو "عورتوں کے حقوق" کے نام سے موسوم کرنا آجکل فیشن میں داخل ہو گیا ہے سعت کے ساتھ نظر کیجئے (اگرچہ ان حقوق کو میں آج تک نہیں سمجھی ہوں جنکے طالب ہم لوگ قرار دیئے جاتے ہیں) تو میرے وقتاً اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکتی کہ آیا سلطان عبدالحمید خان

کی سلطنت میں رہنے والی عورتوں کی حالت قابل ترجیح ہے یا  
 اُن عورتوں کی حالت جو ہماری فیاض ملکہ مغطمہ کی حکومت  
 میں رہتی ہیں۔ اسکی نسبت مجھکو کچھ شک نہیں کہ اگر مغربی  
 یورپ کی عورتوں کی حالت اسلامی سلطنت کی عورتوں  
 سے کسی طور سے قابل ترجیح ہے تو یہ ترجیح خوش باش اور  
 اعلیٰ طبقہ کی عورتوں تک محدود ہے اگر انگلستان کے پیشہ ور  
 فرقوں کی حالت پر غور کیا جائے تو متعصب سے متعصب  
 عیسائی بھی اس امر کو تسلیم کر لیگا کہ جس خانہ غلامی اور  
 تکالیف میں ہمارے غربا کی عورتیں مبتلا ہیں وہ ہرگز اُن  
 تکالیف سے کم نہیں جو ترکوں کی بیو بیٹوں کو برداشت  
 کرنی پڑتی ہیں۔

بیشک جس قسم کی ”آزادی“ ہمارے ملک کے کارخانوں میں  
 کام کرنے والی عورتوں دہونہوں اور درزنوں کو حاصل  
 ہے اُس سے مشرق کی عورتیں خوش قسمتی سے بالکل ناواقف

ہندو منکوجہ عورتوں کی ملک کے متعلق جو قانون انگلستان میں اب  
 جاری ہوا ہے وہ سلطنت عثمانیہ میں عرصہ سے جاری تھا۔  
 ترکوں میں عورتیں نکاح کے بعد بھی اپنے مال پر قابض  
 رہتی ہیں۔

ہیں۔ اور اس سے ناواقف رہنا ہی اس کے لئے مفید ہے۔  
 جو عزت: ایک ایسے شخص کی بی بی کی ہوتی ہے جسکی ہفتہ وار آمدنی ایک پونڈ سے بھی کم ہوتی ہے اور اسکو اسی قلیل رقم میں اپنے بال بچوں کی پرورش کرنی پڑتی ہے اور عزت سے خدا کرے ترکون کی عورتیں ہمیشہ کے لئے محروم رہیں۔  
 لیکن عیسائی اور اسلامی ممالک کے غربا کو مقابلہ کرنے سے (جو ہمیشہ کثیر التعداد ہوتے ہیں) یہ امر صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مسلمان عورتوں کی حالت اپنی عیسائی بہنوں سے بہت زیادہ اچھی اور قابل ترجیح ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک یورپین ذی عزت اور شریف خاندان کی عورت ترکون کے اعلیٰ درجہ کی عورتوں سے بلحاظ تعلیم و عزت کے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ ترجیح کب تک قائم رہیگی۔ غالباً ابھی کئی نسلوں تک یہ فرق قائم رہے گا کیونکہ ترکی عورتوں کو اپنی مغربی بہنوں کی برابر پونچھنے کیلئے ابھی بہت سے مراتب طے کرنے ہیں۔ لیکن عبدالحمید خان ثانی نے نہایت استقلال کے ساتھ اس مفید کام کو شروع کر دیا ہے۔ اور اس کے عہد میں تعلیم نسوان نے جو کچھ ترقی کی وہ تقریباً حیرت انگیز ہے۔

اسکو بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ کسی ایسی ترکی عورت کا ملنا جو کوئی کتاب پڑھ سکتی ہو یا کسی معقول گفتگو میں شریک

ہو سکے تقریباً غیر ممکن تھا۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ نو برس پیشتر جب  
 میں اول مرتبہ قسطنطنیہ میں آئی تو میری ترکی بہنوں کو یہ امر دیکھ  
 کہ میں کتاب پڑھ سکتی ہوں نہایت تعجب ہوا تھا اور اوس زمانہ  
 میں جو باہمی گفتگو زمانہ میں سنی جاتی تھی اوس سے ”حسینان حرم“  
 کی قابلیت اور علم کا کوئی عمدہ اثر نہیں پڑتا تھا۔ لیکن اب میں  
 باسفورس میں کشتی پر آتے جاتے ترکی عورتوں کو (جنکی نسبت عام  
 انگریزوں کا یہ خیال ہے کہ وہ پردہ کی قید سے کبھی نہیں نکل سکتیں)  
 جدید کتابوں اور زیر بحث معاملات پر معقول گفتگو کرتے ہوئے سنی ہوں  
 منطقی اصول سے قطع نظر کر کے میں چند ایسے واقعات بیان کرتی  
 ہوں جن سے معلوم ہو سکے کہ سلطنت عثمانیہ میں تعلیم نسوان نے  
 کس قدر ترقی کی ہے۔ یہ امر پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ترکی عورتیں صرف  
 تعلیم ہی کے ذریعہ سے پوری آزادی حاصل کر سکتی ہیں۔ ہر فرقہ اور  
 جنس کی جہالت کا لازمی نتیجہ بغیرتی ہے۔ لیکن حصول علم کے بعد  
 ہی وہ لوگ اپنے دلی مقاصد کو نہ پہنچیں تو انہیں کا قصور تصور  
 کرنا چاہیئے۔ سلطان نے اس سچے اصول کو جس سے ہمارے بہت سے  
 تمدنی مصلح بخیر اور ناواقف ہیں ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔ اس سے  
 سلطان کی اعلیٰ درجہ کی پولٹیکل قابلیت ثابت ہوتی ہے۔ نہایت  
 تمام امور پر لحاظ کر کے سلطان نے اس مسئلہ کو بنیاد سے چھڑا  
 ہے اور بیرونی واقعات کو بغیر اندرونی اصلاح کے تبدیل

کر دینے کی کوشش نہیں کی۔ اگر کوئی ترکی عورت بغیر کسی قسم کی تعلیم اور تربیت کے اوس محبوب میں لائی جائے جس میں اوسکی مغربی بہنیں رہتی ہیں تو اوسکی جیسندہی حالت ہوگی جو مچھلی کی خشکی میں ہوتی ہے۔ پس قبل اسکے کہ اوسکو مغربی آزادی دیجا یہ امر نہایت ضرور ہے کہ اوسکی حالت ایسی کر دیجاے کہ اوسکو یہ جدید تبدیلی تکلیف دہ اور ذلیل کرنے والی نہو۔ اسکے لئے جو کوششیں کیجاتی ہیں وہ مفصلہ ذیل واقعات سے ظاہر ہونگی۔

۱۸۸۵ء کے آغاز میں نینے ترکی مدرسہ ثانیہ کو جسمیں لڑکیاں

تعلیم پاتی ہیں معاینہ کیا۔ یہ ایک نہایت عمدہ شاہی مدرسہ ہے اور خود سلطان اوسکے سرپرست ہیں۔ اوسمیں داخل ہونے کے لئے ایک جھوٹے پہاگ سے گذرنا ہوتا ہے جسکی پیشانی روم کے شاہی طوطے سے مزین ہے۔ مجھکو ایک دربان اسی دروازہ سے ایک وسیع کمرہ میں لیگیا میرے واسطے ہاتھ کی طرف ایک قوسی شکل کا نہایت خوشنما زینہ تھا۔ اس زینہ سے میں ایک کمرہ میں پہنچی اور اوسکو طے کر کے ایک دوسرے خوشنما کمرہ میں داخل ہوئی جس میں نہایت عمدہ فرش تھا اور بیچ میں ایک بڑی میز بچھی ہوئی تھی۔ جسکے گرد تقریباً تیس لڑکیاں مہمانوں کے استقبال کیلئے موجود تھیں۔ میز پر بہت سے سادہ کپڑے رکھے تھے جنکو یہ نوجوان لڑکیاں اپنے استعمال کے لئے سیتی تھیں۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں بے اختیار یہ خیال پیدا ہوا

کہ کاش انگلستان کے مدرسوں میں بھی عام طور سے یہی دستور جاری ہوتا۔ میں اس مکان کی وسعت اور نفاست پر غور کر رہی تھی کہ ایک اوستانی نے مجھے یہ بیان کیا کہ پہلے محمد پاشا اسمین رہتے تھے اب باب عالی نے اسکو مدرسہ لنوان کے لئے دیدیا ہے۔ بہر حال اس مکان کو دیکھ کر مجھکو اپنے بھائی مارتنہ ممبر لیڈ ہاؤس اور اس خوشنما ہوٹل کا جواب دسکی جگہ بنا ہے بے اختیار خیال آگیا۔ چچہ اوستانیوں میں سے چار اُستانیان فریج بولتی تھیں اور مجھکو ہر قسم کی اطلاع دینے کیلئے تیار تھیں اسی عرصہ میں مدرسہ کی مہتمم میڈم کیلیو اس آگئیں اور انہوں نے مجھکو مختلف پڑھنے اور سونے کے کمرے دکھائے۔ جو منظر ان کمروں کی کھڑکیوں سے نظر آتا ہے وہ بے انتہا خوشنما اور دلچسپ ہے۔ خلیج قسطنطنیہ سامنے واقع ہے جسکی ہوا ان کھڑکیوں میں داخل ہو کر گولڈن ہارن کی طرف نکل جاتی ہے۔ اس مقام پر روشندانوں کے پیچیدہ مسئلہ کو چہرے ہمارے ملک کے مدرسہ بنانے والے باوجود کوششوں کے حاوی نہیں ہوئے ہیں نا واقف ترکی معماروں نے نہایت خوبی سے حل کیا ہے۔ اس مدرسہ میں تین سو بیس لڑکیاں پڑھتی ہیں جنہیں سے سولہ لڑکیاں وہیں رہتی ہیں اور مدرسہ کی طرف سے ان کے کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ سونے کے کمرے وسیع اور بھادار ہیں۔ ہر ایک لڑکی کو ایک لوہے



انکی مسہری ملتی ہے جسکی چادرین اور گدے نہایت صاف  
 اور ستبرے رہتے ہیں۔

اگر انگلستان کا کوئی بورڈنگ ہوس کسی اتفاقی آجانے والے  
 کو ایسی پاک و صاف خواہگاہیں دکھائے تو اسکو نہایت  
 قابل تعریف سمجھنا چاہیے۔ نصاب تعلیم میں ترکی زبان کا کھانا  
 پڑھنا۔ حساب۔ موسیقی (پیانو) مصوری۔ گانا۔ سادہ  
 سینا اور گلکاری وغیرہ داخل ہے۔ مین نے مہتممہ سے  
 لڑکیوں کے امتحان لینے کی خواہش ظاہر کی۔ مہتممہ نے  
 اسکو نہایت خوشی سے منظور کیا اور آٹھ لڑکیاں جسکی  
 عمر نو سے لیکر چودہ سال تک ہوگی فرش پر بیٹھ گئیں  
 اور کھے ہوئے نوٹس کو ہاتھ میں لیکر گانا شروع کیا۔  
 جو عجائبات اور سر کے بالکل درست تھا۔ ذاتی طور سے  
 مجھکو ترکی گانا جسکے سروں کا اختلاف مغرب کے رہنے والوں  
 کو بہت ہی کم متمیز ہوتا ہے بہت زیادہ پسند نہیں  
 ہے۔ لیکن بظاہر ان لڑکیوں کو نہایت اچھی تعلیم دی گئی  
 ہے اور وہ ہمیشہ بذریعہ نوٹس کے گاتی ہیں پیانو ہی ادا  
 نے نہایت عمدگی سے بجایا۔

جس امتحان سے مجھکو بہت زیادہ خوشی ہوئی وہ مصوری  
 کشیدہ و گلکاری وغیرہ کا امتحان تھا۔ ان کاموں میں لڑکیوں

کی ہوشیاری اور طباعی فی الحقیقت تعجب انگیز تھی۔ لیکن یہ معلوم کر کے محکوم سخت حیرت ہوئی کہ مدرسہ ثانیہ کو قایم ہونے کے بعد صرف ایک سال ہوا ہے اور اس سے پہلے ان لڑکیوں کو ان کاموں میں جنہیں انہوں نے اس قدر ترقی کی ہے کوئی دخل نہ تھا۔ اس مدرسہ میں دس مدرس تھے جنہیں سے چھ عورتیں تھیں جو مدرسہ میں رات دن رہتی ہیں اور چار مرد بڑھا کر چلے جاتے ہیں۔ موسیقی۔ مصوری اور لکھنا اوستاد سکھلاتے ہیں باقی کام سب استانیوں کی ذمہ ہے۔ لڑکیاں اعلیٰ اور خوش باش خاندانوں کی ہیں اور ہمیشہ صاف لباس پہنتی ہیں اگرچہ وہ نہایت سادی ہوتے ہیں۔ مدرسے کے جملہ اخراجات تقریباً ایک سو اسی پونڈ ماہوار ہیں جس میں اوستادوں اور نوکروں کی تنخواہیں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ یہ رقم باب عالی کی طرف سے بہ سرپرستی سلطان ملتی ہے جنہوں نے یہ مدرسہ خود قایم کیا ہے۔

اس معائنہ کے بعد مجھ کو مدرسہ لشوان امیر گہبان کے جلسہ تقسیم انعام میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ اس مدرسہ نے چند سال کے عرصہ میں جو ترقی کی ہے وہ بھی حیرت انگیز ہے۔ جلسہ میں تمام ترکی لیڈیاں تھیں اور اس کا روائی میں بیحد دلچسپی ظاہر کرتی تھیں۔ انعام میں کتابیں اور سرٹیفکیٹ دیئے

جاتے تھے۔ اس مدرسہ کی صدر معلمہ فینٹ ہیم اپنے شاگردوں کو انکی اور اپنی محنت کا صلہ پاتے ہوئے دیکھ کر نہایت خوش معلوم ہوتی تھیں۔

چونکہ تعلیم لنوان سے جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکی ہوں تو یہ ترقی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے اسلئے میں اسکا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے ورنہ سلطنت عثمانیہ ہی اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہے کہ جہاں عورتوں کی تعلیم پر اس قدر توجہ کی جاتی ہو وہاں مردوں کی عمدہ اور اعلیٰ تعلیم سے کس طرح غفلت یا بے پروائی ممکن ہے چنانچہ فہرست ذیل سے ان مدرسوں کے نام معلوم ہوں گے جو موجودہ سلطان نے خاص قسطنطنیہ میں اضافہ کئے ہیں۔

مدرسہ سول سروس شاہی۔ مدرسہ مذکور کے ابتدائی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ۔ مدرسہ قانونی۔ مدرسہ تجارت۔ مدرسہ صنعت و حرفت (جو مثل ہمارے سوئٹزرلینڈ کالج کے ہے) مدرسہ صنعت و حرفت لنوان۔ مدرسہ دستکاری لنوان۔ انکے علاوہ اور بہت سے مدرسے دست کاری۔ بیٹلاری۔ زبان دانی۔ طبی۔ فوجی۔ تعلیم کے لئے ہیں۔ چند سول مدرسے بدقسمت عبدالغریز خان مرحوم نے بھی قائم کئے تھے۔ خاص دار الخلافہ میں اسوقت متوسط درجہ کے مدرسے

بیس سے کم نہوں گے اور اضلاع میں بھی موجودہ سلطان نے  
سو مدرسوں سے زیادہ قائم کئے ہیں۔ اس میں ابتدائی مدارس  
شامل نہیں ہیں اور انکی تعداد بھی تقریباً اس قدر ہو گئی۔

مفصلہ ذیل مقامات پر سلطان نے ایسے مدرسے قائم  
کئے ہیں جن میں طلباء کا لجنہ میں داخل ہونے کیلئے تیار کئے  
جاتے ہیں۔ سمرنا۔ گنیشیا۔ مناسٹر۔ جنینا۔ بروصا  
کراما۔ آوانہ۔ کستامونی۔ ایدریا نوپل۔ تبریزند۔ اسدہ  
دیناس۔ گرل جینی۔ گیلی پولی۔ سلونیکا۔ خرپوٹ

مفصلہ ذیل مقامات میں وہ ابتدائی مدارس قائم ہیں جہاں سے  
لڑکے تعلیم پا کر دارالخلافہ کو نارمل اسکولوں میں داخل ہوتے ہیں  
ایدریا نوپل۔ سلونیکا۔ قیسوہ۔ معوطرمی۔ الینیا۔ مناسٹر۔  
سمرنا۔ بروصا۔ دیار بکر۔ خرپوٹ۔ سیواس۔ قونیا۔ لوقاد  
ارضی روم۔ کستامونی۔ موصل۔ حمص۔ لولی۔ دایو۔ بطیس۔  
انگورا۔

مفصلہ ذیل مقامات پر جدید مدارس تیار ہو چکے ہیں۔

دیاہور ہے ہیں۔  
اوین۔ طرابلس۔ رودس۔ قوتادہ۔ ارضی روم۔ انگورا۔  
نیرعاد۔ قبصریہ۔ کرشیکر۔ حلب۔ سیواس۔

سہیچا - بیغا - یورشلیم -

جو کوٹ شین اور کارروایاں سلطان قومی تعلیم کے لئے  
کر رہے ہیں اگر ان کے نسبت کسی کتابین لکھی جائیں تب بھی  
اوسکا پورا اندازہ ہونا مشکل ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ  
اس معاملہ میں سلطان کی فیاضی اور عالمی مہمتی کا ثبوت نہ ملتا ہو۔  
ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ سلطان نے دولا کہ پچاس ہزار پیا سٹر  
کریٹ میں ابتدائی مدارس قائم کرنے کے لئے دیدے۔ جسکے  
شکریہ میں اوس جزیرہ کے مختلف شہروں کے باشندوں نے  
سلطان کی خدمت میں اڈریس بھیجے۔ اکثر ایسے واقعات قسطنطنیہ  
کے اخباروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں لیکن انگریزی  
اخباروں کے سچل کارسپارڈنٹ کہہی اس قسم کی خبریں  
اپنے اخباروں کو نہیں دیتے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انگریز ابھی تک  
یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ کی وہی حالت ہے  
جو ڈیڑھ صدی پہلے تھی۔

ان تمام واقعات کے بیان سے میرا یہ گزیرہ مطلب نہیں ہو کہ سلطنت  
عثمانیہ کے تعلیمی نظام کو مکمل کرنے کے لئے مزید کارروائی کی ضرورت  
نہیں ہے یا وہ قریب جو اس کی سلطنتوں کے تعلیمی نظام کے مقابل ہے  
لیکن میرا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ تعلیم میں جو ترقی سلطنت

عثمانیہ نے ان دوسالوں میں کی ہے اوسکا مقابلہ دنیا میں کوئی  
سلطنت نہیں کر سکتی۔ چند واقعات جو میں نے اوپر بیان  
کئے اوس سے میرے دعوے کی خوبی ثابت ہوتی ہے ان واقعات  
پر غور کرنے کے وقت یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ تعلیم  
میں جو کچھ ترقی ہوئی وہ ایسی وقوت اور شکلوں میں کی  
گئی ہے جنکا مقابلہ کسی دوسری سلطنت کو نہیں کرنا پڑتا  
اور جنکا زیادہ تر بانی مہمانی وہ پادشاہ ہے جسکے آٹھ سال  
کے عہد حکومت میں اوسکے ملک کی تعلیم میں بجاے ترقی کے  
روز بروز تنزل ہوتا جاتا ہے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ سلطان نے  
اپنے ملک میں اشاعت تعلیم کے لئے بہت کچھ مالی مدد کی ہو  
یہ مدد دوسرے پادشاہوں کی مدد سے بالکل مختلف ہے  
کیونکہ سلطان کو اسکی وجہ سے بذات خود تکلیف اٹھانی  
پڑتی ہے۔ بارہا سلطان نے اس کام کے لئے اپنے قلیل خرچہ  
سے بڑی بڑی رقمیں عطا کی ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے  
اپنے (بہت سے) چاندی اور سونے کے برتن اور جواہرات  
فروخت کر کے انکی قیمت کا روپیہ باب عالی کے مصارف کے  
واسطے سرکاری خزانہ میں داخل کر دیا ایک دوسرے  
موقعہ پر انہوں نے اپنے ذاتی نوکروں

کی تعداد صرف اسوجہ سے کم کر دی کہ جو رقم اس طریق سے  
پس انداز ہو سکے وہ رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا جا  
اسوقت تمام یورپ میں کوئی پادشاہ اون سے زیادہ سادگی  
اور کفایت شعار سی کے ساتھ نہیں رہتا ہے یہ امر زیادہ  
تر قابل قدر اسوجہ سے ہے کہ سلطان کے ذاتی اخراجات  
اصول سیاست بدن کے لحاظ سے اونکی خدمات کا معاوضہ  
خیال کرنا چاہئے اسلئے کہ سلطان عبدالحمید خان برخلاف  
دوسرے یورپ کے پادشاہوں کے جو محض سلطنت کی نیایش  
بین یا کسی قابل اور شاطر وزیر کی مدد سے سطرچ کے پادشاہ کی  
طرح چلتے پھرتے ہیں خود اپنی سلطنت کے کارپردار اور  
حاکم ہیں اور اون کے وزرا بجز اون کے احکام کی تعمیل  
کر کچھ اور نہیں کرتے ۔

تعلیم کے متعلق میں یہ امر بیان کرنا بہول گئی تھو کہ  
کہ فی سلطنت نے مدارس زراعت کے قیام کی طرف جسکی بجد ضرورت  
تھی خاص قہم ہندو کی ہے ۔ میں نے ان مدارس کو بجد  
ضروری اسوجہ سے کہا کہ تمام یورپ میں

لاحظہ ہوں مضامین متعلقہ تمدن سلطنت روس محرمہ سنہ ۱۸۸۸  
شیکوراف و شاہزادہ گراڈوکن

کو ہی زمین روم کی زمین سے زیادہ زر خیر نہیں ہے اور نہ  
 کہین (زراعت کے قدیم طریقے کی وجہ سے) اس قدر کم پیدا  
 ہوتی ہے۔ پچیس سال قبل بمقام سینٹ استفنوباب عالی کی طرف  
 سے بطور تجربہ کے ایک قطعہ زمین کی کاشت کا انتظام کیا گیا تھا  
 اور زراعت کی تمام جدید آلات وغیرہ منگائے گئے تھے۔ محکمہ ہذا  
 ایک شخص ماسٹر ماسی بوز نے دادین کے تخت میں چند سال  
 تک بہت اچھی طرح چلتا رہا۔ لیکن بعد اوس کے معلوم نہیں کن وجوہات  
 سے اوسکی طرف سے توجہ اوٹھالی گئی اور وہ تمام روپیہ اور  
 محنت ضائع ہو گئی۔ موجودہ سلطان کے عہد میں اگوپ  
 پادشاہ وزیر صرف خاص نے یہ تحریک کی کہ کاشت مذکور کی  
 دوبارہ تجدید کی جائے اور یورپ کی دوسری سلطنتوں کی طرح  
 اوسکا انتظام عمل میں آئے۔ سلطان نے اوسکو فوراً  
 منظور کر لیا اور اب وہ محکمہ نہایت خوبی سے چل رہا ہے یہ  
 مدرسہ زراعت کا اعلیٰ نمونہ ہے جسکی شاخیں بہت جلد تمام ملک  
 میں پھیل جائیں گے۔ جو طالب العلم ختم تعلیم کے بعد سند  
 حاصل کر لیں گے اونسکو وزیر صرف خاص مختلف اضلاع میں  
 شاہی زراعتوں کے انتظام کے لئے بھیج دیں گے۔  
 اور اسی طرح سے تمام اندرونی زراعتیں بہت جلد  
 قابل منتظمون کے ماتہ میں آجائیں گی۔



لڑائی ختم ہونے کے بعد منجملہ دوسرے امور کے سلطان  
 اس امر کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کی وسیع سلطنت کے  
 مختلف حصوں میں آمدورفت کے عمدہ ذرائع قائم ہو جائیں  
 ریل جاری ہونے سے پہلے سلطنت عثمانیہ کی حالت بھی یورپ  
 کے دوسرے ملکوں کی طرح تھی اس زمانہ میں باستثنا سے  
 چند سڑکوں کے ہر ملک کی سڑکیں مسافروں کیلئے بجا آرام  
 کے تکلیف دہ تھیں۔ چنانچہ سلطنت عثمانیہ کی سڑکیں بھی  
 اس معاملہ میں اسٹریا اور روس کی سڑکوں سے کسی طور  
 سے کم نہ تھیں۔ لیکن جب انگریزوں کی محنت اور روپیہ  
 اپنے وطن سے نکل کر عیسائی یورپ میں پھیلنا تو اس نے اپنے  
 پیچھے ایک ایسا راستہ بنا دیا جس پر آہنی گھوڑا، "کرورون من  
 تجارتی اسباب اور ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ لیکر  
 دوڑنے لگا جس کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ تجارتی میدان میں  
 کوسوں پیچھے رہ گئے۔ اور اس وقت تک اس درماندہ حالت  
 میں ہی جب تک کہ موجودہ سلطان نے خان حکومت اپنے  
 قومی ماتہ میں نہ لی۔ موجودہ سلطان کے لئے بھی ریل کا  
 جاری کرنا سخت دشواریوں سے خالی نہ تھا۔ لڑائی اور محظ  
 کی وجہ سے تمام ملک تباہ ہو گیا تھا اور بددیانتی اور بد نظمی  
 نے سلطنت کو تقریباً یو یو الیہ بنادیا تھا

ایسی حالت میں ایک کچی سڑک تیار کرنے کے لئے بھی  
 خرچ کا بہم پہونچنا مشکل معلوم ہوتا تھا پس اس کام کو شروع  
 کرنے کے لئے بغیر بیرونی بضاعت سے مدد لینے کے کوئی  
 اور سبیل نظر نہیں آتی تھی اور بیرونی مہاجن سلطان عبدالغیر  
 مرحوم کے عہد میں پرائیمری نوٹ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے  
 اپنے بضاعت کو اس کام میں لگاتے ہوئے دوڑتے تھے  
 لیکن باوجود ان تمام وقفوں کے اس معاملہ میں کچھ ترقی  
 ہوئی ہے وہ مفصلہ ذیل واقعات سے ظاہر ہوگی۔

۱۸۸۷ء میں تمام مالک محروسہ میں نو سو اٹھاون میل  
 ریل جاری تھی سات سو اٹھتر میل یورپین ٹرکی میں اور ایک  
 سو بہتر میل ایشیا کو چک میں۔ ۱۸۸۳ء میں کل ریل ایک  
 ہزار ستر میل ہو گئی اور ۱۸۸۶ء میں اور زیادہ ترقی کر کے  
 بارہ سو اکان میل ہو گئی جس میں سے ۳۴۷ میل ایشیا کو چک  
 میں چار شاخون پر تقسیم تھی۔ ایک سمرنا سے ایدین تک۔ دوسری  
 سقوتری سے اسدہ تک۔ تیسری میسنا سے تارسس اور  
 اورادانہ تک۔ چوتھی جینا سے ہر دو تک۔ آئندہ غالباً  
 اسی شاخ میں ترقی ہوگی کیونکہ سلطان  
 اپنے ملک کے اس حصہ میں تجارتی اغراض کی

ضرورت سے ذرائع آمد و رفت کو بہت کچھ ترقی دینا چاہئے ہیں۔ دنیا کے تمام ملکوں میں بھی حصہ سرمایہ داروں کی توجہ کے قابل ہے بالخصوص ایسے وقت میں جبکہ سود کا نرخ روز بروز گھٹتا جاتا ہو اور یورپ کے مہاجروں کے دوکانوں میں روپیہ بیکار بہا پڑا ہو۔ اور لوگ اور لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ اب وہ زمانہ پہر آگیا کہ روپیہ تین یا چار فیصدی سود پر آسانی مل سکیگا۔

یورپ میں ترکی میں ریل کا جاری کرنا مالی وقتوں کے علاوہ ملکی دشواریوں سے بھی خالی نہیں ہے۔ انگلستان کے رہنے والے جو ہر طرف سے طوفانی سمندرون کا احاطہ میں محفوظ ہیں یہ امر پورے طور سے نہیں سمجھ سکتے کہ یورپ کے براعظم میں ریل جاری کرنے سے پہلے سرمایہ داروں اور انجینئروں کے منصوبوں کے علاوہ پادشاہوں اور مدبران ملک کے منصوبوں پر بھی نظر رکھنا ضرور ہے اور جو سلطنتوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ان کو اس بات کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ مجوزہ ریل تجارتی اسباب سیاحوں۔ اور مسافروں کے علاوہ دوسری کیا کیا چیزیں (مثل سامان جنگ سپاہ وغیرہ) ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا سکتی ہے دنیا کے کسی مہذب حصہ میں یہ سوال

یورپین ٹرکی سے زیادہ پیچیدہ نہیں ہے۔ اس مقام پر جو ریل ترکوں کی تجارت کے لئے بے انتہا مفید ہو سکتی ہے اسی سے لڑائی کے وقت روسیوں کو بحیدر وطنے کا اندیشہ ہے پس یہ خفیہ فائدہ اس کثیر نقصان کے مقابلہ میں بہت کم ہے لیکن ایشیا کو چمک میں اس قسم کے اندیشہ نہیں ہیں اور اون سرسبز اور شاداب ممالک میں ریل کے جاری کرنے میں بحرنا واقفیت سرمایہ داران انگلستان و امریکہ کوئی چیز مانع نہیں ہے اگر مالداروں کی قومی ہمدردی کی حقیقت معلوم نہوتی تو البتہ اس وقت تک کسی انگریزی کمپنی کا ایشیا کو چمک میں ریل جاری کرنے کا ارادہ نہ کرنا تعجب انگیز ہوتا۔ اگر کوئی ریلوے لائن سائپرس کے مقابل سے خلیج فارس تک پہنچی جائے تو شکر کا کمپنی کے مالی فوائد کے علاوہ انگریزوں کو قومی حیثیت سے بہت کچھ پولٹیکل فائدے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جو کوئی ایسی لائن جاری کر نیکا ارادہ کرے گا وہ ضرور سلطان سے کچھ پولٹیکل حقوق بھی طلب کرے گا جنکا ملنا اس خیال سے کہ سلطان ہمیشہ اس قسم کی تجاویز کی تائید کے لئے مستعد رہتے ہیں بالکل یقینی ہے بشرطیکہ یہ خواہشیں معقول اور واجبی ہوں۔ اگر انگلستان کی گورنمنٹ کو ایسی آنکھیں ملتیں کہ وہ ٹریفیل کا راسکوائیڈ سے آگے کی

چیزیں بھی دیکھ سکتی یا کوئی پولنگل فرقہ ایرلینڈ کے علاوہ  
 کسی اور مضمون پر بحث کرنا پسند کرتا تو اب تک یہ کام کبھی کا  
 شروع ہوجاتا۔ اور کمپنی کے اقل سود کے لئے قومی ضمانت  
 منظور کر لی جاتی۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ مین نے زار کے نیم سرکاری  
 اخبار پمیل گزٹ میں جو کہ لندن میں چھپتا ہے ایک مضمون  
 دیکھا تھا جس میں سلطان پر اسوجہ سے سخت حملہ کیا گیا تھا۔  
 کہ ادنیوں نے امریکہ کے ایک بڑے مالدار شخص سے جو  
 اس زمانہ میں قسطنطنیہ میں مقیم تھا ملنا چاہا۔ ہر شخص اس  
 امر سے واقف ہے کہ اس اخبار کے یہودہ اڈیٹر کا کمزور  
 دماغ روسی مدبران ملک کی جھوٹی خوشامد سے پر گیا ہے۔  
 لندن کے ایک اڈیٹر کا کسی بادشاہ کی اون کو ششون پر  
 ہنسنا جو وہ اپنی رعایا کے فائدہ کے لئے کرتا ہو سید شرمناک  
 اور قابل افسوس ہے۔

حال کے واقعات سے یہ امر بخوبی ظاہر ہو گیا ہے  
 کہ اگر عینائی یا یہودی سرمایہ دار ایشیا کو چاک میں کوئی  
 کام شروع کرنا چاہیں گے تو سلطان کو اس امر کا پورا  
 لحاظ رکھنا پڑیگا کہ اس کے منافع سے صرف کمپنی ہی متمتع  
 نہ ہو بلکہ اس کا فائدہ ملک کو بھی پہونچے۔ سلطان کو اس  
 بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ سرمایہ داروں کے

اسان شکار سمجھتے ہیں پس سلطانى رعایا کو اس پر پورا اطمینان  
 کہنا چاہیے کہ آئندہ کوئی ایسا حق سرمایہ داروں کو نہیں  
 دیا جائیگا جس میں خود سلطنت عثمانیہ کو کوئی معقول فائدہ نہ ہو۔  
 جس معاملہ کی طرف میں اشارہ کر رہی ہوں وہ اوس ریلوے  
 کے متعلق ہے جو سرز ارنگر الٹ اور سیفٹ  
 جاری کرنا چاہتے تھے۔ جو حقوق اس کمپنی کو دینے تجویز  
 ہوئے تھے اوسکے معاوضہ میں سلطان مفسدہ ذیل شرائط  
 چاہتے تھے۔ اول یہ کہ کمپنی فوراً اسمدہ اور انگور امین  
 کام شروع کر دے اور انگور اسے بغداد تک لائین ملا  
 دیجائے۔ دوسرے یہ کہ گورنمنٹ ان حقوق کے دینے  
 سے تیس برس کے بعد اوس لائین کے خرید لینے کی مجاز ہوگی  
 تیسرے یہ کہ بحالت خریداری زرشن اسطور سے ادا کیا  
 جائیگا کہ آخر پنج سالہ آمدنی کی اوسط کا پچاس فیصدی سالانہ  
 ملتا رہے گا۔

اس حق کے معاوضہ میں کہ کسی دوسرے شخص کو ان  
 مقامات میں ریل جاری کر نیکی اجازت نہ دی جائیگی یہ شرط  
 ایسی آسان تھی کہ کوئی موجودہ گورنمنٹ اون سے زیادہ  
 بیان شرائط نہیں پیش کر سکتی ہے لیکن باوجود اسکے مٹارنگر  
 نے اونکو قبول نہیں کیا اور وہ معاملہ اسوقت تک اوسطور سے

اور بجا ہوا پڑا ہے۔ دوسری شرط سے سلطان کی وہ معاملہ  
 فہمی اور فطانت ظاہر ہوتی ہے جسکا بار یا مین ذکر کر چکی ہوں۔  
 اگر انگریزی گورنمنٹ بھی اپنی ریلوے کمپنیوں کو اجازت دیتے  
 وقت ان تمام امور کا خیال رکھتی تو آج انگریزوں کو سراسر ایڈو  
 واکٹمن سے لے لوگون کا ظلم نہ اٹھانا پڑتا۔ فریج گورنمنٹ نے  
 اس معاملہ میں انگریزی گورنمنٹ سے زیادہ تردد و راندیشی  
 کی اور چند سال کے عرصہ میں وہ اپنے تمام ملک کی ریلوں کی  
 مالک ہو جائیگی۔ موجودہ زمانہ میں ریلوے لائسنس بہت زیادہ  
 اہم ہو گئی ہیں اور ان ذرائع آمد و شد کا ہیٹھ کے لئے کمپن  
 کے ہاتھ میں رہنا نہایت بجا اور مضر ہے۔ سرمایہ داروں  
 کو زیادہ سے زیادہ یہی حق حاصل ہے کہ جو سرمایہ انہوں نے  
 لگایا ہے وہ انکو واپس دیا جائے اور اس کے ساتھ  
 سرمایہ کو خطرہ میں ڈالنے کا معقول معاوضہ ملے۔ سلطان  
 نے اپنی رعایا کی محنتوں کو ہمیشہ کے لئے غیر ملک کے سرمایہ داروں  
 کو حوالہ کر دینے جو انکا رکھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ  
 وہ بشمولزم کے اصول سے جو مدبران ملک اور عام رعایا میں  
 روز بروز شایع ہوتے جاتے ہیں بخوبی واقف ہیں۔  
 سلطنت عثمانیہ نے ریلوں کے علاوہ سرکوں کی درستی  
 اور تیاری کی طرف ہی توجہ کی ہے۔ میری یاد میں ایشیاء

کوچک اور دوسرے جزایروں کی سرزمین اس حالت میں ہیں کہ خاص خاص موسم میں اونپر گذرنا تقریباً محال تھا۔ لیکن اب وہ یورپ کی سرزمین کی طرح پاک و صاف ہیں امنین سے بعض پر سنگ مرمر کٹا ہوا ہے اور سخت بارش میں بھی اونپر نہایت آسانی سے چل سکتے ہیں۔ بطرح انگلستان کے شمالی حصہ کے متعلق یہ شعر مشہور ہے کہ ”اگر تھے بننے سے پہلے ان سرزمین کو دیکھا ہوتا تو تم ضرور ٹوپی اتار کر جنرل وڈ کو دعائیں دیتے“ اسی طرح اگر اس شعر کا ترکی زبان میں ترجمہ کر کے متوفی جنرل کی جگہ زندہ سلطان کا نام قائم کیا جائے تو اون ممالک کے خیالات کا جہان جدید سرزمین تیار ہو ہی ہیں پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔

سلطنت کے مختلف محکموں میں فوج کا محکمہ ایسا ہر جسمین موجودہ سلطان کو تنہا کا موقع نہیں ملا۔ سلطنت عثمانیہ کو ہر وقت ایک قوی موروثی اور بے چین دشمن سے اندیشہ لگا رہتا ہے اور ممالک غیر میں کوئی سلطنت ایسی نہیں ہے جس سے لڑائی کے وقت سلطان کو مدد ملنے کی پوری امید ہو۔ پس ایسی حالت میں جو بادشاہ اپنی فوجی قوت کو ضعیف کر دے او سکوا اپنے ملک و قوم اور مذہب کا سخت دشمن تصور کرنا چاہیے۔ لیکن اس محکمہ میں



بھی جہاں تک بغیر ضعف کے ممکن تھا تخفیف کی گئی ہے۔ جب سے  
 باب عالی نے فوج میں لازمی طور سے بہرتی کرنیکا طریقہ یورپ  
 کی دوسری سلطنتوں کی طرح اختیار کیا ہے اس وقت سے  
 اس رقم کا کثیر حصہ جو اب تک والٹیر پر صرف ہوتا تھا عہدہ داروں  
 کی تعلیم اور بری اور بحری فوجوں کے اسلحہ وغیرہ میں صرف  
 ہوتا ہے فوج سے چند ترک عہدہ دار ہر سال پر ویشیا میں  
 فنون جنگ سیکھنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور فوجی افسروں  
 کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں تمام ملک میں دورہ کرنے کیلئے نکلتی ہیں  
 تاکہ وہ لوگ تمام ایسے مقامات سے جو لرائی کے وقت کارآمد  
 ہو سکتے ہوں واقف ہو جائیں۔ ترکی واقو نویں جو دنیا کے  
 سب سے زیادہ مقرر ہیں وقتاً فوقتاً ان تمام فوجی ترقیوں اور  
 ایجادوں کی اطلاع قسطنطنیہ میں کرتے رہتے ہیں جنکا اختیار  
 کرنا وہ اپنی فوج کی تہذیب کیلئے ضروری خیال کرتے ہیں  
 اور حتی الامکان یہ جدید ایجادیں فوراً عمل میں لائی جاتی ہیں  
 موجودہ زمانہ کی لڑائیوں میں سب سے زیادہ ریلوے تو پچانہ  
 ہے جو فی الحال سلطان تیار کر رہے ہیں۔ جو لوگ اس فن کے  
 جاننے والے ہیں انہوں نے مجھے یہ بیان کیا ہے کہ اگر ابکی  
 بار کسی دوسرے رحم دل اور خدا پرست شمالی بادشاہ نے  
 قومی اور مذہبی جو کشش سے بچپن ہو کر جابرانہ غصب کے واسطے

ایک قدم ہی آگے بڑھایا تو اونکا ایسا استقبال کیا جائے گا  
جو اون کے بزرگوں کا بھی آج تک نہیں ہوا تھا۔

ترکوں کی بحری قوت ہمیشہ سلطنت کا قوی بازو  
خیال کیا جاتا تھا لیکن اخیر لڑائی میں اس سے بہت زیادہ  
کام لینے کا موقع نہیں ملا اور نہ اس سے قوم کو کوئی معقول  
مدد پہونچی۔ لیکن اب مجھکو ترکوں کے علاوہ اور لوگوں سے  
معلوم ہوا ہے کہ باب عالی کی بحری قوت کبھی اس قدر  
قوی اور کام کے قابل نہ تھی جیسی کہ اس وقت ہے۔ کس  
تارپٹو کے جہازوں کے اضافہ نے بحری فوج کو اس  
قابل کر دیا ہے کہ بحری لڑائیوں میں وہ اپنی قدیم نام آوری  
کو زندہ کر سکے۔

سرہنری ایلٹ سابق سفیر قسطنطنیہ کے اس مضمون  
سے جبکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے میرے اون تمام واقعات  
کی تائید ہوتی ہے جو سلطان عبدالحمید خان کی تخت نشینی  
کے وقت پیش آئے تھے۔ ان واقعات کے علاوہ  
سرہنری ایلٹ نے جو کچھ لکھا ہے وہ مدحت پاشا اور  
اور ان کے تجویز کردہ آئین سلطنت کا ایک بوجھ ہے جس سے  
معلوم ہوتا ہے کہ سفیر مذکور نے اس معاملہ میں اپنی موثرانہ  
قابلیت اور پولیٹکل دماغ سے بالکل کام نہیں لیا۔

سربراہی اعلیٰ صاف طور سے موجودہ سلطان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اوکلی حکمت علمی بجائے ترقی کے تنزل کی طرف مایل ہے کیونکہ سربراہی الیٹ کا یہ خیال ہے کہ اگر مدحت پاشا کے مجوزہ آئین اختیار کر لئے جاتے تو سلطنت عثمانیہ بہت جلد اور قابل اطمینان طور سے ترقی کر جاتی۔

اس مقام پر مین مدحت پاشا یا اون کے مجوزہ آئین کی نسبت کوئی سخت لفظ کہنا نہیں چاہتی۔ مدحت پاشا کے ایک قابل قدر مدبر ملک ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور اون کے مجوزہ آئین کی نسبت صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ اونہیں وہی تمام خوبیاں اور عیوب تہج جو فوری وضع کئے ہوئے قوانین اور آئین میں عموماً پائے جاتے ہیں۔

بجز مدحت پاشا کے مجوزہ آئین میں سب سے بن مفید امور کا کافر س قسطنطنیہ کے پہلے جلسہ میں اعلان کیا گیا تھا وہ یہ ہے۔ سلطنت کے انتظام کے لئے دو مجلسیں مقرر کئے جائیں۔ ایک مجلس مدبران ملک۔ دوسری مجلس وکلاء رعایا۔ کچھ مدبران ملک کو سلطان مقرر کریں اور کچھ ملک کے سربراہ اور وہ لوگوں کی طرف سے منتخب کئے جائیں۔ دوسری مجلس کے ممبروں کا تقرر بذریعہ قرعہ اندازی کے عمل میں آئے۔ ان دونوں مجلسوں کے ذمہ وہی کام ہوں جو یورپ میں اس قسم کی مجلسیں کرتی ہیں۔

عہد ہوا کہ تاریخ نے اس بات کو پورے طور سے ثابت کر دیا ہے کہ وائٹھان آئین کی اس قسم کی تجویزین کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ علمِ مدن ہی صاف طور سے بتا رہا ہے کہ سلطنتِ مثل ایک جاندار کے ہے جو تدریج نشو و نما قبول کرتا ہے۔ مثلاً ایک مکان کے ہے جسکو ایک ہوشیار معمار حسبِ معنی تعمیر یا تبدیل کر سکتا ہے۔ اسمین کچھ شک نہیں کہ مدحتِ پاشا کی خیر خواہانہ شجاعت وینہ کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہیں کیا گیا۔ جسکی زیادہ تر مہم خود سرسہرئی ایلٹ کی گورنمنٹ ہے لیکن جو لوگ علمِ مدن سے ہوشیار سی سی ہی واقفیت رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان تجاویز میں ناکامی کا اصلی سبب یہ تھا کہ جن لوگوں کے لئے یہ آئین تجویز ہوئے تھے پلٹاؤ بولشکل ترقی کے ہرگز اس درجہ

بقیہ صفحہ ۱۵۲۔ سلطنت کا مذہب اسلام قرار دیا جائے۔ مگر ہر مذہب کے لوگ علانیہ اپنے اپنے مذہبی رسوم ادا کر سکیں۔ اجبار اور تعلیم کے آزادی منظور کی جائے۔ ابتدائی تعلیم لازمی کر دی جائے۔ بلا لحاظ مذہب ہر شخص سرکاری عہدہ پانچا مستحق سمجھا جائے۔ مال کی حفاظت کی جائے اور بغیر ملک کے رہنے والے عہدہ دار سے سلطنت عثمانیہ میں رہتے ہیں ان کے حقوق محفوظ رہیں۔ اور سرکاری عہدہ دار بغیر معقول وجہ کے مذہب و قوت ہو کر رہیں۔

نہیں پہنچے تھے کہ وہ اونکو چلا سکین انگلستان کے باشندے  
 جو صدیوں سے عملی سیلف گورنمنٹ اور اپنے حقوق کے لئے  
 پادشاہوں سے لڑنے جھگڑتے اور عہدہ داروں سے اختلاف کرنے  
 اور مقامی بنچایتوں اور مجلسوں وغیرہ کے عادی ہیں یہی سمجھتے  
 ہیں کہ کوہ سیٹا پر بھی خدا نے حضرت موسیٰ کو اپنی حکومت  
 کی ہدایت کی تھی اور تمام ایسے پادشاہوں کو جو اس قسم کے  
 حقوق دینے سے انکار کرتے ہیں بدعاش اور تمام ایسی قوتوں  
 کو جو ان حقوق کو طلب نہیں کرتیں بے وقوف خیال کرتے  
 ہیں۔ پھر اے معمولی ہموطن یہ نہیں سمجھتے کہ حکومت کی مختلف  
 شکلیں ایک خاص مقصد کے مختلف ذرائع ہیں۔ اور جو ذریعہ  
 ایک قوم کے مقاصد میں کامیابی کے لئے ضروری ہو ممکن ہے  
 کہ وہی ذریعہ دوسری قوم کے لئے محض بیکار یا مضر ثابت ہو  
 جس انتظام سے لندن یا نیویارک میں رشوت ستانی سدو  
 ہو سکتی ہے اوسے ذریعہ سے ممکن ہے کہ بغداد یا قسطنطنیہ میں  
 رشوت ستانی زیادہ ہو جائے۔

انہیں تمام وجوہات پر نظر کر کے (اگرچہ میں خود انگریزی  
 قوم میں ہوں اور آزادی کی پوری طرفدار اور جابرانہ حکومت  
 سے متنفر ہوں) میری یہ رائے ہے کہ جو لوگ سلطان عبدالحمید  
 خان پر اپنے ملک کی آزادی روکنے اور جابرانہ حکمت عملی

اختیار کرنے کا التزام لگاتے ہیں وہ یا تو سخت بے ایمان ہیں یا پولیٹیکل معاملات اور سیاست المدین کے علم سے محض ناواقف ہیں۔ اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ سلطان ان خود نماد بران ملک سے کہیں زیادہ ذکی اور فہیم ہیں کیونکہ انہوں نے ان تجاویز کے آئندہ نتائج پر غور کر کے اس امر کا فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ بذات خود ایسا طرز حکومت اختیار کریں گے جو ان کی رعایا کے خواہش اور مذاق کے موافق ہو جس کے امن اور آسائش کا خداوند تعالیٰ نے ان کو ذمہ دار بنایا ہے۔

قدیم زمانہ سے مشرق کے ایک ممتاز صاحبِ رائے کا جسکی تجربہ کاری اور دانائی مسلم ہے یہہ مقولہ جہلا آتا ہے کہ ”بہت سے بیرون سے معاملہ بجای رو براہ ہونے کے اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے“ ان تمام پیچیدگیوں اور اس کے نتائج سے سلطان نے اپنی رعایا کو بچا لیا ہے جو لوگ قسطنطنیہ میں رہ چکے ہیں اور وہاں کے باشندوں کے عادات اور خیالات سے واقف ہیں ان سے مین بلا اندیشہ یہہ سوال کر سکتی ہوں کہ اگر ان تمام ممالک کا انتظام ایک نو غیر پارلیمنٹ کے ہاتھ میں دیدیا جاتا تو آیا ان تمام ترقیوں کا امکان تھا جو مین اوپر بیان کر چکی ہوں۔ یا جو آئندہ کیلئے زیر تجویز ہیں۔ مجھ کو اس امر کا پورا یقین ہے کہ ایک ایسا زمانہ ضرور

اسنے والا ہے جبکہ ترکون میں سیلف گورنمنٹ قائم ہو جائیگی  
لیکن مدحت باشا کی مجوزہ گورنمنٹ سے وہ زمانہ بجائی قریب  
ہونے کے اور زیادہ بعید ہو جاتا۔ جو طریقہ موجودہ سلطان  
نے اختیار کیا ہے وہی اس زمانہ کو قریب لاسکتا ہے۔

عبد الحمید خان کو تخت نشین ہوئے ایک ہفتہ ہی نگذرا تھا کہ  
ایک شخص نے جسکو اونکے چال و چلن کے دیکھنے کا بچشم خود موقع

ملتا تھا یہ لکھا کہ تمام اہم ملکی معاملات میں سلطان کی ذاتی  
راے کو بہت بڑا دخل ہے اور وہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے  
اور یہ اس قسم کی بے اصول مداخلت نہیں ہے جو اونکے سابق جانشین معاملات

سلطنت میں کسی فوری خیال یا دوسرے لوگوں کے  
اغواء سے دیا کرتے تھے بلکہ موجودہ سلطان باضابطہ طور سے

ہر معاملہ کو سمجھتے اور اس پر ذاتی راے قائم کرنے کی پوری  
کوشش کرتے ہیں۔ جو بدگمانی سلطان کو اون وزرائی نسبت

پیدا ہو گئی تھی جنہوں نے سلطان عبدالغیر خان مرحوم کے

اخیر زمانہ میں بہت کچھ مہنگا مہ برپا کیا تھا وہ بوجہ واقعیت

کے رفتہ رفتہ دور ہوتی جاتی ہے اور وزیر اس کے ساتھ

ایک جدید قسم کے تعلقات پیدا ہو گئے ہیں۔

سلاطین عثمانیہ کا قدیم زمانہ سے یہ دستور تھا کہ وہ

اپنے وزراء اور عامہ خلایق سے بالکل الگ رہتے تھے

موجودہ سلطان نے اس دستور کو ایک قلم معذرت کر کے وزیر ا  
کو اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیدی ہے اور تمام معاملات  
میں ان سے بحث و مشورہ کرتے ہیں۔ سلطان نے تجارت اور  
صلحت کو ترقی دینے اور زراعتی مدارس اور خود کاشت کے  
موسمے قائم کرنے کا محکم ارادہ ظاہر کیا ہے۔ جو عہدہ دارانہوں  
اپنے پاس رہنے کے لئے منتخب کئے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے  
مغربی تعلیم حاصل کی ہے اور نہ صرف یورپ کی زبانوں بلکہ ہند  
یورپ کے طرز خیال سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

اگر اس امر کو ثابت کرنے کے واسطے کہ ایسے شخص کی ذاتی  
حکومت سلطنت عثمانیہ کے لئے جمہوری سلطنت سے زیادہ مفید  
ہے مشاہدہ کے علاوہ کسی اور دلیل کی ضرورت ہو تو ہم ان  
بد انتظامیوں کو جو خود مختار ہونے کے بعد بلغیریا میں پھیل گئیں  
بطور دلیل کے پیش کر سکتے ہیں۔ معاہدہ برلن کے بعد سے  
اس وقت تک یہ بد قسمت صوبہ ہر قسم کی بے اطمینانی اور  
سازشوں کا مرکز ہے۔ ہر ایک عہدہ اور ہر عہدید تقرر پر پانی  
فساد (زار روس) کو رشوت ستانی اور خود غرضانہ کارروائی

یہ تمام ارادے پورے ہوتے جاتے ہیں جیسا کہ ہم سم اوپر  
دکھا چکے ہیں۔



کا ایک عمدہ موقع ملتا ہے۔ گزشتہ ٹرافی میں روسی سپاہی عام طور سے یہ کہتے تھے کہ جن دہاقین اور مزارعین کو آزاد کرنے کیلئے ہم آئے ہیں اونکی حالت چارے اون شیشہ داروں سے جنکو ہم وطن میں چھوڑ کر آئے ہیں بدرجہا اچھی ہے۔ اگر بلگیریا کی پہلے سے عمدہ حالت قائم نہیں رہی جسکی نسبت کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ باشندگان بلگیریا کو اس تبدیلی سے بخیر و سیون اور ایک حکمران جماعت کے اور کچھ حاصل نہوا۔

تھوڑا عرصہ ہوا کہ متعدد انگریزی اخباروں نے ہمبرٹ پادشاہ اٹلی کا یہ قصہ نقل کر کے بہت اونکی تعریف کی تھی کہ ایک روز وہ کسی باغ گیا، سیر کو گھومتے وہاں عام رعایا کو سیر کرتے ہوئے نزدیک دریافت کیا کہ ہماری رعایا اس باغ سے کیوں نہیں فائدہ اٹھاتی اسکے جواب میں اوننے کہا گیا کہ آج حضور کی تشریف آوری کی وجہ سے عام لوگوں کو اندر آنے کی ممانعت ہے یہ سنکر اونہوں نے اندر اٹھکا عام حکم دیدیا اور ایک لحظہ میں تمام باغ اونکی ممنون اور وفادار رعایا سے بھر گیا۔ اسی قسم کا واقعہ سلطان عہد الحمید خان کو بھی پیش آیا لیکن اوسکی طرف کسی انگریزی اخبار نے توجہ کی ایک دن سلطان نے یلڈد کو شک

کے باغ میں جسکو وہ نہایت پسند کرتے ہیں کہا نا کہاتے ہو  
 دیکھا کہ لوگوں کا ایک انہوہ کثیر باغ کے دروازہ پر جمع ہے  
 اور باہر سے باغ کو جہانک جہانک کر دیکھ رہا ہے۔ یہ معلوم  
 کر کے سلطان نے حکم دیا کہ باغ کا دروازہ فوراً کھول دیا  
 جائے اور سب لوگ اندر بلائے جائیں۔ اسوقت سے یہ  
 مخصوص باغ عام کر دیا گیا ہے اور ہر شخص اوس میں سیر کے  
 لئے جاسکتا ہے۔ سلطان عبدالحمید خان کے اس فعل سے  
 اون مغربی پادشاہوں کو جسکی طرف سے بوجہ اونکی علیحدگی  
 کے روز بروز عامہ خدایق کے خیالات بگڑتے جاتے ہیں  
 ایک نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔

اس کتاب میں اون خانگی معاملات کا ذکر کرنا جسکو  
 پادشاہ سے لیکر فقیر تک پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے کیقدر  
 بیجا ہو گا لیکن ہر شخص جو قسطنطنیہ میں رہ چکا ہے اس امر سے  
 بخوبی واقف ہے کہ سلطان کا طرز معاشرت بہ نسبت معمولی شاہان  
 مشرق کے ایک انگلش جنٹلمین سے بہت زیادہ مشابہ ہے  
 منجہ اون مالی اصلاحوں کے سلطان نے حرم سرا کا خرچ بھی  
 بہت کم کر دیا ہے۔

یہی سلطان کی صرف ایک بیوی ہیں۔

خود مختار پادشاہ کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ اور  
مشکل کام اپنی بد قسمت مجرم رعایا کی زندگی کا فیصلہ کرنا ہے  
مگر ہر ایک ایسے موقعہ پر سلطان عبدالحمید خان نے بجائے  
انصاف کے رحم سے کام لیا ہے اور اپنی تخت نشینی سے  
اس وقت تک کسی قتل کے حکم پر دستخط نہیں کئے۔

سلطان نے جو نئے حکومت اختیار کیا ہے اسکی کامیابی  
اور اسکی وسیع سلطنت میں رہنے والوں کی بہبودی ہر وقت  
اب صرف اس امر پر منحصر ہے کہ او کو خوف ناک سازشوں  
اور یورپ کی بیجا دست اندازیوں سے تھوڑے عرصہ کے  
لئے امن ملے۔ اگر انگلستان اور اسکی معاون سلطنتیں  
اپنی رعایا کی تمام مصیبتیں اور شکایتیں رفع کرنے اور اپنے  
ملک کے غرباء اور مجرمین کو کارباری اور مذہبی بنانے کے بعد  
انسانی ہمدردی اور اصلاح کے نیک کاموں کے متلاشی ہیں تو او کو  
ایمانداری اور عام انسانی ہمدردی کے لحاظ سے اس سلطنت  
کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جو ایک عظیم الشان سیاہ بادل  
کی طرح ارجنٹل سے لیکر بحر اسود تک پھیلی ہوئی ہے اور ان  
تمام سلطنتوں کو اپنی مجموعی طاقت اس پادشاہ کے خلاف  
کام میں لانی چاہیئے جسکی فاقہ کش اور مظلوم رعایا کے آہ و  
ناہ آسمان تک جا کر ناکام واپس آتے ہیں۔ وہ سلطنتی

جلاوطن جو کہ سیریا کی قانون میں کام کر رہے ہیں اور وہ سلطانی اسیر جو قلعہ ٹرا بیت کو کے تاریک قید خانوں میں مقید ہیں دست بردار ہیں کہ خدا یا تمکو "شمال کے اس آسمانی رہنما" (زار کیونکہ وہ روسیوں کا اعلیٰ مذہبی پیشوا بھی مانا جاتا ہے) کی حکومت سے بہت جلد نجات دے گا کہ اس کے معاوضہ میں ہم کو عمر بھر ناگفتہ بہ ترکوں کی سلطنت میں رہنا پڑے۔ لیکن اگر سلطنتی دور صوبے ایمانی بزدلی اور کم ہمتی کی وجہ سے اون ناپاک اور سخت مقام کو نہیں روک سکتیں جسکی نظیر دنیا کے پردہ پر ملنی مشکل ہے تو کم از کم وہ ایک ایسے پادشاہ کو چین سے بیٹھنے دیں جو اس پر آشوب زمانہ میں نہایت استقلال کے ساتھ اپنی رعایا کے رفاه اور بہبودی میں مصروف ہے۔

## فصل چہارم

### معاملات مصر

اس وقت تک میری تحریر سے سلطان کی ذمہ داری صرف دو براعظم یورپ اور ایشیا کے متعلق معلوم ہوئی ہے اگرچہ مغربی حکمت عملی کے لحاظ سے سلطان کے اون حقوق کا ذکر کرنا جو اونکو بحر اسود یا نہر سوئز کے پار حاصل ہیں غیر ضروری ہے لیکن اگر ہم اون وقوت اور مشکون کا ذکر چھوڑ دین جو گزشتہ دس سال میں سلطان کو افریقہ میں پیش آئین تو ہمارا بیان بالکل ناتمام رہ جائیگا۔ اگر معاملات مصر اون تمام پیچیدگیوں سے پاک و صاف ہوتے جو سلطان کو ایشیا اور یورپ میں پیش نہیں تو اونکو اپنے کام میں نہایت آسانی ہوتی لیکن ایک قسم کے اسباب سے ہمیشہ ایک ہی قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ پس انتظام کی خرابی۔ عہدہ داروں کی بے پروائی اور ممالک غیر کی سازشوں سے نیل پر ہی وہی پولٹیکل اور مذنی بد نظمی اور بے ترتیبی پہلی ہوئی تھی جبکہ سلطان کو باسفورس اور فرات پر مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ اسمعیل پاشا خدیو مصر

جنیور یورپ کے عیسائی اور یہودی مہاجن معمول سے زیادہ  
مہربان تھے اپنی بد انتظامی اور فضول خرچی سے مصر کو  
سلطان عبدالحمید خان کی تخت نشینی سے پہلے ہی نہایت  
سخت مالی چیمپگیوں میں ڈال چکے تھے جن سے عہدہ برا  
ہونا نہایت مشکل بلکہ محال تھا۔

فوج ہتخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بہو کی مرہبی تھی اور  
ملک کا محاصل جو مختلف ٹیکسوں کے ذریعہ سے غریب اور  
مفلوک فلاحین نہایت دقت کے ساتھ وصول ہوتا تھا نا واجبی  
طور پر ممالک غیر کے مہاجنوں کی جیبوں میں سود کے  
نام سے چلا جاتا تھا۔

سلطان عبدالحمید خان نے روسی خونریز لڑائی سے  
فارغ ہونے کے بعد جب مصر کی طرف توجہ کی تو اولنگو  
تہوڑی سی توجہ کے بعد معلوم ہو گیا کہ اسماعیل پاشا حکومت  
کی قابل نہیں ہیں۔

شخصی سلطنت میں سب سے بڑا یہی فائدہ ہے کہ  
بڑے سے بڑا عہدہ دار وراسی قلم کی حرکت سے بغیر کسی  
قسم کی دقت کے اپنے جلیل القدر عہدہ سے علیحدہ ہو سکتا  
ہے۔ چنانچہ اس موقع پر یہی ایسا ہی ہوا اور اسماعیل پاشا  
نے اگٹ ۱۸۷۸ء میں ایک روز اپنے آپکو معزول اور اپنے

بیٹھے تو فین پاشا کو اپنی بگم مھر پر حکومت کرتے ہوئے پایا۔

اس امر کا فیصلہ کہ یہ تبدیلی فلا حین کی رائے میں مفید  
ہی یا مضر آئندہ کے واقعات سے ہو سکیگا۔ لیکن کارلائل کے  
خیال کے مطابق ”باب بیٹھے سے زیادہ حکومت کے قابل تھا“ کیونکہ  
اسماعیل پاشا باوجود اُن تمام نقائص کے جو اومنین تھے نہایت  
منصف و خیال اور مستقل مزاج آدمی تھے اور توفیق پاشا  
باوجود اُن تمام خوبیوں کے جو اومنین پائی جاتی تھیں نہایت  
کمزور طبیعت تھے۔ میرے خیال کے موافق فلا حین اسماعیل  
پاشا کے اُن تمام مظالم کچھ وہ اپنے ذاتی فواید کی غرض سے  
کرتے تھے بمقابلہ توفیق پاشا کی کمزور پالیسی کے خوشی کے  
ساتھ برداشت کرنے کیلئے آمادہ تھے۔

لیکن سلطان عبد الحمید خان بالکل مجبور تھے اور انکو سوائے  
اسکے کوئی چارہ نہ تھا کہ توفیق پاشا کو بجائے اوسکے معزول  
باب کے مقرر کر کے اوسکی اصلاح اور درستی کے منتظر رہیں  
کیونکہ خدیو مھر کا عہدہ موروثی ہے اور اوس خاندان  
کے علاوہ کوئی غیر شخص اوس پر مقرر نہیں ہو سکتا اگر سلطان  
کو یورپ اور ایشیا کی طرح مھر میں ہی انتخاب میں آزادی  
دیجاتی تو اس میں شک نہیں کہ یہاں ہی اوسکا انتخاب دیا  
ہی عمدہ ہوتا۔ نہر سوینر کہلے ہوئے چند سال گذر چکے تھے

اور ہر ایک سلطنت کو جسکے جہاز اس سے گزرتے تھے  
 معاملات مصر کے ساتھ اصلی یا فرضی دھپسی پیدا ہو گئی تھی  
 چونکہ انگلستان کے دو تہائی جہاز اس نہر سے گزرتے تھے  
 لہذا ہمارے ملک کو خدیو کے معاملات اور مصالح میں بڑا  
 دخل تھا۔ لیکن اسوجہ سے کہ نہر ہذا کی تیاری میں فرانس  
 کا بھی روپیہ اور محنت صرف ہوئی تھی بالآخر یہ اجازت سلطان  
 یہ امر قرار پایا تھا کہ مصر پر انگلستان اور فرانس دونوں کی  
 نگرانی رہے۔ اسطور سے دو بڑی سلطنتوں کے سفیروں  
 کو نام تجربہ کار اور نرم مزاج توفیق پاشا کو شعورہ دینے اور  
 اوسکے کاموں کی نگرانی کرنے کا موقع مل گیا۔ اس قسم کے  
 دو مختلف مصالح کا رون کے ماتھے میں رہ کر کسی ایسی مضبوط  
 گورنمنٹ کا قایم ہونا جسکی مشرقی ملکوں میں ضرورت  
 ہوتی ہے نہایت مشکل تھا۔ اس انتظام پر ایک سال بھی گزرنے  
 نہ پایا تھا کہ ملک کے معمولی باشندوں نے سیاست المدن  
 کے ادس باریک نمٹہ کو دریافت کر لیا کہ سلطنت کی تبدیلیاں  
 ملک کی تمدنی اور مالی حالت کو نہیں بدل سکتی ہیں۔ جیسا کہ  
 اکثر ہماری مہذب سلطنتوں کا خیال ہے۔ جب رعایا اس  
 دوہری نگرانی میں بھی اوسے طرح بہو کی اور ننگی رہی جیسی  
 کہ اسمعیل پادشا کی تنہا اور جابرانہ حکومت میں تھی تو اوسنے



توفیق پاشا کی کمزوری یا رحم دلی سے متوقع ہو کر اصلاح اور امن کے لئے شور مچانا شروع کیا۔ چونکہ اس قسم کے کاموں کی پیشوائی اور رہبری کے لئے قوی دل اور مستقل مزاج لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے رعایا نے اپنے معروضات خدیو کی خدمت میں پیش کرنے کے واسطے بہادر اور قوی دل عربی پاشا کو منتخب کیا جو ایک پیدل فرج کا کرنل تھا عربی پاشا نے رعایا کی طرف سے خدیو کی خدمت میں حسب ذیل درخواستیں پیش کیں اول یہ کہ خدیو اپنی بدنام اور ضرر رسان وزارت کو تبدیل کریں۔ دوسرے یہ کہ فوج کی تعداد اٹھارہ ہزار تک بڑھا دی جائے اس قسم کی درخواستوں کا ایک ایسے شخص کے ذریعہ سے پیش ہونا جو خدیو کا ملازم ہو بجائے خود ایسی بغاوت تھی جسکی مزا اسے موت کے کچھ نہیں ہو سکتی اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اسماعیل پاشا کے سامنے اگر یہ درخواستیں پیش کیجاتیں تو وہ فی الحال کم سے کچھ نکال کر اسی جگہ عربی پاشا کا کام تمام کر دیتے اور تمام ملک کی آئندہ بغاوت کا وہیں خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن یہ جرات توفیق پاشا میں کہاں تھی انہوں نے اپنی نرم بالیسی کے موافق عربی پاشا کو کوئی صاف اور قطعی جواب نہیں دیا بلکہ اسکو بہ لطافت الحیل

نالکراس واقعہ کی اطلاع سلطان کو دی۔ سلطان نے فوراً  
اپنی معمولی مستعدی اور عادت کے موافق قوت فیصلہ سے  
کام لیکر وہی طریقہ اختیار کیا جو اس قسم کی بنا و تون میں  
مناسب ہوتا ہے۔

یعنی حذیو کو یہ کہہا کہ اول امن قائم کیا جائے اور بعدہ  
تحقیقات کر کے رعایا کی واجبی شکایتیں رفع کر دی جائیں اور  
قیام امن کے لئے فوج اور تحقیقات کے واسطے کمیشن  
بھیجنے کا وعدہ کیا۔

سلطان کی اس تجاویز کی نسبت یہی خیال کیا جاتا تھا کہ  
سلطنتِ یاسے انگلستان اور فرانس اور سکو پسند اور  
منظور کر نیگی کیونکہ مصر ہمیشہ سے سلطنت عثمانیہ کا ایک  
صوبہ رہا ہے۔ سلطان اپنی ملکی مصالح اور ضرورتوں کی  
وجہ سے اپنا دار الخلافہ چھوڑ کر اس تحقیقات کے لئے نہیں  
اسکتے تھے مگر انہوں نے اپنے معزز سفیروں کے بھیجنے کا  
وعدہ کیا جس سے زیادہ یورپ کا کوئی پادشاہ بھی نہیں  
کر سکتا تھا۔

لیکن سلطنت انگلستان نے اپنی اوس قدیم اور قابل  
عزت بے اعتباری کی وجہ سے جسے اوسکے تعلقات کو  
شرقی سلطنتوں کے ساتھ بار بار خراب کر دیا ہے سلطان

کی تجویزوں کو ناپسند کیا اور انکی تعمیل میں مانع ہوئی۔  
 اور بغیر مزید تحقیقات اسباب بناوت ایک ایسی کمینٹ کے  
 قایم کرنے پر راضی ہو گئی جس میں عربی پاشا محکمہ فوج کے  
 نائب سکریٹری مقرر کئے گئے تھے۔ انگلیزوں نے  
 اس موقع پر وہی حکمت عملی اختیار کی جو انگلستان میں  
 نہایت کامیابی کے ساتھ برتی جاتی ہے یعنی ہنگامہ و شور  
 برپا کرنے والے لوگوں کو سرکاری عہدے دیکر اپنا بیجا  
 چہوڑا لینا چاہا۔ سلطان کی طرف سے جو تجویزین پیش ہوئی  
 تھیں انکی جگہ درویش پاشا کی سفارت منظور کی گئی جس  
 سے بظاہر کسی فائدہ کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔

توفیق پاشا ہر شخص کے خوش کرنے کے خیال محال میں مبتلا  
 رہے اور اپنے وزرا کو بہت جلد جلد انگلستان کے  
 مدبران ملک کی رایوں کی طرح تبدیل کرتے رہے۔ آخر  
 کار عربی پاشا کو وزیر صیغہ جنگ مقرر کیا ملکی پیچیدگیاں  
 ان تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئیں یہاں تک کہ  
 ۱۱ جون ۱۸۸۲ء کو اسکندریہ میں ایک بلوہ ہوا جسکا رفع  
 کر دینا بجز اس دوہری حکومت کے ہر سلطنت کے لئے  
 نہایت آسان تھا۔ یہ بلوہ رفتہ رفتہ اس درجہ بڑھ گیا کہ  
 انجام کار خدیو اور اسکے وزرا کو نہایت بزدلی کے ساتھ

اسکندریہ عربی پاشا کے قبضہ میں چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا۔ بعد  
 ازان انگریزی بیڑے کی وہ کارروائی شروع ہوئی جسکے سٹر  
 گلیڈسٹون نے بجائے جنگ کے ”جنگی تدابیر کے نام سے  
 موسوم کیا ہے۔ سٹر گلیڈسٹون کے تقلیدین کو اونکی رائے  
 اور عقل کی نسبت اس قدر خوش اعتقاد سی تھی کہ اس فاش  
 اور اظہر من الشمس غلطی نے بھی اونکے دونوں سے اونکی  
 عزت اور اونکی عظمت کو کم نہ ہونے دیا۔ برے سے برے  
 فعل کا بھی کوئی نہ کوئی اچھا نتیجہ ضرور نکل آتا ہے پس  
 سٹر گلیڈسٹون کی اس بڑی غلطی نے یہی آخر کار اس خوفناک  
 ”دوہری حکومت“ کا خاتمہ کر دیا۔ عہدہ داران فرانس  
 مقیم اسکندریہ پر بھی اس ناقابل بیان کارروائی میں شریک  
 ہونے کے لئے زور ڈالا گیا لیکن انہوں نے صداقت  
 انکار کر دیا اور فرانس کے امیر البحر نے اپنے جہازوں کو  
 بندر سے ہٹا کر انگریزی امیر البحر سمپور کو تنہا فتح پابی  
 نیک نامی انعام پیش اور خطاب حاصل کرنے کا موقعہ  
 دیا جس طرح پر یہ عظیم الشان مہم سر ہوئی اور یہ قابل  
 فخر فتح حاصل کی گئی اس کے مفصل بیان کرنے کی اس  
 موقعہ پر ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ابھی تک وہ  
 تمام واقعات لوگوں کی یاد میں تازہ ہیں لیکن بجائے

عربی پاشا کی نسبت اس قدر کہنا انصافاً ضرور ہے کہ تمام غیر متعصب شہادتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسٹر کلیڈ سٹون کی اس بہادرانہ کارروائی کے بعد ہی عربی پاشا خدیو کے احکام کی تعمیل اور اظہار وفاداری میں ویسا ہی سرگرم رہا جیسا کہ پہلے تھا لیکن اس کے ساتھ بالکل انصاف نہیں کیا گیا تو فائق پاشا نے محض ضد سے جو اکثر گزشتہ طبعیتوں میں پائی جاتی ہے اور خود غرض صلاح کاروں کے مشورہ سے بغیر سوچے سمجھے عربی پاشا کو اپنے عہدہ سے علیحدہ کر کے اس کے باغی ہونے کا اعلان دیدیا۔

اس کارروائی کے مختصر بیان سے جو اسکندریہ کی تباہی کی باعث ہوئی بخوبی معلوم ہو جائیگا کہ معاملات مصر میں انگریزوں نے اولاً سلطان کے ساتھ بد تہذیبی و تحقیر کارہاؤ کیا اور آخر کار اس کی سخت توہین کی اور اسکندریہ کی بغاوت کے رفع کرنے میں سلطان کی طرف سے جو کچھ کوششیں ہوئی اس کے انگریز ہر طرح بر مزاحم رہے۔

اس امر کا کوئی قطعی فیصلہ کرنا کہ عربی پاشا کے اسباب بغاوت واجبی تھے یا نا واجبی اس وقت اگر غیر ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ کیونکہ عربی پاشا کے واقف کار لوگوں کے دو فرقہ بین او منین سے ایک اس بات کا قائل ہے

کہ عربی پاشا ایک باغی اور سرکش گروہ کا خود غرض سرغنہ  
 تھا جب اوسکی درخواستیں تبدیلی انتظام کی نسبت نامستور  
 ہوئیں تو اوسنے فوجی سپاہیوں کو خدیو کے برخلاف مشتعل کر دیا  
 لیکن دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ ایک ایسے ایماندار اور وفا  
 دار شخص کو جو ایمان داری کے ساتھ خرابی انتظام سے مخفی  
 کرتا ہو باغی قرار دینا سراسر ظلم تھا۔ اور اسے سپاہیوں کو  
 ملک کے قلب میں لیجانے سے اوسکا اصلی مقصد یہ تھا کہ  
 اوسکے سپاہی اون خانہ جنگیوں میں نہ شامل ہو سکیں  
 جو اسوقت ملک میں درپیش تھیں۔ بہر حال عربی پاشا کی  
 نسبت چاہے جو کچھ رائے قائم کیجائے لیکن اس میں کچھ  
 شک نہیں کہ سلطان عبدالحمید خان جو خدیو اور اونکی رعایا  
 کی پییدگیوں کو آسانی سے رفع کر سکتے تھے معاملات مصر  
 میں دخل دینے سے باز رکھے گئے۔ جب انگریزی فوج  
 اسکندریہ میں پہنچ گئی تو سلطان نے ازراہ دانشمندی  
 و دور اندیشی بالکل خاموشی اختیار کی اور جو حالت خدیو  
 اور انگلستان کی طاقت اور ناقبت اندیشی سے پیدا  
 ہو گئی تھی اوس میں دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔ یہاں تک  
 کہ مہذب یورپ کو سلطان اور اونکے غاصبان حقوق کے  
 درمیان فیصلہ کرنے کا موقع ملا۔ عربی پاشا باغی قرار

دئے گئے اور مصر پر بلا اجازت سلطان المعظم انگریزی فوج  
لارڈ ویلزی کی ماتحتی میں حملہ آور ہوئی۔ اور لارڈ ویلزی  
نے ایک ایسے شخص کے مقابلہ میں فتح حاصل کرنے پر جو فنون  
جنگ سے محض نا آشنا بیان کیا جاتا ہے پڑے پڑے  
خام پڑے۔

اس موقع پر واقعات جنگ مفصل طور پر بیان کرنے کی  
ضرورت نہیں ہے صرف اس قدر ظاہر کر دینا کافی ہے کہ باغی  
فرج کو شکست ہو گئی اور اودھ کا سرغنہ عربی پاشا گرفتار ہو گیا  
لیکن بجائے کورسٹ مارشل میں تحقیقات ہو کر گولی سے مارے  
جانے کے جو کہ خدیو کے اعلان کا مقصد تھا سلطنت انگلستان  
کے ایک ایشیائی حصہ (سیلون) میں بطور اسیر سلطانی  
کے نظر بند کر دیا گیا۔

سلطنت انگلستان نے ”تدابیر جنگ“ میں فرانس کے نہ شامل  
ہونے سے پورا فائدہ اٹھایا اور اسی بنا پر سلطنت فرانس  
کا حق نگہ رانی ناقابل تسلیم قرار دیکر ”دوسری حکومت“ کا نام لے  
کر دیا اور سلطنت انگلستان نے خدیو کی درخواست کے  
موافق جمہوری بیرنگ لارڈ نار تھ ہروک لارڈ ڈفرن  
اور دوسرے معزز اور عقیل آدمیوں کی مدد سے مظلوم  
کھیل لاجپت کی آسائش اور فلاح کے لئے ہر قسم کی اصلاح

شروع کی لیکن ان اصلاحات میں بھی چونکہ کچھ نقصان  
 سلطان سے مطلق شورہ نہیں کیا گیا۔ انہیں سے بعض  
 کارروائیاں عجیب تھیں چنانچہ سولہ سو کے آغاز میں ہر ایک  
 ضلع میں ایک کونسل مقرر کی گئی کہ وہ مقامی ضرورتوں  
 کے لئے اپنے اپنے علاقہ میں ٹیکس تجویز اور وصول کرے  
 اور ضلع کے دوسرے معاملات میں گورنمنٹ مصر کو  
 صلاح دیتی رہے۔ اس طرح ہر ایک مجلس واضح  
 اہمیت و قوانین اس غرض سے مرتب کی گئی کہ وہ سال  
 میں چار مرتبہ اجلاس کیا کرے اور جو عریض خدیو  
 کے پاس پیش ہوں اوپر غور کرے اور سالانہ ملازمت  
 اور دوسرے عام معاملات میں اپنی پیشہ ہمارے  
 سے خدیو کی مدد کرتی رہے لیکن عربی پاشا کی شکست  
 یا بعد کی دوسری مہرانہ کارروائیوں سے جنگا ہم اوپر  
 ذکر کردہ چکے ہیں سلطنت انگلستان اور مصر کی پیچیدگیوں  
 کا رفع ہونا محال تھا۔ اور انگریزی فوج کا ایک غیر محدود  
 زمانہ تک مصر میں پڑا رہنا ضرور ہو گیا۔ جو کارروائی  
 انگریزوں نے اسکندریہ میں کی تھی اوسکی وجہ سے سلطان  
 کے ممالک افریقہ میں نہایت تیزی کے ساتھ ایک عام  
 بددلی پھیل گئی اور سوڈان کی وحشی قوموں نے یہ سمجھ کر



کہ سلطان اور غیر ملک کی فوجوں میں لڑائی ہوئی تھی  
 جس میں غیر ملک کی فوجوں کو غلبہ رہا علانیہ بغاوت اختیار  
 کی اور مصری افواج کا جو دارالخلافہ سے فاصلہ پچیس  
 محاصرہ کر لیا۔ سلطنت انگلستان کو جس نے حذیو کی قوت  
 کو درہم برہم کر دیا تھا بد نصیب محصورین کی جانوں کا  
 ذمہ دار اور محافظ بنا پڑا۔ اگرچہ انگلستان کے پولیٹیکل  
 فرقوں میں سے ایک چھوٹے سے فرقہ کی بہہ راے تھی کہ  
 یہ ذمہ داری ہرگز نہ لی جائے اور محصورین اپنی قسمت  
 پر چھوڑ دے جائیں لیکن اس قسم کی رسوائی اور بدنامی  
 کو مسٹر گلیڈسٹون جنہیں انگلستان کی اگلی شان و شوکت  
 کے کچھ کچھ نشان پائے جانے ہیں ہرگز گوارا نہیں کر سکتے  
 تھے۔ چنانچہ اول جنرل ہکسن ایک مختصر فوج کے ساتھ  
 محصورین کی مدد کے لئے بھیجے گئے اور جب انکی تمام فوج  
 محاصرین کے ہاتھوں سے ماری جا چکی تب جنرل بیکر دوسری  
 فوج کی ساتھ روانہ ہوئے مگر اسکا بھی وہی انجام ہوا۔  
 اسکے بعد جنرل گارڈن نے وادی خرطوم کا مشہور سفر  
 اختیار کیا۔ اس بہادر اور جری شخص کے اخیر سوانح  
 عمری کو اس موقع پر بیان کرنے کی کوئی ضرورت  
 نہیں معلوم ہوتی کیونکہ وہ تمام واقعات موجودہ

نسون کی یاد میں تازہ ہیں۔ خرطوم کا محاصرہ اور اوسکی  
 دیرانہ حفاظت جنرل گارڈن کے لئے فتنہ بنی اور نیک  
 نامی کا تمغہ اور اونکی قوم کے واسطے کلنگ کا شیکا بنگر ہمیشہ  
 جھگتا رہیگا۔ لارڈ سالسبری کے وزیر ہونے کے بعد خیر خواہان  
 مصر کی امیدیں تازہ ہو گئیں اور اوکوویہ سمجھنے کا موقع ملا  
 کہ فتح خرطوم کے بعد جو پیچیدگیاں پڑ گئی تھیں۔ اب بہت  
 جلد رفع ہو جائیں گی چنانچہ اگست ۱۸۹۸ء میں سر ڈیوڈ  
 والف بطور سفیر خاص سلطان کی خدمت میں معاملات مصر کے  
 متعلق گفتگو کرنے کیلئے بھیجے گئے یہ کارروائی اپنی سر نہایت  
 معقول معلوم ہوتی تھی کیونکہ جو ہدایتیں اوکوکی گئی تھیں  
 اور جو حال میں طبع ہوئی ہیں اون سے مترشح ہوتا تھا کہ  
 سلطنت انگلستان نے سلطان عبدالحمید خان سے اوس  
 غیر معمولی اور غیر مہذب برتاؤ کی معذرت کی ہے جو سابق  
 گورنمنٹ نے اوسکے حقوق شاہی کو نظر انداز کر کے اوتکے  
 ساتھ کیا تھا جس میں سے ایک فقرہ یہ ہے ”کوین و کٹوریہ  
 کی گورنمنٹ کی یہ خواہش ہے کہ وہ سلطان عبدالحمید خان  
 کے اون حقوق پر پورا لحاظ رکھے جو اوکو بحیثیت شاہنشاہ  
 مصر اون معاہدات اور دستاویزات کے ذریعہ سے حاصل ہیں  
 جسکی پابندی قانون بین الممالک کے لحاظ سے ضروری ہے

کو بیٹن، کٹوریہ کی گورنمنٹ یقین کرتی ہے کہ سلطان کے  
 واجبی اقتدارات مصر پر تسلیم کرنے سے اونکی وقعت  
 مسلمانوں میں جو کثرت سے اونکی رعایا، مدین داخل ہیں رائج  
 ہو جائیگی۔ علاوہ اسکے اوسکو یہ بھی یقین ہے کہ سلطان  
 ملک کے اوٹ حصہ نہیں جنہیں ابھی بغاوت ہو چکی ہے عمدہ  
 انتظام اور امن قائم کرنے میں بہت کچھ مدد دے سکتے  
 ہیں۔ اگر سلطان اس انتظام میں کو بیٹن و کٹوریہ کی گورنمنٹ  
 کی مدد کریں گے تو خدیو کی مسلمان رعایا کے دل پر عمدہ اثر  
 ہوگا اور تمام وہ بدگمانیاں جو ایک غیر مذہب کے حاکم ہو جانے  
 کے متعلق پہلی ہوئی ہیں رفع ہو جائیں گی۔ علاوہ اسکے  
 سلطان کی حکومت میں ایسی مختلف قومیں ہیں جنہیں سے  
 وہ سپاہی بھرتی ہو سکتے ہیں جنکو مصر کے جنوبی حصہ کی  
 آب و ہوا مضر نہیں ہے پس سلطان ایسی بہادر فوجیں  
 مہیا کر سکتے ہیں۔ جنکو بمقابلہ باغیوں کے آب و ہوا یا  
 دوسری ملکی خصوصیات کی وجہ سے زیادہ نقصان پہونچنے  
 کا اندیشہ نہ ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ لارڈ سالسبری  
 نے ان الفاظ میں سٹرکلیڈسٹون پر جو مکتہ چینی کی وہ ایسی  
 ہے جو انہوں نے بحیثیت ایک محیر ہوس آف لارڈس کے  
 نہیں کی تھی۔ سلطان کے مصر پر حقوق شاہی۔ اور اونکا

خلیفہ اسلام ہونا۔ اور اس وجہ سے شمالی مصر کی وحشی  
 قوموں پر اونکا اثر۔ اور ترکی فوج کی بےادری یہ سب  
 چیزیں تسلیم کی گئیں اور اسی بنا پر یہ قرار پایا کہ مصر کا  
 قیام امن صرف انگریزوں پر چھوڑ دیا جائے بلکہ اوسکے  
 اصلی مستحق بادشاہ کے سپرد ہو۔ اس مراسلہ کا منشاء  
 لارڈ باؤنٹی کی تمام پالیسی کو تبدیل کر دینا تھا کیونکہ ۱۸۸۲ء  
 میں اسکندریہ کی کارروائی اور بعد کے طرز عمل سے صاف  
 ظاہر ہوتا تھا کہ سلطان کا معاملات مصر میں کوئی حق یا  
 اقتدار تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔ لارڈ گرینڈ ویلی وزیر خارجہ  
 انگلستان کی برطرفی سے اکیس سال پیشتر یہ حکمت اور زیادہ  
 مستحکم ہو گئی تھی اسلئے کہ فروری ۱۸۸۸ء میں سفیر دولت  
 عثمانیہ تقیم لندن نے لارڈ گرینڈ ویلی کو ایک مراسلہ دیا جس میں  
 صاف طور پر بحیثیت شہنشاہ مصر یہ خواہش کی گئی تھی  
 کہ وہاں کے قیام امن اور وہاں کے انتظام کا مسئلہ اوسکے  
 اختیار میں دیدیا جائے اور انگریزی فوج بہت جلد وہاں سے  
 اوٹھالی جائے تاکہ بجائے اوسکے ترکی فوج بھیجی جاسکے۔  
 اسکے بعد دو اور مراسلہ اس مضمون کے ایک اٹھارویں  
 مارچ ۱۸۸۸ء کو اور دوسرا باروین اپریل ۱۸۸۸ء بھیجے  
 گئے لیکن ان تمام مراسلات پر وزارت خارجہ انگلستان

نے بجز خاموشی کے اور کچھ نہیں کیا جنرل گارڈن نے جو کہ  
 معاملات مصر سے بہ نسبت لارڈ گرینڈ ویلی کے زیادہ ترواقف تھے  
 شروع ۱۸۸۵ء میں صاف طور پر ظاہر کر دیا تھا کہ صرف تین  
 ہزار ترکی سپاہیوں کے ذریعہ سے وہ اس معاملہ کو نہایت  
 آسانی کے ساتھ سرانجام دے سکتے ہیں لیکن اس بہادر اور  
 وفادار شخص کی اس درخواست پر بھی مثل دوسری درخواستوں  
 کے سٹرکلیڈسٹون کی وزارت نے مطلق لحاظ نہیں کیا۔  
 آخر کار سلطان نے جو ۱۸۸۵ء میں ایک مراسلہ بیجا حسین  
 کے موجودہ انتظام پر بے اطمینانی ظاہر کی اور اپنے حقوق  
 اور اپنے ملک مصر میں اپنی فوج کے ذریعہ سے امن قائم  
 کرنے پر بہت زور دیا۔ اس مراسلہ کے جواب میں لارڈ  
 سالبری نے اگست ۱۸۸۵ء میں سر ڈومینک وائلے کو  
 بیجا اور اونکو وہ ہدایتیں کیں جنکا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔  
 سفیر مذکور نے سلطان سے اول ملاقات میں بیان کیا  
 کہ اُنکے پیچھے جانے کا خاص مقصد یہ ہے کہ مصر کا از سر نو

بجز جنرل گارڈن کے علاوہ اور عہدہ دار بھی گورنمنٹ انگلستان کو وقتاً فوقتاً  
 اون وقتوں سے مطلع کرتے رہے ہیں جو مصر میں قیام فوج سے پیش آنے  
 والی ہیں لیکن گورنمنٹ نے اون پر کچھ لحاظ نہیں کیا۔

انتظام کیا جائے اور سلطان کے حقوق پر پورا لحاظ رکھا جائے  
 چنانچہ ۲۴ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو ایک معاہدہ انگلستان اور سلطنت  
 عثمانیہ کے درمیان بدین مضمون تحریر ہوا کہ دونوں سلطنتوں  
 کی طرف سے چند معزز سفیر مصر کو بھیجے جائیں اور وہ لوگ  
 خدیوہ کے مشورہ سے وہاں کے حالات کی نسبت ایک رپورٹ  
 مرتب کریں اور آئندہ کے عمدہ انتظام اور قیام امن کی نسبت  
 تجویزین پیش کریں علاوہ برین یہ بھی قرار پایا کہ اس معاہدہ  
 کی تعمیل کے بعد ایک دوسرا معاہدہ تحریر کیا جائے جس میں سلطنت  
 انگلستان اپنی فوج کو مصر سے اٹھالینے کی واسطے ایک وقت  
 معین اور مقرر کر دے۔ اس معاہدہ کے موافق سر ڈرو  
 مینڈ وائیٹ انگلستان کی طرف سے اعلیٰ سفیر مقرر ہوئے  
 انہوں نے اپنی آخری رپورٹ میں نہایت سادگی سے  
 گورنمنٹ انگریزی کا اصل مقصد اس طور سے ظاہر کیا ہے  
 کہ انگلستان کو سب سے زیادہ اس امر کا خیال ہے کہ  
 ہندوستان کا راستہ بلا کسی مزاحمت کے کھلا رہے  
 اور یہ صرف اسی حالت میں ممکن ہے کہ مصر کی پولیٹیکل  
 حالت قابل اطمینان ہو اور اس کو کسی حملہ یا بغاوت کا اندیشہ  
 نہ ہو رہا یا خوش حال اور انتظام اچھا رہے۔  
 سلطنت عثمانیہ کے تمام دوست سر ڈرو مینڈ وائیٹ کے

نہایت مشکور ہیں کہ اوہوں نے نہایت ایماندار لیسے تمام چیزیں  
اصلی اور صفات طور پر بیان کیں اور فلا حین کی اصلاح  
کو اپنی گورنمنٹ کا اصلی مقصد قرار نہیں دیا اور انگلستان  
کے نا تجربہ کار مدبران ملک کو جنگی نظر انگلستان کے آئین  
و قوانین کو بجز خاص خاص حالتوں کے جاری کرنا سراسر غلطی ہے  
ہم چاہتے ہیں کہ سربراہی ایٹ ہی اس مدبرانہ اسے کو بغور  
ملاحظہ فرمائیں۔

سرڈرومینڈ وائف نے سلطنت فرانس کے حقوق کا جو ذکر  
کیا ہے چارے نزدیک وہ بالکل قابل توجہ نہیں۔ سرڈرومینڈ  
وائف نے فرانس کے حق کی نسبت بڑا زور اس بات پر دیا ہے  
کہ نہر سویز کی اصلی باقی سلطنت فرانس ہی اس میں کچھ شک  
نہیں کہ جس شخص نے پہلے یہ تجویز پیش کی وہ فرانس کا  
باشندہ تھا اور نہر مذکور کی تیاری میں روپہ بھی باشندہ  
فرانس کا زیادہ صرف ہوا لیکن یہ محض ایک تجارتی معاملہ ہے  
جس سے ملکی اور انتظامی استحقاق کو کوئی تعلق نہیں ہے  
اگر اوسکو کوئی حق ہے تو صرف اس قدر کہ نہر کے منافع کی  
واجب الادا رقم برابر ادا ہوتی رہے۔ چونکہ اہل فرانس  
ستانی میں مشہور ہیں لہذا اونا اس امر پر فخر کرنا کہ یہ  
برگام اونسکے ایک مہوطن نے کیا ہے کچھ تعجب انگیز نہیں

ہے۔ مگر صرف یہ وجہ معاملات مصر میں داخل دینے کے لئے قانون بین الممالک کی رو سے کافی نہیں سمجھی جاسکتی۔ البتہ سر ڈروینڈ و الف کا یہ خیال کہ سلطنت فرانس کو انگلستان کی ساتھ معاملات مصر میں شریک رہنے کیلئے یہی حق کافی ہے کہ وہ ایک عرصہ سے شریک انتظام رہی ہے، چند ان بجا نہ تھا۔ فرانس کا یہ حق شرکت صرف اس وجہ سے ضعیف ہو گیا کہ اونکے امیر البحر کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ جب امن کے وقت سلطنت فرانس شریک انتظام تھی تو جنگ کے وقت شریک نہ رہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے اور اسلئے اوہوں نے مدد دینے سے بالکل انکار کیا اور انگلستان کو شرکت فسخ کر دینے کے لئے ایک عمدہ محبت ملگئی ورنہ درحقیقت فرانس کو معاملات مصر میں تمام وہی حقوق حاصل ہیں جنکا دعویٰ دار انگلستان ہے۔ سر ڈروینڈ و الف انگلستان کا کوئی حق بجز اس کے نہیں ثابت کر سکے ہیں کہ نہر سویز سے جب قحط گزرتا ہے اوس میں سے تین چوتھائی برٹش انڈیا اور انگلستان کے دوسرے مقبوضہ مقامات کو جاتا ہے۔ چونکہ گورنمنٹ انگلستان کو مصر کی گورنمنٹ پر باوجود سلطانی مدد کے اس امر کا اطمینان نہیں ہے کہ وہ نہر سویز کو قائم محلوں سے محفوظ اور اوسکو ہر قوم کے لئے



کہلا رکھ سکے گی اسلئے اسنے وہ حکمت عملی اختیار کی جسکے باعث  
 سے اسکے قدیم دوست سلطنت سے اسکے دوستانہ تعلقی  
 ترک ہوئے جاتے ہیں اور اسکو لکھنؤ کا روپیہ صرف کرنا پڑتا  
 ہے اور دوسری سلطنتوں کے رشک کی وجہ سے یہ بھی  
 اندیشہ ہے کہ علاوہ ان نقصانات کے شاید بہت عزیز جان لوگ  
 بھی نقصان اٹھانا پڑے۔ جو قوت سلطنت عثمانیہ اس امر کو  
 ثابت کر دیگی کہ وہ نہر سویز کی پورے طور پر حفاظت کر سکتی  
 ہے تو اسوقت انگلستان کو مصر میں ایک سپاہی کے  
 رکھنے کا بھی حق باقی نہ رہے گا۔ یہ ممکن ہے کہ خدیو خاص خاص  
 عہدہ داروں کو اپنے مالی یا عدالتی انتظام کے لئے رکھ لیں لیکن  
 اونکا رہنما محض خدیو کی مرضی پر منحصر ہوگا اور انکے ساتھ ہی  
 برتاؤ کیا جائیگا جو خاص مصر کے رہنے والے ملازموں سے  
 کیا جاتا ہے۔

مسٹر ڈیو منڈوا لٹ کی سفارت کی ناکامیابی اور معاہدہ ۱۸۸۷ء  
 سے سلطان کے انکار کی نسبت چند غلط فہمیاں پہلی ہوئی  
 ہیں جنکا رفع کر دینا اس مقام پر ضرور ہے۔ انگریزی اخبارات  
 اور معمولی مدبران ملک کا یہ خیال ہے کہ سلطان عبدالحمید خان  
 نے اس معاہدہ کو یورپ کی اون بڑی بڑی سلطنتوں کے  
 اغوا کی وجہ سے جنکو انگلستان سے رشک و حسد ہے

نامنظور کر دیا اگر اوس سلطنتوں کی طرف سے کوئی اشارہ  
 نہوتا تو سلطان اوس مفید شرائط سے جو مشروط و مندرجہ  
 نے پیش کی تھیں ہرگز انکار نہ کرتے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے  
 کہ روس اور فرانس کی سلطنتوں نے فرقہ صوفیاء اور علماء  
 کے مذہبی تعصب کو تحریک دیکر اور سلطان عبدالعزیز خان  
 کی حالت یاد دلا کر دھکی اور خوشامد سے سلطان عبدالحمید  
 خان کو جو کہ ایک نیک مگر غیر مستقل اور سکون مزاج آدمی  
 ہیں اوس معاہدہ پر دستخط کرنے سے باز رکھا جس کے ذریعہ سے  
 ایک غیر سلطنت کو اوس کے ملک میں حسب خواہش فوجی دخلت  
 کرینکا حق پیدا ہوا جاتا تھا۔

ان خیالات کی صحت اور غلطی مقصد ذیل واقعات سے  
 ظاہر ہو سکتی ہے۔

فرانس اور روس کا اس معاہدہ سے مخالف ہونا ہرگز بعد  
 از قیاس نہیں ہے بلکہ اوس کے اختلاف کا فرض کر لینا اس موقع  
 پر بالکل قرین قیاس ہے۔ سلطنت فرانس کا اوس اقتدار  
 کو ناجائز تصور کرنا جو انگلستان مصر میں ہلا کسی حق کے حامل  
 کرنا چاہتا تھا بالکل واجبی اور فطرتی تھا اور سلطنت روس  
 اور انگلستان کی رقابت جو ایک عرصہ سے مشرقی معاملات  
 کی وجہ سے چلی آتی ہے وہ کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔

پس ایم ایم ڈی مونٹپیلو اور نیلیڈاف کا اس معاہدہ سے اختلاف کرنا بالکل تعجب انگیز نہیں ہو سکتا لیکن یہ بات کہ اس اختلاف کو سلطان کی کمزوری طبیعت کی وجہ سے کامیاب ہوئی کوئی شخص جسکو سلطان عبدالحمید خان سے گزشتہ دس سال کے حالات سے واقفیت ہے ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا ایک ایسے شخص پر جس نے ۱۷۷۶ء میں بے شمار فوجوں کے مقابلہ میں بی یار و مددگار اپنے حقوق شاہی کا فیصلہ صرف لڑائی کے آخر نتیجہ پر منحصر کر دیا ہو اور جس نے ایسے مشکل وقت میں جبکہ دشمن دروازہ تک پہنچ گیا ہو اور اس کے خوف زدہ وزراء بھاگنے کی صلاح دیتے ہوں اپنے دار الخلافہ کے چھوڑنے سے انکار کر دیا ہو اور غیر مستقل مزاجی کا الزام لگانا سراسر جنون ہے۔

جو لوگ کہ اس قسم کی بیہودہ باتیں تحریر کرتے ہیں انکو منطق کا وہ ”قاعدہ اختصار“ پیش نظر رکھنا چاہیے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک واقعہ کی نسبت محض وہ سادہ بیان جس سے اسکی کافی تشریح ہو جائے ہمیشہ قابل تسلیم ہوتا ہے۔

اس معاہدہ اور اسکے قبل کے واقعات پر تھوڑا سا غور کرنے کے بعد ہر ایک بے تعصب اور ذی فہم مدبر ملک سمجھ سکتا ہے

کہ بلا تحریک سفیران روس اور فرانس بھی سلطان کا اس معاہدہ کو نامنطور کرنا قرین مصلحت تھا اگر کوئی ایماندار اور منصف مزاج شخص تہوڑی دیر کے لئے اپنے آپ کو سلطان کی جگہ فرض کر کے اس معاملہ کو ادنیٰ نگاہ سے دیکھے تو اس کو فوراً معلوم ہو جائے کہ سلطان نے جو کچھ کیا وہ بالکل واجبی تھا۔

ناظرین کو یہ بات معلوم ہے کہ مشرق میں سلطان نے سلطنت انگلستان پر معاملات مصر اور وہان سے انگریزی فوج اٹھالینے کی بابت کس قدر زور ڈالا تھا لیکن مسٹر کلیئر سٹون کی گورنمنٹ نے اس پر مطلق توجہ نہیں کی البتہ لارڈ سالسبری نے اپنے وزیر ہونے کے بعد اس بارہ میں مرا شروع کی جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ سلطان کی وہ خواہشیں جن کو ظاہر کئے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا ہے اب پوری ہو جائیں گی۔ لیکن معاملہ مصر میں فوری تبدیلی مشکل اور کس قدر نامناسب معلوم ہوتی تھی اس لئے یہ قرار پایا کہ پہلے ایک ابتدائی معاہدہ ہو جسکی رو سے تحقیقات شروع کیجائے اور اس عرصہ تحقیقات میں فریقین کو تبدیلی کے واسطے تیار ہو جائیگا موقع ملے۔ اس عرصہ میں دو سال کا طول کھینچا اس قدر عرصہ دراز کے بعد سلطان

کو پوری امید تھی کہ جب معاہدہ اخیر منظور می سکے لئے پیش  
 ہوگا تو اوسمیں مصر سے قبضہ اور فوج اوتھا لینے کے متعلق  
 صاف صاف شرائط درج کئے جائینگے لیکن اس قدر عرصہ گزرنے  
 کے بعد نہ سوئٹزرلین آزادی کے ساتھ جہاز رانی کی مزید  
 حفاظت کیلئے ایک دوسرے معاہدہ کی خواہش ظاہر کی گئی جسکی  
 حقیقتاً کوئی ضرورت نہ تھی اور سلطان کے سامنے مفصلہ  
 ذیل شرط پیش کی گئی۔ ”چونکہ سوڈان کی غیر معمولی حالت اور  
 مصر کی پولیسکل سجدگیوں کی وجہ سے مصر کی سرحدی حفاظت اور  
 اندرونی قیام امن کیلئے کچھ عرصہ تک معمولی انتظام ضروری ہے  
 لہذا سلطنت انگلستان فوجی حفاظت اور ملکی انتظام اپنے ذمہ  
 لیتی ہے اور ان اغراض کے لئے وہ جس قدر مناسب تصور کرے  
 مصر میں فوج رکھے گی اور مصری فوج کے معاینہ کا وقتاً فوقتاً  
 حسب ضرورت انتظام کرتی رہے گی انگیزی فوج اور عام نظام  
 کے اوٹھا لینے کے متعلق جو قرار ہوا ہے اوسکی تفصیل  
 موجودہ عہد نامہ کے دفعہ پانچ کے موافق ہوگی۔

فقہ مذکورہ بالا جسکے نیچے خط کہینچا گیا ہے وہ نہایت  
 دور اندیشی سے مبہم رکھا گیا ہے جس سے سلطنت  
 انگلستان کسی شرط کی پابند نہیں رہتی۔ سوڈان کی حالت  
 غیر معمولی بیان کیجاتی ہے وہ ہرگز ایسی خراب نہ تھی جسکی

اوس سے دو سال پیشتر تھی۔ جبکہ لارڈ سائبری نے سوڈان پر سلطان کے دباؤ کو تسلیم کر کے اونکی فوج کے قیام کو مصر میں ضروری تصور کیا تھا پس یہ بات کس طور سے سمجھ میں نہیں آتی کہ شہزادہ عین انگریزی فوج کا سرحدی حفاظت کے لئے رکھنا اور انگریزی عہدہ داروں کا قیام انتظام ملک کے لئے کس بنا پر ضروری سمجھا گیا۔

دفعہ پانچ جبکہ اوپر ذکر ہوا ہے ہرگز دفعہ چار سے زیادہ اطمینان دینے والی نہ تھی جس میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ انگریزی فوج کے قیام کا زمانہ زیادہ سے زیادہ تین سال ہو گا لیکن اگر کسی اندرونی یا بیرونی خطرہ کی وجہ سے تخلیہ ملتوی رکھنا ضروری معلوم ہو تو خطرہ کے رفع ہونے تک تخلیہ ملتوی رہیگا۔ اور اس تخلیہ کے بعد ہی فوج دو سال تک انگریزی انتظام میں رہیگی یہ شرائط گویا بجاے خود بھی قابل اطمینان نہ تھیں لیکن اس دفعہ کے اخیر حصہ کی وجہ سے سلطان اوسکو کس طور سے منظور ہی نہیں کر سکتے تھے۔ دفعہ ہذا کے اخیر حصہ میں یہ قرار پایا تھا کہ اگر بیرونی حملہ کے اندیشہ کے کافی اسباب موجود ہوں یا اندرونی امن میں خلل واقع ہو یا خود مصر اواسے حقوق سلطانی یا فرائض ملکی میں تشاہل کریں تو سلطنت عثمانیہ کو مصر پر

بزرور قبضہ کر لینے کا اختیار ہوگا لیکن اس صورت میں  
 انگلستان کے حقوق سلطان کے مساوی سمجھے جائیں  
 گے۔ یہ دونوں دفعات سلطان کی نامنفوری معاہدہ  
 کے لئے ایسے کافی وجوہات ہیں کہ فرانس کی دہمکی یاروں  
 کی خوشامد کو انکار معاہدہ کا سبب قرار دینے کی کوئی  
 ضرورت باقی نہیں رہتی۔

سفیروں کی واپسی کے بعد سلطنت انگلستان نے جو  
 طرز عمل اختیار کیا ہے اس سے معاملات مصر کی  
 پیچیدگیوں کے جلد رفع ہونے کی بظاہر کوئی امید  
 نہیں معلوم ہوتی۔ کچھ عرصہ ہوا کہ انڈر سکرٹری آف  
 اسٹیٹ نے ہوس آف کابینہ میں یہ بیان کیا کہ مصر  
 میں ہماری جو پہلی حالت تھی اوسمیں کوئی تبدیلی بخرا سکے  
 نہیں ہوئی کہ جو کچھ ہمارا رویہ اور وقت سلطان  
 کے اظہار دوستی میں صرف ہوا اوسکا نتیجہ ہم کو مل گیا  
 کیونکہ سلطنت عثمانیہ نے مصر میں انگلستان کے حقوق  
 کو تسلیم کر لیا ہے اور اب وہاں ہمارا قیام سلطان  
 کی رضا مندی سے ہے۔ جب اس امر پر لحاظ کیا جاتا  
 ہے کہ سلطان عبدالحمید خان ثانی ایک لمحہ کے لئے بھی  
 اپنے اوں حقوق سے جو اوں کو مصر پر حاصل ہیں

دست کش نہیں ہوئے بلکہ ایک زبردست قوت سے  
 مجبور ہو گئے ہیں اور مہرمین وہ انگریزی فوج کے  
 قیام کو صریحاً قانون بین الممالک کی خلاف ورزی سمجھتے  
 ہیں تو انڈر سیکرٹری آف اسٹینٹ کا بیان بہ نسبت  
 سیاسی کے زیادہ تر حکمت عملی پر مبنی معلوم ہوتا ہے  
 حقیقت امر یہ ہے کہ اس نہر کی حفاظت کے لئے جو  
 بیہودہ طور پر شور و غل مچایا جاتا ہے وہ بالکل بجا اور  
 غیر ضروری ہے اس لئے کہ جو خندق مسٹر ڈی لیس  
 نے کھودی تھی وہ کسی طور سے انگلستان کی مشرقی  
 سلطنت کی آمد و رفت کے واسطے ضروری نہیں ہے  
 امن کے وقت اوسمین آزادی کے ساتھ جہاز رانی  
 کی نسبت کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اور لڑائی کے  
 وقت ہندوستان پہنچنے کے لئے وہ ہرگز قابل  
 اطمینان راستہ نہیں ہو سکتا۔

اگر بدعتی سے اوسکے تنگ حصونین کسی جہاز کے بند  
 کر دیئے یا ڈبا دیئے کی کوشش کی جائے تو بشمار بحری  
 یا بری فوج بھی اوسکو نہیں روک سکتی ہے بے حد  
 تعویق اور اون اخراجات کے لحاظ سے جو اس راستہ  
 میں پڑتے ہیں یہ امر مشتبہ ہے کہ یہ نہر دنیا کی تجارت



کے لئے بے انتہا مفید ہے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔

تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو اس امر پر یقین رکھنا چاہئے کہ سلطان عبدالحمید خان کبھی کسی ایسے معاہدہ پر دستخط نہیں کریں گے جو ان کے حقوق شہنشاہی مصر میں مخل ہو اور تمام ایسے انتظامات میں جنہیں اس امر کا لحاظ نہ رکھا جائیگا یقیناً ناکام یا بی ہوگی بلکہ امید ہے کہ انگلستان کی عام رعایا اس معاملہ میں اپنے پولیٹیکل پیشواؤں سے زیادہ تردد و راندیشی کو کام میں لائیگی اور جس وقت ایرلینڈ کے معاملات جو خود اس وقت مصر سے کم نہیں قابل اطمینان طریقہ پر فیصلہ ہو جائیں گے تو وہ خود اپنے وکلاء کے ذریعہ سے اس پر زور دے گی کہ ان کے ملک کی فوجیں ایک منٹ کے لئے بھی مصر میں نہ چھوڑی جائیں اور ان سے ہرگز وہ کام نہ لیا جائے جسکو ان سے زیادہ اچھی طرح دوسرے لوگ انجام دے سکتے ہیں۔ اور نیز یہ خواہش کریگی کہ سلطان کو اس قسم کی آسان اور سہل تدابیر اختیار کرنے کا موقع دیا جائے جسکی وجہ سے مصر میں امن اور آسائش قائم ہو سکے اور اسکو ان تمام دقتوں اور پریشانیوں سے نجات ملے جنہیں وہ ایک عرصہ دراز سے مبتلا ہے۔

## فصل پنجم

### معاملات بلغریا

جنوبی اور مشرقی یورپ کے پولٹیکل معاملات سمجھنے کے لئے اوزن واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کرنا ضرور ہے جو گذشتہ دس سال میں بلغریا میں پیش آئے ہیں۔ پس بلا خیال اعادہ مجھ کو سین استفنو کے معاہدہ سے شروع کرنا چاہئے۔ اگرچہ اس پر مشہور معاہدہ میں کونسل برلن نے بہت کچھ تبدیلیاں کر دی ہیں مگر باوجود اسکے وہ مدبران ملک کیلئے ایک بیش بہا دستاویز ہے کیونکہ اس سے سلطنت عثمانیہ کے عیسائی صوبوں کی آزادی اور جدید انتظام کی نسبت سلطنت روس کے اصلی خیالات ظاہر

اس مقام پر بجائے سلطنت روس کے زار روس کہنا زیادہ تر مناسب ہوگا۔ کیونکہ اجزاء و ٹکڑی سخت حفاظت اور اظہار رائے کی ممانعت کی وجہ سے باشندگان سلطنت روس کے اصلی خیالات کا دریافت ہونا بالکل غیر ممکن ہے۔

ہوتے ہیں۔ عہد نامہ جات سین سینفور اور برلن میں  
 یہی فرق ہے کہ پہلا معاہدہ روس کی دلی خواہشوں  
 کے مطابق تھا اور دوسرا اوسکو مجبوری طوعاً و کرہاً  
 منظور کرنا پڑا۔

عہد نامہ سین سینفور کی دفعہ چہم یہ ہے۔  
 ”بلغیریا ایک جداگانہ باج گزار صوبہ قرار دیا جائے  
 اور اوسمین عیسائی حکومت اور قومی فوج مقرر کی جائے  
 قبل اسکے کہ روسی فوجین روسیلیا کو خالی کریں صوبہ  
 بلغیریا کے تعین حدود کے لئے ایک روسی اور عثمانی  
 کمیشن مقرر ہو۔“

اس دفعہ میں مجمل طور سے اس جدید صوبہ کے حدود  
 بھی بیان کئے گئے تھے جس میں وہ تمام ملک شامل تھا  
 جو شمال میں دریائے ڈینوب سے لیکر جنوب میں  
 سمندر اجمین تک پہنچا ہوا ہے۔ اوسکی مغربی حد سرویا  
 اور البینیا اور مشرقی حد بحرامود قرار پائی۔ اس  
 معاہدہ کی دوسری دفعات میں سرویا اور  
 ہانٹی نگزو کو آزادی اور بوسینیا اور ہرزیگوینا  
 کو جداگانہ انتظام کا اختیار دیا گیا تھا۔ اگر ان شرائط  
 کی پوری تعمیل کیجاتی تو سلطنت عثمانیہ اڈریاٹک

گیلی پولی اور قسطنطنیہ کے مختصر منسلک مین محمد و درجانی  
ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ سلطنت روس  
بمقابلہ علانیہ اور بر ملا حملہ کے ہمیشہ پوشیدہ بیخ کنی  
کو زیادہ پسند کرتی ہے چنانچہ قبل از اعلان جنگ  
سالہا سال سے اس حکمت عملی کے موافق نہایت  
استغلاں کے ساتھ کارروائی ہوتی رہی اور  
روس کے بشمار پولیسکل ایجنٹ باشندگان  
بلغیریہ کو یہ سمجھاتے اور پڑھاتے رہے کہ وہ  
بجائے خود ایک قوم ہیں اور اسلئے ان کو  
یونانیوں اور ترکوں سے علیحدہ ہو کر اپنی مستقل  
حکومت قائم کرنے کا حق حاصل ہے اور ان کو  
سرگروہ اقوام سائونیک کے ساتھ ایک خاص  
تعلق ہے۔ پس جبوقت وزراء روس نے  
سین اسٹیفنو کا معاہدہ تیار کیا اسوقت ان کو  
یہ خیال تھا کہ باشندگان بلغیریہ میں جو خیالات  
روسی ایجنٹوں نے پیدا دیئے ہیں انکی وجہ  
سے اس جدید صوبہ کے انتظام میں بہت زیادہ  
دقت نہ پیش آئیگی اسی بنا پر معاہدہ مذکور کی دفعہ  
میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ بلغیریہ میں ایک امیر

”بذریعہ انتخاب رعایا و منظور می باب عالی و مشورہ دیگر سلاطین یورپ مقرر کیا جائیگا۔ لیکن بڑی بڑی سلطنتوں کے حکمران خاندان میں سے کوئی شخص بلگیر کا امیر نہ مقرر ہو سکیگا۔“

معاهدہ سین اسٹیفن کی وہ دفعہ چھین اس جہد پر صوبہ کی حد کوہ بالکن کے اوس پار مقرر ہوئی تھی ترسیم کردہ گئی مگر غالباً اوس ملاقات کی وجہ سے جو ”ایماندار دلال“ نے اُدھی رات کو لارڈ بکنسٹن سے کی انتخاب امیر کی دفعہ بحالت خود چھوڑ دی گئی۔ اس معاملہ میں بھی زاریروس نے عام آزادی کے ساتھ اپنی قومی اور مذہبی عداوت اور ناپسندیدگی ظاہر کی۔ جو لوگ شخصی سلطنت کے طرفدار ہیں وہ اوسکی تائید میں سلطنت کے تاریخی تسلسل کو جو پشت یا پشت سے برابر چلا آتا ہے ایک بیش بہا دلیل حیاں کرتے ہیں لیکن جو لوگ شخصی سلطنت ایسی قوم کے لئے تجویز کرتے ہیں جو تعلیم یافتہ ہو اور ایک نئی زندگی شروع کرنا چاہتی ہو اور نکاح مرتبہ فدائیان سلطنت شخصی سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ بلگیر یا مین نہ اوسوقت اور نہ اوس سے پہلے کوئی شاہی خاندان تھا پس بلگیر یا

بین سلطنت جمہوری نہ قائم کرنے کی (بجز اوس نفرت کے جو روس کو تمام جمہوری سلطنتوں سے ہے) بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ چونکہ جمہوری سلطنتیں عام طور سے ظالموں کے پنجے سے محفوظ رہتی ہیں لہذا یہ قرار دیا گیا کہ بلغیریا میں ایک امیر مقرر کیا جائے جسکے انتخاب کی منظوری اور نامنظوری بالکل روس کے اختیار میں رہے اور یہ بچہ اوسیکے سیاح عاطفت میں پرورش پاسے۔

بہرحال (دفعہ) میں یہ قرار پایا تھا کہ جدید انتظام اور اوسکی نگرانی دو سال تک ایک روسی شاہی کمیشن کے سپرد رہے گا۔ دفعہ (۲) میں یہ تجویز ہو اہا کہ بلغیریا کے ہر ایک حصہ سے عثمانی فوج اٹھائی جائے اور جب تک ملکی فوج کی بہرتی جو قیام امن و آسائش کے لئے کافی ہو اور جسکی تعداد فریقین معاہدہ کے باہمی مشورہ سے مقرر کی جائیگی پوری نہو جائے۔ روسی فوجین ومان ہرین اور بوقت ضرورت کمیشن کی مدد کرتی رہیں۔ روسی فوجوں کا زمانہ قیام تقریباً دو سال قرار پایا تھا۔

اس مضطربانہ عنایت کے جو وجوہات پرئس گارنٹ کا راسخکاف  
نے بیان کئے تھے وہ قابل تحریر ہیں اور انکو ہم  
ذیل میں درج کرتے ہیں۔

”بعض دفعات کو محفل چھوڑ دینے کی یہ وجہ ہے  
کہ آئندہ بوقت ضرورت اوسمین تغیر و تبدل کی  
گنجائش رہے۔ بلکہ یامین روسی فوج کا قیام  
دو سال کے لئے اس مصلحت سے تجویز ہوا تھا کہ  
غالباً اس عرصہ میں ملک میں امن قائم ہو کر مسلمان  
اور عیسائی رعایا میں باہمی فتنہ و فساد کا اندیشہ باقی  
نہ رہے گا۔ جدید آئین و قوانین جاری ہو جائیگے اور  
قومی فوج کی بہرتی پوری ہو جائیگی۔ اس عرصہ  
کے یقین سے یہ بھی غرض تھی کہ لوگوں کو اس بدگمانی  
کا موقع نہ ملے کہ سلطنت روس اس ملک پر ہمیشہ  
کے لئے قابض ہونا چاہتی ہے جسکا مجلس وزراء  
سلطنت روس کو ہرگز خیال نہ تھا۔ یہ عرصہ صرف  
تخمینی ہے اور مجلس وزراء اوسمین تخفیف کر دینے  
پر یا منی ہے بشرطیکہ اس تخفیف سے قیام امن کے  
مشکل اور اہم کام میں کوئی ہرج نہ واقع ہو۔ بیان  
کیا جاتا ہے کہ سلطنت روس بلگیریا کو اپنے سلسلہ

حکومت میں لانا چاہتی ہے لیکن اوسکا ہرگز ہرگز ہم  
 منشا نہیں ہے۔ ملک میں قوانین پہلے سے جاری  
 ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی صرف طریقہ تخیل  
 قانون کی نسبت جو بے انتہا ناقص تھا تو جب کی گئی ہے  
 روسی گورنروں کے تقرر سے صرف یہ غرض تھی  
 کہ قومی ترقی کی حفاظت کی جائے اور باشندگان  
 بلغیریا کا وہ پہلا طبقہ منعقد ہو سکے جو آئندہ انتظام کے  
 تصفیہ کے لئے طلب ہوا تھا۔

معائدہ برلن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ایماں  
 اور سچائی کا اثر یہ تجربہ کار مدبر ملک سلطنت ہار  
 یورپ کے سفیروں پر ڈالنا چاہتا تھا اوسمیں اوسکا  
 کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اونہوں نے نہ صرف  
 اس صوبہ کی جنوبی حد کوہ بالکنس مقرر کی بلکہ  
 سلطنت روس کی نگرانی کا زمانہ بھی تقریباً دس

بہن ایجنٹوں نے بلغیریا میں روس کے واسطے راستہ صاف  
 کر دیا تھا وہ عام طور سے بلغیریا کی اوس جماعت سے بہرہ  
 کئے جاتے تھے جس نے روس میں تعلیم پائی تھی اور جو مذہبی  
 اور تمدنی اصول کے اعتبار سے بالکل روحی ہو گئے تھے۔ ان



سال کے نو مہینے رکھا اور بلگیر یا سے روسی فوج کے اٹھالینے کا زمانہ بھی نہایت برجمی سے مختصر کر کے صرف نو مہینے قرار دیا۔ اور سلطنت روس سے صاف صاف الفاظ میں یہ چاہا گیا کہ وہ تین مہینے کے عرصہ میں اپنی فوجوں کو روچنا سے اٹھالے اور اس ملک کو بالکل خالی کر دے۔ انگلستان کے اس فرقہ ریڈیکل (آزاد) کو جو امراد انگلستان اور مشرقی بادشاہوں کے علاوہ ہر شخصی حکومت کی نیک نیتی پر اعتماد کرنے کو مستعد رہتا ہے۔ یہ سنکر نہایت تعجب ہو گا کہ ممبران کانگریس کو یہ خیال تھا کہ بلگیر یا میں جو انتخاب روس کی فوجی افسروں کی نگرانی میں ہو گا وہ پوری آزادی کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اس خیال کی تائید اس وقت اور زیادہ ہو گئی جبکہ انعقاد کانگریس سے چند ہی روز بعد ممبروں کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ سلطنت

بقیہ صفحہ (۱۹۷) ایجنٹوں کو مختلف قسم کی تاریخی کتابیں اور رسالے دئے جاتے تھے اور ان میں یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ جنوبی اور مشرقی یورپ کی آزادی کے ساتھ اقوام بان بھوک میں ایک عظیم الشان اتحاد ہا متحی زار روس قائم ہونے والا ہے۔

روس کا فوجی گورنر بلگیریا کی آئندہ مالی اور ملکی  
 حالت پر اثر ڈالنے کے لئے مختلف تدبیریں کر رہا ہے۔  
 بعد کے واقعات نے یہ امر بخوبی ثابت کر دیا کہ  
 سلطنت روس اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل  
 کرنے کیلئے کسی خاص طریقہ کی پابند نہیں ہے۔  
 قبل انتخاب پرنس الکزنڈر اف بیٹن برگ روسی  
 کمشنروں سے باشندگان بلگیریا سے صاف صاف  
 کہہ دیا تھا کہ فلاں ہمارا دوست اور فلاں دشمن  
 ہے اور تمہاری آئندہ بہبودی اور عظیم الشان  
 شہنشاہ کی حفاظت اور ہمدردی پر موقوف  
 ہے جسکی عام آزادی کا یادگار جلاوطنوں کا وہ  
 سلسلہ ہے جو متواتر سبیریا کی کانوین کام  
 کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے اور جسکی آزادی کے  
 بعد سینٹ پیٹربورگ اور سینٹ پال کے قلعہ ہیں۔  
 آخر کار معاہدہ برلن کی تیسری دفعہ کے مطابق  
 پرنس الکزنڈر منتخب کیا گیا اور بلگیریا کے بظاہر تمام  
 یورپ کی سلطنتوں لیکن درحقیقت سلطنت روس  
 کی سرپرستی میں اپنی قومی زندگی شروع کی۔  
 جو لوگ پرنس الکزنڈر کے استقبال کے لئے

گئے تھے اور نکاح سرگروہ روسی شاہزادہ دونڈوکوف  
 کا رسکاف تھا۔ بہر حال زار روس نے مختلف  
 طریقوں سے یہ امر طرہ پر کر دیا تھا کہ یہ دیا کے عام  
 انتخاب کو وہ بدل پسند کرتا ہے اور روسی طریقہ  
 ملک بخوبی سمجھ ہوئے تھے کہ اگرچہ معاہدہ سین سینٹو  
 میں اونکے خلاف مرضی ترمیم ہو گئی ہے مگر اس  
 صوبہ کی آئندہ حکمت علی او نہیں کے ہاتھ میں رہیگی  
 اور جو بغاوت آخر کار سلطنت عثمانیہ کے خلاف  
 کیجائیگی اوسکی کامیابی میں کوئی اندرونی مزاحمت  
 پیش نہ آسکے گی۔

سلطان عبدالحمید خان نے جو وقت اس شاہزادہ  
 کو پہلی مرتبہ باریابی کی اجازت دی اوسی وقت یہ  
 بات اوسکو سمجھا دی تھی کہ بلغیریا کے خطرات اور  
 مشکلات سے وہ بخوبی واقف ہیں اور انکا انداد  
 صرف اسی طور سے ہو سکتا ہے کہ معاہدہ برلن کا ہر  
 ایک شریک اون معاہدات کی لفظاً اور معنیاً تعمیل  
 کرتا رہے۔ سلطان نے پرنس الکزنڈر سے یہ بھی  
 کہہ دیا تھا کہ باشندگان بلغیریا کو بلا لحاظ مذہب کے  
 یکساں اور برابر سمجھنا نہایت ضرور ہے۔ بلغیریا کے

عیسائی ترکون کی صد ہا سال کی حکومت کے بعد بھی خوشحال ہیں۔ پس مسلمانوں کی جہنوں نے اخیر زمانی میں سخت مصیبتیں اُٹھانی ہیں حتی الامکان مدد اور حفاظت کرنا بالکل قرین انصاف اور سہم مصلحت ہے۔ لیکن ایک سال کے تجربہ کے بعد معلوم ہو گیا کہ پرنس الگزنڈر پر اپنے پادشاہ کی ان نیک صلاحوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ ان کے مسلمانوں پر جو ظلم ہوتے تھے۔ ان کی خبریں برابر سلطان کو پہنچتی رہتی تھیں۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر بلگیریا کی حالت میں معتد بہ ترقی نہ ہوئی تو سلطان کو اپنے حقوق شاہی کو کام میں لانے کے لئے کوئی انتظام کرنا پڑیگا۔ اسی عرصہ میں سلطان کو یہ ضرورت واقع ہوئی کہ وہ یورپ کے بڑی بڑی سلطنتوں کو اس امر سے آگاہ کر دیں کہ معاہدہ برلن میں جو شرائط باب عالی کے لئے مفید ہیں ان میں سے اب تک ایک کی بھی تعمیل نہیں ہوئی ہے۔ بلگیریا کے قلعوں کے انہدام کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن اس وقت تک ان میں سے ایک دیوار بھی نہیں گرائی گئی۔ جب اسٹمبریا اور انگلینڈ نے اس معاملہ میں زور دیا تو پرنس الگزنڈر کی طرف سے یہ جواب پیش کیا گیا۔ کہ قلعوں کے انہدام کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ اور روپیہ خزانہ میں بالکل نہیں ہے۔ اور علاوہ برلن اور قلعوں کی بطور بارگون اور گوداموں کی ضرورت ہے۔ بحقیقت یہ جواب بالکل روسیانہ جواب ہے۔ سلطان کو علاوہ ان امور کے

اون متواتر سازشوں کے طرف ہی غلط رہنا پڑتا تھا جو روسی مشرقی  
 رومیلیا میں خلافت معاہدہ برلن کر رہی تھی۔ سلطان فرعام سلطنت تہائی  
 یورپ کو متنبہ کر دیا تھا۔ کہ روس کی ان تمام کارروائیوں اور سازشوں  
 کو دیکھ کر خاموش بیٹھے رہنے کا صرف یہی نتیجہ ہوگا کہ یورپ کو مشرقی  
 سوال پر دوبارہ بحث کرنے کی ضرورت پڑے۔ اس کتاب کی لکھت  
 وقت جو تارکی خبریں روزانہ شائع ہوتی تھیں۔ ادن سے صاف  
 ظاہر ہوتا تھا کہ یہ پیشین گوئی بہت جلد پوری ہو جاوے گی۔ اس  
 جدید صوبہ میں روسی طاقت بڑھانے کے لئے مجبور تدرین کیجاتی تھیں  
 وہ سلسلے میں بالکل صاف ظہور ظاہر ہو گئیں۔ اور الگزندرنے  
 اپنے آپ کو ایک روسی جنرل کے ہاتھ میں دیدیا۔ جنرل ایرن راہت  
 کی پہلی تجویز یہ تھی کہ سلیو زبان کے بولنے والے غیر ملکیوں کی  
 ایک کونسل آف اسٹیٹ قائم کیجائے۔ اور بعد تمام صوبہ میں  
 روسی عہدہ دار بطور فوجی کشنرون کے مقرر کئے جا دیں۔ اس  
 صاف ظاہر ہے کہ اس وقت پرلنس الگزندرنے یہ مصمم ارادہ  
 کر لیا تھا کہ "وہ اُون غیر منفک تعلقات کا جو کہ روسی قوم  
 ہمشندگان بلگیر پاسے ہیں۔ ایک بہت بڑا حادثہ اور معاہدہ  
 بنجاوے۔ یہ ارادہ اس قدر قریں قیاس اور مصمم معلوم ہوتا تھا  
 کہ سلطان نے ایک پرزور یا دوست سلطنت تہائی یورپ کو سامنے

پیش کی۔ اور اوس میں تفصیل وار اودن معاملات کو دکھایا جن میں  
 بلگیریا کی گورنمنٹ نے معاہدات برلن کی خلاف ورزی کی تھی۔  
 یادداشت میں یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ بلگیریا میں جان دمال کی خطا کا  
 کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ اور اودن کو ملکی معاملات میں وہ حسل  
 نہیں دیا گیا جسکے وہ مستحق ہوں۔ اور نہ ترکون کے تجارتی بحسٹ  
 باضابطہ طور سے تسلیم کئے گئے ہیں۔ سلطان نے اودن سلمان  
 جلاوطن کی حستہ حالی کے طرف بھی توجہ دلائی۔ جو اپنے ملک میں  
 جاکر دوبارہ آباد ہونے کے آرزدمند تھے۔ یا اپنی جاہداد و دن  
 نہ قبضہ پانے کی وجہ سے بہر کے مرتے تھے۔ اس یادداشت کو  
 اخیر میں سلطنت ہاسے یورپ سے اس اوصاف کی امید کی گئی تھی۔ جبکہ  
 شہرہ باب عالی نے بہت کچھ سنا تھا۔ لیکن اپنے معاملات میں  
 اوسکا وجود بہت کم پایا تھا۔

اس یادداشت کا اس قدر اثر ہوا کہ سلطنت ہاسے یورپ نے  
 پرنس الگزنڈر کو معاہدہ برلن کی تعمیل کے لئے تاکید کر کے یہ لکھا کہ  
 باب عالی نے بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ تمہاری گورنمنٹ نے مختلف  
 مذاہب کو لوگوں کو یکساں نہیں سمجھا ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ معاہدہ  
 برلن کے تمام شرائط کی جن کی بنا پر تمکو تخت ملا ہے۔ پوری تعمیل کجا  
 اوسوقت پرنس الگزنڈر نے یا تو روسیوں کی سرپرستی سے تنگ ہو کر  
 یہ سمجھ لیا کہ روس پرستی تمام آزادیوں کے معاوضہ میں بل سستی

یا یہ خیال کیا کہ سلطنت ہا سے یورپ اپنی صلاحوں کو صرف الفاظ  
 محدود نہیں رکھیں گے۔ یا کہ سلطنت روس کو اقبال کا ستارہ  
 تھوڑی دیر کے لئے اس وقت تنزل میں تھا۔ بہر حال کوئی نتیجہ  
 اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ اس وقت اس نے اپنے معاملات  
 میں پہلے سے زیادہ آزادی اختیار کی۔ جس میں اس کی گورنمنٹ  
 کے کچھ با اثر لوگوں نے اس کی تائید کی۔ اس تبدیلی کا یہ نتیجہ ہوا  
 کہ دفعتاً ایک پولیٹیکل جوش پھیل گیا۔ بلگیریا کے فرقة لبرل نے  
 الگنڈر پر بہت زور ڈالا۔ اور تمام ملک میں روسیوں کے  
 مخالف خیالات پھیلنے شروع ہو گئے۔ ملکی سچی گیان رو نہ  
 بروز بڑھتی گئیں۔ جن میں پرنس الگنڈر نے اپنے آپ کو  
 کمزور اور متعصب شخص ثابت کیا۔ اکتوبر ۱۸۷۷ء میں سلطان  
 سلطنت ہا ہی یورپ پر دوبارہ معاہدہ برلن کی تعمیل کے لئے  
 زور ڈالا۔ اور پرنس الگنڈر کی اون تقریروں کی طرف  
 متوجہ کیا۔ جن میں اس نے چند ایسے الفاظ استعمال کیے  
 جو سلطان کے مسلمہ حقوق شہنشاہی کے خلاف تھے۔ اس متوجہ  
 سلطان نے شرکاء معاہدہ برلن سے عدم مداخلت کی سخت  
 شکایت کی جس کی وجہ سے روز بروز سچی گیان بڑھتی جاتی  
 ہیں۔ اور جب آخری سبب بجز لڑائی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔  
 لیکن سلطنت ہا ہی یورپ نے یہ خیال کر کے کہ وہ بلگیریا کے

حالات سے بہ نسبت ترکون کے زیادہ واقف ہیں۔ کسی قسم کی مداخلت نہ کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۵ء میں پرنس الگزنڈر نے عالم راے سے تہاثر اور مجبور ہو کر وہ کارروائی اختیار کی جسکی وجہ سے اوسکا تخت اوسکے ہاتھ سے نکل گیا۔ مشرقی رومیلیا نے بغاوت کر کے پرنس الگزنڈر سے یہ درخواست کی کہ اونکا ملک بلغیریا کی حکومت میں شامل کر لیا جائے۔ پرنس الگزنڈر نے اس غدر پر کہ وہ قوم کی عام رائے سے مخالفت نہیں کر سکتا۔ رومیلیا کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اور کوہ بالکنس (بلقان) کے دونوں جانب مشترکہ ممالک پر قابض ہو گیا۔ اس شکل موقع پر سلطان عبدالحمید خان نے وہ حکمت عملی اختیار کی جسے اون کی صحت رائے اور پولیٹیکل مشکلات پر غالب آنے کی اعلیٰ قابلیت کو بخوبی ثابت کر دیا۔ برلن کی کانگریس میں بلغیریا کی آزادی کے متعلق سلطان نے جب اختلاف کیا تھا اوسوقت وہ اس امر کو بخوبی سمجھے ہوئے تھے کہ اگر بلغیریا بالکل آزاد کر دیگئی تو زار روس کے تمام منصوبہ بالکل پورے ہو جائینگے۔ سلطان کے اس اختلاف پر پوری توجہ کی گئی۔ اور وہ ممالک جو کہ بالکنس کے جنوب میں واقع ہیں۔ اونہیں کی نگہبانی میں چھڑ دئے گئے تھے۔ لیکن اب معاملہ کی صورت بالکل بدل گئی تھی۔ اور زار روس کی ہوس کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ کوہ بالکنس کے شمال اور جنوب کے رہنے والے روسی سازشوں اور مداخلتوں سے



تنگ آگئے تھے۔ اور پرنس الگنڈر اپنے روسی صلاح کاروں کو دور  
 کر کے بظاہر زار کے حلقہ اطاعت سے نکلنا چاہتا تھا۔ تومی آزادی  
 اور حوصلہ مندی کا حامی (زار روس) یہہ دیکھ کر کہ خود اوس کی  
 بنائے ہوئے لوگ اوس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ غصہ سے  
 بیتاب ہو گیا۔ سب سے پہلے پرنس الگنڈر کا نام روسی فوج سے  
 خارج کر دیا گیا۔ اور صاف صاف الفاظ میں اوس سے کہہ دیا گیا کہ  
 اس وقت سے روسی حفاظت اور سرپرستی متے اوٹھانی لگی۔ اس کے  
 مقابلہ میں پرنس الگنڈر نے ایک اڈریس سلطان کی خدمت میں پیش  
 کیا۔ اور اوس میں نہایت سچائی سے سلطان کو مالک متفقہ کا  
 اعلیٰ حاکم اور شہنشاہ تسلیم کیا۔ سلطان عبد الحمید خان نے یہ دیکھ کر  
 کہ بلگیریا کی موجودہ حالت سلطنت ہای یورپ پر اوس رائے کو  
 صحیح ثابت کرنے کے لئے جبکہ وہ بارہا ظاہر کر چکے تھے نہایت  
 عمدہ ہے۔ ان باغی مالک کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش نہیں کی  
 اور صرف اس قدر انتظام کر دیا کہ مالک مذکور میں اور زیادہ بد نظمی نہ  
 پائے۔ اس موقع پر ایک چالاک آدمی نے میلان بادشاہ  
 سرویا کو سبز باغ دکھا کر یہہ صلاح دی کہ برلن کی کانگریس میں  
 اسکو جو ناکامیابی ہوئی تھی۔ اسکا معاوضہ اس وقت نہایت آسانی  
 کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اور مالک بوسینا اور ہرزگووینا جو سب سے  
 سرویا میں شامل ہونے کے استریا کو دے گئے ہیں۔ بلا

وقت کے واپس مل سکتے ہیں۔ اور یہ وقت جبکہ پرنس الگزنڈر کی رعایا اوس سے ناخوش ہے بلگیریا پر حملہ کر دینے کے لئے نہایت مناسب ہے۔ ایسے وقت میں اگر کسی طور سے اوسکی بہادر فوج کو مدد کی ضرورت ہوگی تو غالباً کوئی قوی ہمسایہ بھی اوسکی مدد کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔ غماز کا یہ جادو چل گیا۔ اور شاہ سیلان نے بلا کسی دور اندیشی کے فوراً بلگیریا کے خلاف اعلان جنگ دیدیا۔ لیکن پرنس الگزنڈر نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ گودہ امن کی وقت میں کس قدر کمزور ہو۔ لیکن میدان جنگ میں بڑا بہادر اور دل چلا ہے پرنس الگزنڈر نہایت جوش و خروش کے حالت میں اپنی چوٹی سی فوج لیکر دشمنوں کا حملہ روکنے کیلئے آگے بڑھا۔ اگرچہ اہل سرویا کی اس ناگہانی اور خلاف توقع کارروائی سے ادن کی روک تھام مشکل ہو گئی تھی۔ لیکن پرنس الگزنڈر نے بہت جلد اونکو شکست دیکر بلگیریا کے حدود سے نکال دیا۔ جسکی وجہ سے علاوہ اہل یورپ کی ملامت کے وہ اس قدر بیدست و پابا ہو گئے کہ بغارت تک پرنس الگزنڈر کے لئے راستہ کھل گیا۔ لیکن الگزنڈر وہاں تک نہ پہنچنے پایا کیونکہ سلطان عبدالحمید خان نے ”شیر سرویا“ کی اس مشکل حالت میں مدد کر کے ہمت جنگ کی تجویز پیش کی۔ جسکی منظور ہونے اس لڑائی کا خاتمہ کر دیا۔

جب سلطنت اردوس کو باسندگان بلگیریا کی عام آزادی ملی تو

ناکامیابی ہوئی تو اوسنے خود پرنس الگزنڈر کی ذات پر حملہ کیا۔  
 اور جو مقصد سرویا کی لڑائی میں پیش نظر رکھا گیا تھا وہ بذریعہ اک  
 جابرانہ کارروائی کے حاصل کیا گیا۔ اپریل ۱۸۵۶ء میں ایک  
 مسلح جماعت نے پرنس الگزنڈر کو گھیر لیا۔ اور ایک تپنجہ اوس کو  
 سینہ پر رکھ کر دست برداری سلطنت کے متعلق اوس سے  
 ایک تحریر لے لی گئی۔ اور اوسکو قید کر کے ملک کو باہر بھیج دیا۔ اگرچہ  
 سلطنت روس نے اپنی محض لاعلمی اور بے تعلقی کارروائی مذکورہ  
 ظاہر کی۔ لیکن اوسپر کسی شخص نے بجز ٹیلر گزٹ کے اعتبار نہیں کیا  
 اس ظالمانہ اور جابرانہ کارروائی سے تمام یورپ میں ایک عام  
 ناراضی پھیل گئی۔ اور اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ اگر پرنس الگزنڈر  
 اس قید سے آزاد ہو کر اپنے ملک کا قصد کرتا تو یورپ کی بڑی  
 بڑی سلطنتیں اوسکی ضرورت درکرتیں۔ اور وہ اپنے تخت پر زیادہ  
 استحکام کے ساتھ قابض ہو جاتا۔ لیکن اس موقع پر الگزنڈر نے  
 اوس قوت فیصلہ اور استعداد سے بالکل کام نہیں۔ جو اوس نے  
 سرویا کی لڑائی کے وقت ظاہر کیا تھا۔ پہلے وہ ایک عرصہ تک  
 مترود رہا۔ اور کام کے وقت کو ضائع کر کے جب وہ اپنے  
 ملک کو واپس آیا تو اوس نے زار روس کو ایک مراسلہ ایسے غلامانہ  
 اور متبذل خورشادانہ الفاظ میں تحریر کیا کہ اہل یورپ کو جو دلچسپی  
 اوس کے ساتھ پیدا ہو گئی تھی وہ بالکل زائل ہو گئی۔ اور اوس کو بعد

وہ تھوڑے سے ہی عرصہ میں مشرقی دنیا کے اسٹیج سے غائب ہو گیا۔  
 اوس روز سے آج تک یہ "خود مختار ملک" جیسے کانگریس پرلن کے  
 ممبروں نے اس قدر توجہ کی تھی اور جس کی پسپودہی اور فلاح کو کڑا  
 دس سال پیشتر یورپ کی تمام سلطنتیں سخت کوشش کرتی تھیں۔  
 ایسی دردناک حالت میں مبتلا ہے کہ اگر اوسپر انسان اور فرشتے  
 رویں تو بجا ہو۔ اس سے یہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ سلطان  
 جو بہ برادر صلاحین اس معاملہ میں بارہا دی تھیں۔ اور جس پر مطلق توجہ  
 نہیں کی گئی تھی وہ بالکل صحیح اور معقول تھیں۔ پرنس الگزنڈر کی  
 آخری رخصت کے بعد امیر بلغیہ کے قائم مقام نے بالگیر با کی حکو  
 قبول کرنے کے لئے مختلف لوگوں سے درخواست کی۔ بالآخر  
 جولائی ۱۸۷۸ء میں ایک شخص سے یہ فریڈینڈ ہاشندہ کو برگز  
 اس جگہ کو بشرط رضا مندی سلطنت ہای یورپ منظور کیا۔ لیکن  
 سلطنت ہای یورپ کی منظوری اس وقت تک نہیں آئی تھی۔ پیشین  
 گوئی کے لئے بہت زیادہ پولیٹیکل اور غیر معمولی عقل کی ضرورت  
 نہیں ہے۔ غالباً اس کتاب کے طبع ہونے سے پہلے ہی اس  
 شخص کو بھی پرنس الگزنڈر کی طرح کسی چھوٹی سی جرمنی ریاست  
 میں پناہ گزین ہونا پڑا ہے۔ ایک زمانہ میں اس گمراہ شخص کا خیال  
 نہایت درست معلوم ہوتا تھا جب کہ اوسنے ایک مجمع میں یہ  
 بیان کیا تھا کہ "اگر مجھ کو اپنے دلی خواہشوں کے موافق کام کرنا

اختیار ہوتا تو میں دفعتاً بلگیر یا مین چلا جاتا۔ لیکن جو شخص بلگیر یا کا  
امیر منتخب کیا جاتا ہے اس کو تمام معاہدات کی پابندی ہنایت ضروری  
ہے۔ اور یہی پابندی اس کی حکومت کو مضبوط اور بلگیر یا کو خوشحال  
کر سکتی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو اپنی مرضی کے  
موافق کام کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ کیونکہ نہ وہ تمام معاہدات  
پابند رہا۔ اور نہ باشندگان بلگیر یا مین خوشحالی قائم کر سکا۔ بلکہ خود  
اس کی حکومت بجا سے مضبوط ہونے کے اور زیادہ کمزور ہو گئی۔  
اب اس کی نسبت صرف یہی سوال ہو سکتا ہے کہ دیکھئے وہ کب تک  
اپنی اس حالت اور جگہ پر قائم رہتا ہے۔

سلطان عبدالحمید خان کا معاملہ ہنایتہ صاف ہے اس پر کسی  
حکم کا اخلاقی حملہ نہیں ہو سکتا۔ جنوبی اور مشرقی یورپ کی اتر فلانی  
چٹان کا گرنس برلن میں تجویز کیا گیا تھا اس میں سلطان عبدالحمید خان  
بھی شامل تھے۔ لہذا وہ کا گرنس کے تمام شرائط کی تعمیل کے لئے  
ہمیشہ مستعد اور آمادہ رہے۔ جتنے سلاطین اس معاہدہ میں شریک  
تھے۔ ان میں سے صرف سلطان عبدالحمید خان ایسے ہیں  
جنہوں نے اس معاہدہ کی ہر ایک شرط کی ہنایت ایمانداری کے  
ساتھ تعمیل کی ہے۔ اور اب سلطان کو پرنس سبارک کر اوں  
الفاظ کی طرف جو انہوں نے مسئلہ عین معاہدہ برلن کی دفعہ  
(۳) پر بحث کرتے وقت کہے تھے۔ تمام یورپ کی سلطنتوں کو منکر

پورا حق حاصل ہے۔ مباحثہ کے وقت کانگریس کے بعض مخبروں کو  
 بلگیریا کے نسبت بہت کچھ بے اطمینانی تھی۔ چنانچہ درخواست کی گئی  
 تھی کہ اس وقت بلگیریا کی آئندہ پیچیدگیوں اور بدانتظامیوں کو منسلک  
 کا بھی بند و بست کا فی طور پر کر دیا جاوے۔ اس کے نسبت پر بس  
 بس مارک لوزیہ کہا کہ ”اس وقت کانگریس کی یہ حالت نہیں ہے کہ وہ  
 تمام خطرات اندام کا انتظام اپنے ذمہ لے۔ اگر باشندگان  
 بلگیریا حسیہ ذاتی ناقابلیت کی وجہ سے اپنا جدید انتظام نہیں چلا سکتے  
 تو اس میں کچھ شک نہیں کہ یورپ کو اس مسئلہ پر دوبارہ غور کرنا پڑے گا  
 لیکن وہ وقت ابھی نہیں آیا“ میرے خیال کے موافق اب وہ وقت  
 آگیا ہے۔ اور اس کا باعث باشندگان بلگیریا کا حسیہ ذاتی ناقابلیت  
 نہیں ہے بلکہ سلطنت روس کا عدم ایفاء وعدہ اور دوسری سلطنتوں کی  
 براعتنائی ہے۔ اور اب جدید انتظام کسی طور سے نہیں چل سکتا۔ اس صورت  
 میں سلاطین یورپ کو لی کارروائی کرنا مصلحت سمجھتے ہیں یا نہیں؟  
 اگر اس وقت سلاطین یورپ اس مسئلہ پر غور کریں تو اس کو صرف دو نتیجے  
 ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ بلگیریا کا صوبہ دوبارہ سلطان کی رہت اور سلطان  
 حکومت میں دیا جاوے۔ اس فیصلہ کی تائید میں وہ ترقی جو خاص سلطان کی  
 حکومت میں رہنے والوں نے اس عرصہ میں کی ہے۔ بمقابلہ اس  
 پریشانی اور بے اطمینانی کو پیش کیا جاسکتی ہے جس میں خود مختار صوبوں  
 باشندہ قریباً ہر مین۔ اس فیصلہ سے تمام یورپ میں امن قائم ہو جائے گا

اور انگلیز کی حکومت ایک ایسی سلطنت کہ ہر تہہ میں آجائیکی جو سب کم طامع  
 اور نہایت ایماندار ہو۔ اگر وعدہ کا ایسا مصیبت میں استقلال شہتال  
 میں صبر سلطنت ہاے یورپ کے نزدیک فضائل حمیدہ اور قابل قدر  
 ہیں تو سلطنت ہاے یورپ کو سلطان عبد الحمید خان کی پوری قدر  
 کرنی چاہئے۔ لیکن انیسویں ہجری کے متواتر تجربوں نے ثابت کر دیا کہ  
 یہ اوصاف بجائے قابل قدر سمجھے جانے کے بے اعتنائی اور  
 غضب اور حقارت کی باعث ہوتے ہیں۔ جبکہ اس بات کا پورا یقین ہو کہ  
 سلطنت ہاے یورپ کو اس فیصلہ سے بلگیر یا اور نیز تمام دنیا کو جمید  
 فائدہ پہنچے گا۔ لیکن جبکہ اوسمیں کامیابی کی بہت ہی کم امید ہو۔  
 دوسرا پہلو وہ ہے جس کے اختیار کئے جانیکا گمان غالب ہو۔ اور جس کو  
 تمام حالات اشارہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس کتاب کو ختم  
 کرتے وقت جس میں میں نے ایک نیک نہاد اور دشمند پادشاہ کو  
 حالات بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ جنوبی اور شرقی یورپ کا  
 افق طوفان کے کالہ باد لون سے گھرا ہوا نظر آتا ہے۔ اور میرے  
 کانوں میں اسی طوفان کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی ہیں جس میں  
 بجلی کی جگہ ٹوپوں کے شعلے اور چلتے ہوئے شہر نظر آئیں گے۔  
 اور جس میں بجائے موجوں کے انسانوں کا سرخ غن اور غور ہوئے  
 تلخ آئینہ ہوں گے۔ اور تاریخ میں اوسکا یادگار اولے ہوئے شہنشاہی  
 دریاں سلطنتوں اور تباہ قوموں سے رہ جائے گا۔ قطعاً

## ضمیمہ

واقعات متعلق قتل سلطان عبدالعزیز خان و اصلاح سلطنت عثمانیہ جو سرہنری ایٹ سابق منیجر انگلستان بمقیم قسطنطنیہ نے فبروری ۱۸۷۸ء لندن ٹائمز میں شہر کئے ہیں۔

جو کوشش ۱۸۷۸ء میں اصلاح اصول سلطنت عثمانیہ کے نسبت کی گئی تھی اس سے اہل انگلستان پورے طور پر واقف نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ امر بھی بتا ہے کہ جو لوگ اس کی نسبت بڑی طول و طویل بحثیں کرتے ہیں۔ وہ اس کو وجود سے ہی واقف ہیں یا نہیں۔ بہر حال یہ کوشش چند وجوہات سے قابل غور ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے اصول سلطنت کی تبدیلی میں اگر مختلف دو وقتیں پیش آگئیں۔ لیکن بڑا افسوس اس امر کے خیال سے ہوتا ہے۔ کہ ایک بڑے درجہ تک ان قابلِ قدر کوششوں کی ناکامیابی کا باعث ہمارا ملک ہوا۔

اوس وقت ترک لوگ اہل انگلستان کو اپنا دوست سمجھ کر اُن پر پورا اعتماد کرتے تھے۔ اور اس لئے اُس زمانہ میں ہمارا اعتبار اُن سے بہت زیادہ تھا اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر مصلحانِ ملک کو انگریزوں کی اخلاقی مدد و ناامیدی ہوتی تو وہ ہرگز اس مشکل کام کو اپنے ذمے نہ لیتے مجھ کو یہ بھی پورا یقین ہے کہ اگر ہماری قوم کو اُن اصلاح کی پوری کیفیت معلوم ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ وہ مدد دینے سے کسی طرح ہی باز رہتے لیکن قسطنطنیہ



اور سوقت جو لوگ عام ماسے کے ہادی تھے۔ وہ ترکوں کی ہر ایک چیز کو  
 نفرت اور ذلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پس انہوں نے ان صلاحات  
 اور اصول سلطنت کو بھی محض مصنوعی اور کاغذی تصور کیا۔ اور مستند  
 محب وطن کے پیشوا مدحت پاشا کو مکار خود غرض اور اپنوداتی اقتدار کا  
 فریفتہ سمجھے۔ اگرچہ یہ امر مسلم ہے۔ کہ شخصی سلطنتوں میں پہلے بوجہ صلیان  
 ہوتی ہیں وہ محض کاغذی ہوتی ہیں۔ مدحت پاشا کے خلوص نیت اور  
 ثابت قدمی کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہو کہ انہوں نے اس  
 معاملہ میں اپنی جان کو سخت خطرہ میں ڈال دیا۔ ہمارے ملک کو لوگ جب  
 کبھی اس مسئلہ پر غور کریں گے جیسا کہ اب کبھی کبھی کرتے ہیں تو ان کو یہ  
 امر دریافت کر کے نہایت افسوس ہوگا کہ محض اودن کی بیجا تحارث اور اودن  
 اودن اسلام کو ذلیل سمجھنے کی وجہ سے آج سلطان کو اودن معاہدات  
 علفانہ کرنے کی جرات ہوئی۔ جو شکل سے حاصل کئے گئے ہوں اور محض  
 ہمارے ملک کو لوگوں کی بے توجہی کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ کی  
 وہی پرانی اور بے ضابطہ حالت قائم رہی جس سے کہ وہ تقریباً آباد  
 ہو چکی تھی۔ اور جہاں وجہ سے خاص خاص مصلحان ملک کو جلا وطن اور  
 موت کی سزا برداشت کرنی پڑی۔ جہاں اصلاحات کی ناکامیابی سے  
 بذات خاص نہایت رنج ہوا۔ کیونکہ میں ان تدابیر پر ابتدا سے غور کرتا رہا  
 اور اس کی روز افزون ترقی کو نہایت دلچسپی کے ساتھ دیکھتا رہا۔ میں  
 قسطنطنیہ میں ایک عرصہ تک رہا ہوں۔ اور وہاں کی اصلاح کی ضرورت

بجوبی واقف ہوں۔ مجھکو اس کا پورا یقین تھا کہ ان مدایر میں اسوقت  
 بکت مطلق کامیابی نہیں ہو سکتی جسوقت تک کسی ایک شخص کو محلات شاہی  
 اور وزراء پر پورا اختیار حاصل نہ ہو جائے۔ پس جسوقت مدحت پاشائی  
 اس معاملہ کو شروع کیا۔ اور یہ اختیار حاصل کرنا چاہا تو میں نے حتی المقدور  
 اون کو پورسی ترغیب دی۔ مجھکو اس امر کا کبھی خیال ہی نہیں ہوا کہ  
 انگلستان میں ان قابل فکرت شخصوں کی قدر نہ ہوگی۔ خواہ اون میں کیسیابی  
 ہو یا ناکامی۔

جب میں ۱۸۶۶ء میں تسطیضہ پہنچا تو مدحت پاشا صوبہ ڈنیوپ کے  
 صوبہ دار تھے۔ دوسرے سال جب اذکار سچک سے تبادول ہوا تو  
 ہمارے سفیر مقیم ڈنیوپ نے مجھ سے کہا کہ باب عالی میں اس امر کی  
 کوشش کرنی چاہئے کہ مدحت پاشا جو دوسرے ترک کی صوبہ داروں سے  
 بالکل مختلف المزاج ہیں۔ اون کا یہاں سے تبادول نہ ہو۔ کیونکہ  
 اوہوں نے اس ملک کی ترقی کے لئے سڑکیں اور اسکول بنائے ہیں  
 اور تمام رعایا کے جان و مال کی حفاظت اور ترقی تجارت کے لئے  
 مختلف کوششیں کی ہیں۔ اور اون کی وجہ سے اس صوبہ میں بہت کچھ  
 ترقی ہو گئی ہے۔ اور سفیران دول خارجہ میں کسی شخص کو  
 ان کے تبادول سے بجز سفیر روس کے جس کی سازشوں کو انہوں نے  
 اس صوبہ میں قطعاً بند کر دیا تھا۔ خوشحال نہیں ہو سکتی۔ اسوقت  
 سلطنت عثمانیہ کا انتظام دولائین شخصوں یعنی اعلائی پاشا اور

فوات پاشا کے ہاتھ میں تھا۔ ان دونوں نے باہم ملکر سلطان پر اس قدر اختیار حاصل کر لیا تھا کہ سلطان باوجود ناپسند کرنے کے اونسے علیحدہ نہیں ہو سکتے تھے۔ ان لوگوں نے اس بات کی سخت کوشش کی تھی کہ کوئی ایک شخص جو ان دونوں سے زیادہ لایق یا ذمی و جاہل نہ ہو۔ سلطان کے سامنے نہ جاسکے۔ فوات پاشا کے مرنے کے تھوڑے روز بعد اعلائی پاشا کا بھی انتقال ہو گیا۔ سلطان اس موقع پر اپنی آزادی کی خوشی کو جو ان لوگوں کے مرنے کی وجہ سے میسر ہوئی۔ ضبط نہ کر سکے۔ اور انہوں نے غلامیہ بیان کیا کہ اب وہ پھر آزاد ہو گئے۔ اس وقت سے تمام کاروبار سلطنت بجا سے وزراء و بایں عالی کے محل اور وہاں کے سربراہوں کو لوگوں کے ذریعہ سے انجام پانے لگا۔ جسکے خراب نتائج ہر ایک محکمہ سے ظاہر ہونے لگے۔

سلطان نے محمود دوم پاشا کو یہ سمجھ کر کہ وہ انکی بیعت کی اور فضول خرچی پر مزاحم نہ ہوگا۔ اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ فی الحقیقت سلطان کی رائے محمود کی بابت نہایت درست ثابت ہوئی۔ کیونکہ اسکو کسی ملکی فائدے یا نقصان کی بجز اپنی وزارت قائم رکھنے کو مطلق منکر یا پرواہ نہ تھی۔ اسوجہ سے سلطان کی خوشامد کی نہ تو وہ مزاحمت کرتا تھا۔ اور نہ اون وقتوں کو سلطان کے سامنے پیش کرتا تھا جو ان کی خواہشوں کے پورا کرنے کی وجہ

سے غائد ہوتی تھیں۔

اس شخص نے اہل حرم کو بھی اون کی مالی خواہشیں پوری کر کے اور ان کے اعزہ اور رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدہ دیکر اپنا پورا ہمدرد بنالیا تھا تمام بڑے اور چھوٹے عہدہ حرم کے ذریعہ سے خرید کئے جاتے تھے۔ صوبہ داروں اور نائب صوبہ داروں کا تبادلہ ہر سہفتہ اور ہر مہینہ میں ضرر اوس نذر کے حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا تھا جو تبادلہ کے وقت صوبہ داروں کو گذرانی پڑتی ہے۔ اسکی وجہ سے ایسا نذر لوگ زیر بار میصارف سے خود تباہ اور پریشان ہوتے تھے۔ اور غیر محتاط جن کی تعداد کثیر تھی وہ اپنا خرچہ رعایا سے وصول کر کے اوسکو تباہ کرتے تھے بالآخر کڑوں روپیہ کے فضول اخراجات نے جو محلات شاہی اور باغات اور دوسرے عیش و عشرت کے کاموں میں روزانہ بے دریغ صرف کئے جاتے تھے۔ سلطنت کی مالی حالت کو اس درجہ نازک کر دیا کہ عہدہ داروں سپاہیوں ملا حوں اور معمولی سرکاری ملازموں کی تنخواہوں کا ملنا دشوار ہو گیا۔ اور وہ لوگ بہو کے مرنے لگے۔ اور تنخواہ نہ ملنے کی ہر طرف سے شکایتیں ہونے لگیں۔

اس عام مصیبت اور بے اطمینانی کی وجہ سے ایک فرقہ نے جبکہ ہم فرقہ محب وطن سے تعبیر کرتے ہیں۔ اصلاح کے لئے مشورہ چانا شروع کیا۔

بدعت پاشا سچک سر علی خذہ ہو کر کونسل کے پریسڈنٹ مقرر ہوئے

لیکن اعلیٰ پاشا جو اس وقت وزیر اعظم تھے۔ مدحت پاشا کے روز افزوں اختیار کو دیکھ کر حائف ہو گئے۔ اور تھوڑے روز بعد اون کو بعد ازاں صوبہ دار کر کے بھیج دیا۔ چنانچہ وہ اعلیٰ پاشا کے مرنے کے بعد تک ہر محمود کی عہد وزارت میں اس صوبہ کا تمام روپیہ مختلف فضول خرچیوں کے لئے دار الخلافت کو منگوا لیا جاتا تھا۔ جسکی وجہ سے مدحت پاشا اس صوبہ کا قابل اطمینان انتظام نہیں کر سکے۔ اور آخر کار انہوں نے نا امید ہو کر ملازمت سے استعفاء دیدیا۔ اور قسطنطنیہ چلے آئے۔ فرقہ محب وطن نے جو وقتاً فوقتاً بڑھتا جاتا تھا اون کو اپنا ہادی قرار دیا محمود نے جو اعلیٰ پاشا کی طرح مدحت پاشا کا دار الخلافت میں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ مدحت پاشا کے قسطنطنیہ پہنچنے سے پیشتر اون کا تقرر اڈریا نپل کی صوبہ داری پر کر دیا۔ جس وقت مدحت پاشا کو قسطنطنیہ پہنچے یہ معلوم ہوا کہ وہ اڈریا نپل کے صوبہ دار مقرر کے لئے تو انہوں نے یہ غدر کیا کہ جس وقت مکت اون کو شرف ملازمت حاصل ہوگی۔ اس وقت مکت وہ اپنی خدمت پر نہ جائیں گے۔ آخر کار باوجود وزیر اعظم کی سخت مخالفت کو مدحت پاشا کو باریابی کی اجازت ہوئی۔ مدحت پاشا نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہنایت زور کے ساتھ بیان کیا کہ محمود کی بد انتظامیوں سے نہ صرف ملک تباہ ہوا جاتا ہے بلکہ خرقا کہ بے اطمینانی پھیلتی جاتی ہے۔ جسکے معلوم ہونے سے سلطان کو اس قدر اندیشہ ہوا کہ انہوں نے دو سرے دن اپنے عزیز وزیر کو

علیحدہ کر کے مدحت پاشا کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔

لیکن مدحت پاشا کا عرصہ تک وزیر رہنا بالکل ناممکن تھا۔ کیونکہ اون مین دربار و مہرے کا مطلق سلیقہ نہ تھا۔ اور نہ اون بے ضابطگیوں کو کسی طرح چہرہ گرا کر سکتے تھے جو محلات اور سلطان کی طرف سے روزانہ ہوتی تھیں اور نہ سلطان جو عرصہ سے اپنی خواہشوں کے موافق کام کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ مدحت پاشا کی مزاحمتوں کو برداشت کر سکتے تھے تمام اہل حرم اور بددیانت عہدہ دار جن کی اصلاح کا انہوں نے بیڑا اڑھایا تھا اون کے دشمن ہو گئے اور چند ہمینوں کے بعد مدحت پاشا وزارت سے علیحدہ کر دئے گئے۔ اور پہر عہدہ وزارت محمود کو جو سلطان کا نہایت فرمان بردار تھا دیدیا گیا۔ محمود اگرچہ مدحت پاشا سے نفرت کرتا تھا۔ لیکن اوسنے مصلحتاً اون کو اپنے کونسل وزراء مین لے لیا۔ اور مدحت پاشا بھی اوسکو اسوجہ سے قبول کر لیا کہ شاید اپنے چند دوستوں کی مدد سے جو کونسل وزراء مین شامل تھے وزیر اعظم کی بے ضابطگیوں کو روک سکیں۔ اور محمود مثل سابق کے حادے ہونے پاوے۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد یہ ناممکن معلوم ہوا اور مدحت پاشا کو ثابت ہو گیا کہ وہ کونسل وزراء مین رہنے سے کوئے فائدہ نہیں پہنچا سکے۔ اسلئے انہوں نے استعفاء دیدیا۔ اس امر سے سلطان نہایت ناخوش ہوئے۔ کیونکہ اون کے نزدیک کسی شخص کا اوس خدمت سے انکار کرنا جس کی انجام دہی سلطان کی

طرف سے اوسکے ذمہ کیجائے۔ نہایت بیجا اور نامناسب ہے۔ بدعت پاشا  
 اپنی کارروائی کو یہیں ختم نہیں کر دیا۔ بلکہ اوسنے سلطان کے سامنے  
 ایک رپورٹ پیش کی جس میں ہر قسم کی بدانتظامیاں دکھلا کر سلطان  
 المعظم کو بتلایا کہ وہ خوفناک غار کے کنارے تک پہنچ گئے ہیں۔ اس کے  
 بدعت پاشا اپنے گالوں کو چلے گئے جو قسطنطنیہ سے کچھ فاصلہ پر تھا۔  
 یہاں اگرچہ وہ عرصہ تک عام نظر سے غائب رہے۔ لیکن اپنے کام سے  
 غافل نہیں رہے۔ کیونکہ فرقہ محب وطن کی تمام تدابیر اور رالیوں پر  
 بیان غور ہو کر وہ مستحکم طور سے قرار پاتی تھیں۔  
 دسمبر ۱۹۱۷ء کے آغاز میں اودن کے ایک شریک نے جو کہ سلطنت  
 بڑے بڑے عہدوں پر مامور رہ چکا تھا۔ مجھ سے بیان کیا کہ ہمارا  
 مقصد ایک "انسٹیٹوشن" حاصل کرنا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے  
 کسی ترک کی زبان سے یہ لفظ سنا تھا۔ لیکن یہ اصلاحات اسکے  
 جاری ہونے سے ایک سال قبل کا واقعہ ہوا سوقت اس کی  
 غرض اوس کانفرنس کی مخالفت بیان کی جاتی تھی جو اوس زمانہ میں  
 قسطنطنیہ میں اجلاس کر رہی تھی۔ اسکے چند روز بعد بدعت پاشا  
 خود مجھ سے ملے۔ اور انہوں نے تمام حالات مفصل بیان کر دیے  
 اگرچہ میں وہ تمام حالات پہلے سے دوسرے لوگوں کے زبانی  
 سن چکا تھا۔ بدعت پاشا نے بیان کیا کہ بدانتظامی اور رشوت  
 ستانی کی وجہ سے ملک بالکل برباد ہوا جاتا ہے۔ اور محلا شاہی

ہو گیا تھا کہ اب سلطان کو تخت سے اوتار دینے کی بہت جلد کوشش  
 کی جائے گی۔ چنانچہ مئی ۲۵ء کے مراسلہ میں یہ اسے ظاہر  
 کی تھی کہ اصلاح کی ہر طرف سے پکار ہے۔ صوفیہ جو دار الخلافہ میں تعلیم  
 گروہ کا آئینہ ہیں۔ اور جن کو تمام مسلمان اور عیسائی رعایا کی مدد پر پورا  
 اعتماد ہے۔ اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں  
 اگر سلطان نے اون کی خواہشوں کے پورا کرنے میں کوئی عذریہ  
 تو مجھ کو کامل یقین ہے۔ کہ اون کو معزول کرنے کی کوشش کی جائے گی  
 قرآن شریف کی مختلف آیات اس امر کے ثبوت میں عوام میں شائع  
 کی گئی ہیں کہ کلام مجید سے صرف جمہوری سلطنت کا پتہ ملتا ہے  
 اور جو شخصی اقتدار سلطان نے حاصل کر لئے ہیں وہ حقیقت میں  
 رعایا کے حقوق ہیں جو بظور غصب کر لئے گئے ہیں۔ اور شہر  
 ہرگز جائز نہیں ہیں۔ اور اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کلام مجید  
 اور دوسرے نظائر کی کوشش کی گئی ہے کہ ایسے پادشاہ کی  
 اطاعت ہرگز ضروری نہیں جو اپنے ملک کے فوائد سے غافل ہو۔  
 یہ جوش رفتہ رفتہ عام ہو گیا اور اس سے سلطنت پر  
 لیکر مزدور اور ملاح مت اپنی اسے علانیہ ظاہر کرنے لگے۔ اور  
 اپنے اپنی گورنمنٹ کو یہ اطلاع دی کہ باوجود اسکے کہ سلطان نے  
 اپنے پیہون کو نہایت احتیاط کے ساتھ نظر بند کیا ہے مگر مجھ کو یہ خبر  
 ملی ہے کہ فرقہ محب وطن نے ولیعہد یعنی شہزادہ مراد سے یہ



دعدہ لے لیا ہر کہ وہ اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی اصول سلطنت کو بدل دین گے۔ ان تمام واقعات کے متعلق جن سے میں اس طرح واقف تھا محل میں نہ چرچا ہونا اور اس کے نسبت کسی کارروائی کا عمل میں نہ آنی الحقیقت نہایت حیرت انگیز ہے۔ سفیروں میں سے جنرل انگیشو بھی باوجود ہمیشہ مارجا سوسون اور مخبروں کی مدد کے اس کارروائی سے بالکل بے خبر تھے۔ لیکن میری رپورٹ تیار ہونے کے ایک ہی ہفتہ بعد سلطان معزول کر دئے گئے۔

معاملہ میں عملی طور سے جو کچھ کیا وہ صرف مدحت پاشا اور حسین جوینی عسکر یعنی وزیر صیغہ جنگ نے کیا۔ مجھ کو یہ بات بالتحقیق نہ معلوم ہو سکی کہ آیا وزیر اعظم کو اس کارروائی کی پہلے سے اطلاع تھی یا نہیں۔ لیکن اتنا مجھ کو معلوم ہے کہ اس واقعہ سے تین دن پہلے وزیر اعظم سے یہ امر تسلیم کرا لیا گیا تھا کہ ملک کو تمام آفتوں سے نجات دینے کے لئے اس وقت بجز اس کارروائی کے کوئی اور ذریعہ نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ اس کارروائی میں اس سے زیادہ شریک نہیں ہوئے۔ اور نہ مدحت پاشا اور حسین جوینی کے علاوہ کسی شخص نے اپنے جان کو اس خطرہ میں ڈالنا پسند کیا۔ اس کارروائی کے پرخطرہ اور جان جو گہم ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان لوگوں نے اپنے منصوبہ کی سید ہو شیاریا کے ساتھ پخت و پز کی تھی۔ اور اس کو نہایت دلیری اور بہت استقلال

کے ساتھ عمل میں لائے۔

۲۹ مئی کے شام کو یہ لوگ قسطنطنیہ کے ایشیائی حصہ میں جاکر حصین عوفی کے ایک مکان میں ٹھہرے۔ اور آدھی رات کو جبروت خوب بارش ہو رہی تھی اور ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا معہ ایک نوکر کے چھوٹی مٹی قالیق میں بیٹھ کر اس مقام پر اترے جہاں وہ گاڑیاں موجود رکھنے کے لئے حکم دے گئے تھے لیکن گاڑیاں وہاں موجود نہ تھیں اسلئے اون کو دیر تک سخت بارش میں کھڑا رہنا پڑا۔ اس حالت میں اگر اون کو کوئی شخص دیکھ لیتا تو غالباً اون کے تمام مسدوبوں اور کارروائیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ آخر کار بڑی دقت اور تلاش کے بعد گاڑیوں کا پتہ چلا۔ جو نوکروں کی غلطی سے کسی دوسرے جگہ پر پہنچ گئی تھیں۔

اسکے بعد جب قرار داد محنت پاشا محکمہ عسکری اور حین قیقا دلمہ باغچہ کی بارگنوں کی طرف روانہ ہوئے جہیں عوفی جو کہ فوج کے عسکر تھے۔ بلا کسی دقت کو اس فوج کو جو ان بارگنوں میں مقیم تھی۔ محلات شاہی پر لے آئے۔ اور بالکل بخیر ہی میں تمام شاہی محلات کا محاصرہ کر لیا گیا۔ محاصرہ کے دوران میں جو حسن عوفی نے دروازہ کھلوایا اور قتلار آغا سے جو کہ سلطان کو خاگی ملازمین کا سرگودہ تھا۔ یہ درخواست کی کہ وہ سلطان کو اون کی نظر بندی کی اطلاع کر کے یہ امر سمجھا دے کہ اس وقت زیادہ مناسب یہی محکمہ

ہوتا ہو کہ وہ اپنے آپ کو سرِ عسکر کے حوالہ کر دیں۔ جو اون کی۔  
 حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔ پہلے سلطان نے فطرتاً طور سے اس کی  
 مزاحمت کی۔ لیکن جب حسین عرفی نے خود سلطان کے سامنے  
 جا کر اون کو پورا یقین دلادیا کہ اب مزاحمت سے کوئی فائدہ  
 نہیں ہو سکتا تو وہ خاموش ہو کر اپنی قسمت پر راضی ہو گئے۔  
 اور بلا کسی مزاحمت کو اون کے اوپر پہرہ مقرر کر کے حسبِ تِراوادی  
 ایک توپ اس غرض سے سر کر دی گئی تاکہ مدحت پاشا کو معلوم ہو جا  
 کہ سلطان نظر بند کر لئے گئے ہیں۔

اس اثنا میں مدحت پاشا کی حالت نہایت خطرناک تھی۔ اوکو فرج پر  
 کوئے اختیار نہ تھا۔ اور نہ وہ باضابطہ طور سے اسکو کوئی حکم  
 دیکھتے تھے۔ اس موقع پر اگر کچھ کام چل سکتا تھا تو محض اون کی  
 ذاتی وجاہت سے۔ لیکن انہیری رات میں اون کا تن تنہا ادھر  
 بالکل ہیگا ہوا آنا خود اشتباہ پیدا کرتا تھا۔ انہوں نے فرج کر  
 افسر سے یہ ظاہر کیا کہ اون کو سرِ عسکر نے بیجا ہجو۔ اور حسد کا  
 بدقت تمام اسکو اس امر پر راضی کیا۔ کہ فرج کو میدان میں تیار  
 رکھے۔ مدحت پاشا نے یہ وقت نہایت مشکل سے کاٹا۔ کیونکہ  
 اون کو ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ اگر اس عرصہ میں کوئی بُری  
 خبر محض سے پہنچے تو غالباً فرج اون سے بگڑ جائے گی۔  
 اون کی یہ خوفناک حالت تقریباً صبح کاؤب تک قائم رہی۔ لیکن

وہ تھوڑے ہی عرصہ میں مشرقی دنیا کے اسٹیج سے غائب ہو گیا۔  
 اوس روز سے آج تک یہ "خود مختار ملک" جیسٹرنگٹن برلن کے  
 ممبروں نے اس قدر توجہ کی تھی اور جس کی بیسودی اور فلاح کو کھڑ  
 دس سال پیشتر یورپ کی تمام سلطنتیں سخت کوشش کر رہی تھیں۔  
 ایسی دردناک حالت میں مبتلا ہے کہ اگر اوسپر انسان اور فرشتے  
 روئیں تو بجا ہو۔ اس سے یہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ سلطان نے  
 جو بد براہ صلاحین اس معاملہ میں بارہادی تھیں۔ اور جن پر مطلق توجہ  
 نہیں کی گئی تھی وہ بالکل صحیح اور معقول تھیں۔ پرنس الگزنڈر کی  
 آخری رخصت کے بعد امیر بلگیریا کے قائم مقام نے بالگیریا کی حکومت  
 قبول کرنے کے لئے مختلف لوگوں سے درخواست کی۔ بالآخر  
 جولائی ۱۸۷۸ء میں ایک شخص سے یہ فرامینینڈ باشندہ کو گبرنر  
 اس جگہ کو بشیراً رضا مندی سلطنت ہای یورپ منظور کیا۔ لیکن  
 سلطنت ہای یورپ کی منظوری اس وقت تک نہیں آئی تھی۔ پیشین  
 گوئی کے لئے بہت زیادہ پولیٹیکل اور غیر معمولی عقل کی ضرورت  
 نہیں ہے۔ غالباً اس کتاب کے طبع ہونے سے پہلے ہی اس  
 شخص کو بھی پرنس الگزنڈر کی طرح کسی چھوٹی مسمی جرمی ریاست  
 میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ ایک زمانہ میں اس گمراہ شخص کا خیال  
 نہایت درست معلوم ہوتا تھا جب کہ اوسنے ایک مجمع میں یہ  
 بیان کیا تھا کہ "اگر مجھ کو اپنے دلی خواہشوں کے موافق کام کرنا

اختیار ہوتا تو میں وقتاً بلیکیر یا مین چلا جاتا۔ لیکن جو شخص بلیکیر یا کا  
 امیٹر منتخب کیا جاتا ہے اس کو تمام معاہدات کی پابندی نہایت ضروری  
 ہے۔ اور یہی پابندی اس کی حکومت کو مضبوط اور بلیکیر یا کو خوشحال  
 کر سکتی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو اپنی مرضی کے  
 موافق کام کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ کیونکہ نہ وہ تمام معاہدات  
 پابند رہا۔ اور نہ باشندگان بلیکیر یا مین خوشحالی قائم کر سکا۔ بلکہ خود  
 اس کی حکومت بجا سے مضبوط ہونے کے اور زیادہ کمزور ہو گئی۔  
 اب اس کی نسبت صرف یہی سوال ہو سکتا ہے کہ دیکھئے وہ کب تک  
 اپنی اس حالت اور جگہ پر قائم رہتا ہے۔

سلطان عبدالحمید خان کا معاملہ نہایت صاف ہے اس پر کسی  
 قسم کا اخلاقی حملہ نہیں ہو سکتا۔ جنوبی اور مشرقی یورپ کی اتر فلانڈین  
 چٹان کا گزرس برلن میں تجویز کیا گیا تھا اس میں سلطان عبدالحمید خان  
 بھی شامل تھے۔ لہذا وہ کا گزرس کے تمام شرائط کی تعمیل کرنے لئے  
 ہمیشہ مستعد اور آمادہ رہے۔ جتنے سلاطین اس معاہدہ میں شریک  
 تھے۔ اودن مین سے صرف سلطان عبدالحمید خان ایسے ہیں  
 جنہوں نے اس معاہدہ کی ہر ایک شرط کی نہایت ایمان داری کے  
 ساتھ تعمیل کی ہے۔ اور اب سلطان کو پرنس سبارک کو اودن  
 الفاظ کی طرف جو ادھون نے ۱۸۷۸ء میں معاہدہ برلن کی دفعہ  
 (۳) پر بحث کوئے وقت کہے تھے۔ تمام یورپ کی سلطنتوں کو سن

پورا حق حاصل ہے۔ مباحثہ کے وقت کانگریس کے بعض مجنوں کو  
 بلگیر یا کے نسبت بہت کچھ بے اطمینانی تھی۔ چنانچہ درخواست کی گئی  
 تھی کہ اس وقت بلگیر یا کی آئندہ پیچیدگیوں اور بد انتظامیوں کو منسلک  
 کا بھی بند و بست کا فی طور پر کر دیا جاوے۔ اس کے نسبت پر بس  
 بسمارک نے یہ کہا کہ ”اس وقت کانگریس کی یہ حالت نہیں ہے کہ وہ  
 تمام خطرات اس کا انتظام اپنے ذمہ لے۔ اگر باشندگان  
 بلگیر یا حسد یا ذاتی ناقابلیت کی وجہ سے اپنا جدید انتظام نہیں چلا سکتے  
 تو اس میں کچھ شک نہیں کہ یورپ کو اس مسئلہ پر دوبارہ غور کرنا پڑے گا  
 لیکن وہ وقت ابھی نہیں آیا“ میرے خیال کے موافق اب وہ وقت  
 آگیا ہے۔ اور اس کا باعث باشندگان بلگیر یا کا حسد یا ذاتی ناقابلیت  
 نہیں ہے بلکہ سلطنت روس کا عدم ایفاء وعدہ اور دوسری سلطنتوں کی  
 براعتنالی ہے۔ اور اب جدید انتظام کسی طور سے نہیں چل سکتا۔ اس وقت  
 میں سلاطین یورپ کوئی کارروائی کرنا مصلحت سمجھتے ہیں یا نہیں؟  
 اگر اس وقت سلاطین یورپ اس مسئلہ پر غور کریں تو اس کو صرف دو نتیجے  
 ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ بلگیر یا کا دوبارہ سلطان کی رست اور سلطان  
 حکومت میں دیا جاوے۔ اس فیصلہ کی تائید میں وہ ترقی جو خاص سلطان کی  
 حکومت میں رہنے والوں نے اس عرصہ میں کی ہے۔ بقابلہ اس  
 پریشانی اور بے اطمینانی کو پیش کیا جاسکتی ہے جس میں خود مختار صدرین  
 باشندہ مبتلا رہیں۔ اس فیصلہ سے تمام یورپ میں امن قائم ہو جائے گا

اور بلگیر یا کی حکومت ایک ایسی سلطنت کہ ہر تہہ میں آجائگی جو سب کے کام سے  
 اور نہایت ایماندار ہے۔ اگر وعدہ کا ایسا مصیبت میں استقلال شہنشاہ  
 میں صبر سلطنت ہا سے یورپ کے نزدیک خضائل حمیدہ اور قابل قدر  
 ہیں تو سلطنت ہا سے یورپ کو سلطان عبدالحمید خان کی پوری قدر  
 کرنی چاہئے۔ لیکن انیسویں صدی کے متواتر تجربوں نے ثابت کر دیا کہ  
 یہ اوصاف بجائے قابل قدر سمجھے جانے کے بے اعتنائی اور  
 غضب اور حقارت کی باعث ہوتے ہیں۔ مجھ کو حسابات کا پورا یقین ہے کہ  
 سلطنت ہا سے یورپ کو اس فیصلہ سے بلگیر یا اور نیز تمام دنیا کو بید  
 فائدہ پہنچے گا۔ لیکن مجھ کو اوسمیں کامیابی کی بہت ہی کم امید ہے۔  
 دوسرا پہلو وہ ہے جس کے اختیار کئے جانیکا گمان غالب ہے۔ اور جس کو  
 تمام حالات اشارہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس کتاب کو ختم  
 کرتے وقت جس میں میں نے ایک نیک نہاد اور دانشمند پادشاہ کی  
 حالات بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھ کو جنوبی اور مشرقی یورپ  
 افق طوفان کے کالہ بادوں سے گھرا ہوا نظر آتا ہے۔ اور میرے  
 کانوں میں اسی طوفان کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی ہیں جس میں  
 بجلی کی جگہ ٹوپوں کے شعلے اور چلتے ہوئے شہر نظر آئیں گے  
 اور جس میں بجائے موجوں کے انسانوں کا سرخ خون اور عورتوں کی  
 تلخ آنسو ہوں گے۔ اور تاریخ میں اوسکا یادگار اولے ہوئے شہنشاہ  
 دریاں سلطنتوں اور تباہ قوموں سے رہ جائے گا۔ فقط ۱۱۱

توپ کی آواز نے جبکہ حالت کا میابی میں سر کرنا قرار دیا گیا تھا۔ اس اندیشہ کو  
 رنج کر دیا۔ اور مدحت پاشا کو معلوم ہو گیا کہ سلطان نظر بند ہو گئے۔  
 مدحت پاشا کو جب یہ اطمینان ہو گیا تو انہوں نے فوج کے سامنے  
 آکر تقریر کی اور اسکو اس کا رسوائی اور اسکی ضرورت سے واقف  
 کر کے اسی فوج کا ایک دستہ شہزادہ مراد کو تخت نشینی کا مشرودہ  
 پہونچانے اور اونکو اپنے ہمراہ لائیکا حکم دیا۔ فوج نے اس حکم کی  
 نہایت خوشی کے ساتھ تعمیل کی۔ اور جب شہزادہ مراد وہاں پہونچے  
 تو تمام فوج اور دوسرے تماشائیوں نے جو وہاں جمع ہونا شروع  
 ہو گئے۔ اونکی شاہانہ تعلیم کی۔ اور اون کو بخوشی تمام اپنا پادشاہ تسلیم کیا۔  
 سلطان عبدالعزیز پہلے اس محل میں ٹہرے گئے جو سر اگلیو پانٹ  
 کے قریب واقع ہے۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ انہوں نے وہاں رہنا خود  
 ناپسند کیا۔ ہر چند میرے خیال کے موافق وہ اس مکان سے بد مصلحت  
 منتقل کر دئے گئے تھے۔ کیونکہ استنبول کے عام مسلمان رعایا  
 اون کی طرف داری کا سخت اندیشہ تھا۔ پس سلطان کو اہتمام سے  
 چراغان کو منتقل کر دیا جہاں انہوں نے بصر کثیر رعایا کو بہت سے  
 مکانات منہدم اور ضبط کر کے ایک عالیشان مکان بنوایا تھا اور جو  
 بڑے درجہ تک اون کے بد بختی کا باعث ہوا۔ غالباً اسی مصلحت پر  
 مبنی ہو گا۔

اس تبدیلی کے متعلق ملک کو ہر ایک حصہ میں تار کو ذریعہ سے



خبریں دیکھیں۔ اور ہر جگہ اس کارروائی پر پورا اطمینان اور خوشی ظاہر کی گئی۔ لیکن اوس دن شام تک سفیران دول خارجہ یا کسی دوسرے شخص کو ملک سے باہر خبر بھیجنے کی بالکل اجازت نہ تھی۔ ہماری گورنمنٹ کو سفیر مقیم سلونیکا نے یہ مارویا تھا کہ ”مراد کی تخت نشینی پر عام اطمینان ظاہر کیا گیا ہے“ چونکہ میری طرف سے اون کو کوئی خبر نہیں پہنچی تھی۔ لہذا اون لوگوں نے پریشان ہو کر مجھ سے اس تار کے معنی دریافت کئے۔ اس وقت تار کے دفتر کھل گئے تھے۔ اور میں نے اون کو تفصیلی کیفیت سے اطلاع دیدی اس عرصہ میں صرف ایک اخبار کا ایڈیٹر مالکان اخبار کے پاس اس واقعہ کے بھیجنے میں کامیاب ہوا تھا۔ یہ شخص ایک ترکی پوسٹ آفس کا افسر تھا۔ اور اس نے پولیٹیکل خبروں کے بھیجنے کے واسطے کچھ ایسے اصطلاحی الفاظ مقرر کر رکھے تھے جو بظاہر معمولی معانی سے متعلق معلوم ہوتے تھے۔ اس شخص نے یہ ظاہر کر کے کہ اوس کو ایک خانگی خبر بھیجنے کی از حد ضرورت ہو۔ مفصلہ ذیل تابہ بھیجی اجازت ملے لی تھی۔

ڈاکٹرون (فرقہ محب وطن) نے بیچارہ چین (عبدالعزیز) کی ضد لینی (معزولی) ضروری خیال کی ہے۔ داوی (والدہ سلطان) اوس کے ساتھ۔ بحالی جون (مراد) نے کار و بار اپنے ہاتھ لیا۔ خیال کے موافق اس واقعہ کی یہ پہلی خبر تھی جو کسی

یورپ کے دارالخلافہ میں پہنچی ۔

اگرچہ سلطان کی معزولی آسانی اور خاموشی کے ساتھ عمل میں آئی تھی ۔ لیکن ابھی یہ دیکھنا باقی تھا کہ خاص قسطنطنیہ میں اس خبر کا کیا اثر پڑتا ہو ۔ اور کونسا فرقہ معزول شدہ سلطان کے ساتھ ہمدردی کرتا ہو ۔ لیکن یہ تردید بہت جلد رفع ہو گیا ۔ کیونکہ اس خبر کو عام رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ سنا ۔ جس سے صاف ثابت ہوتا تھا کہ سلطان عبدالعزیز خان کے آخر چند سال کی بد استقامیوں نے رعایا کو بہت کچھ بد دل کر دیا تھا ۔

• سلطان کے متعلقین مجموعہ کے طرف داروں اور روسی فریق کے علاوہ کسی شخص کو ادن کی معزولی کا رنج نہ تھا لیکن یہ لوگ تعداد میں اس قدر کم تھے کہ ادن کے عام اور پرجوش راکا کا مقابلہ بالکل غیر ممکن تھا ۔

مذہبی لوگوں کی تسلی کے لئے شیخ الاسلام کے ہامنجر مفصلہ ذیل فتویٰ پیش کیا گیا تھا ۔

”اگر خلیفہ وقت سے جنوں اور ملکی معاملات سے ناواقفیت کے آثار ظاہر ہوں ۔ اور وہ بیت المال کا روپیہ اپنے آپ پر اوس سے زیادہ صرف کرتا ہو جو قوم نے اوس کے ذاتی اخراجات کے لئے مقرر کیا ہے تو کیا ان وجوہات سے وہ عام مصیبت اور عام تباہی کا باعث نہ خیال کیا جائیگا ۔ اور اس صورت میں کیا اوسکو

تخت سے علیحدہ کرنا جائز نہ ہو گا ۲

اسکے جواب میں شیخ الاسلام حسن خیر اللہ نے لفظ بیشک لکھ کر اپنے دستخط کر دئے۔ مسلمان کی طرح عیسائی بھی اس کا رد اس سے نہایت خوش تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قرقہ حب وطن کی کوششوں کا اصلی مقصد مسلمان اور عیسائیوں کو برابر کر دینا ہے فی الحقیقت اس وقت جو تبدیلیاں ہو رہی تھیں وہ اُن تبدیلیوں سے بالکل مختلف تھیں۔ جن میں شخصی حکومت کے معنی والے کسی پادشاہ کے ظلم سے تنگ ہو کر اسکو تخت سے اتار دیتے ہیں۔ اس موقع پر جو کارروائی کی گئی اسکا اصل مقصد پادشاہ تخت سے اتار دینا نہیں۔ بلکہ سلطنت کو اصول کو بدل دینا تھا۔ اور یہ تخت کارروائی ایسی حالت میں اختیار کی گئی تھی۔ جب کہ کوئی اور چارہ کار نہ رہا تھا۔ لیکن اگر کسی پادشاہ کا تخت سے اتار دینا کسی حالت میں جائز ہو سکتا ہے۔ تو یقیناً اس وقت سلطان عبدالغیر کا تخت سے اتار دینا بالکل درست اور جائز تھا۔

اس وقت تک کارروائی میں کوئی وقت پیش نہیں آئی تھی۔ لیکن آگے چل کر یہ حالت قائم نہ ہو سکی۔ اور پے در پے بدتمتی کر کے ایسے واقعات پیش آئے جس سے تمام منصوبوں اور مسدود خاتمہ ہو گیا۔ ان میں سے سب سے پہلا واقعہ سلطان عبدالغیر خان کی موت تھی۔ انگلستان میں عام طور سے یہی

سمجھا جاتا ہے کہ سلطان مرحوم قتل کئے گئے۔ ایسا سمجھنا جی اچھی  
 کچھ تعجب انگیز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ چوتھی جون کو پانچ دن اون کی  
 معزولی کے بعد جب یہ خبر شہور ہوئی کہ اونہون نے ایک متقاض  
 سے اپنے ہاتھوں کی رگیں کا ٹکڑا خود کشی کر لی ہے۔ تو کوئی ایسا نہ تھا  
 جسکو اون کے قتل کا پورا یقین نہ ہو۔ چنانچہ میری بی بی راسے تہی  
 مگر میری یہ رائے شام کو سفارت کے ڈاکٹر کا بیان سنکر بالکل لگتی  
 ڈاکٹر ڈکسن نے مجھے وہ واقعات بیان کئے جسے اہل انگلستان  
 اب تک بخوبی واقف نہیں ہیں۔ ڈاکٹر ڈکسن ایک ہنایت ہوشیار  
 آدمی تھے۔ اور مالک مشرق میں عرصہ دراز تک رہنے کی وجہ سے  
 محلات شاہی کے پوشیدہ اور ظالمانہ کارروائیوں کو بخوبی جانتے  
 اور سمجھتے تھے۔ علاوہ اُن کی مزاج میں بجاے زود باوری کو  
 ایک درجہ تک بے اعتباری تھی۔ پس اس امر کا ہرگز احتمال نہیں  
 ہو سکتا کہ کوئی شبہ واقع ہوا ہو۔ اور اون کی نظر او سپر نہ پڑی ہو  
 محکمہ کامل یقین ہے کہ اگر اون کو کوئی شبہ واقع ہوتا تو وہ اسکو  
 مجھ سے کہہ ہی نہ چیا تے۔ ڈاکٹر ڈکسن امتحان نقش کے بعد سید  
 میرے پاس آئے۔ اور نہایت اعتماد اور شوق کے ساتھ سلطان  
 کی خود کشی کے متعلق اپنی رائے ظاہر کی۔ اونہون نے مجھ سے  
 یہ بیان کیا کہ آج صبح کو باب عالی کے طرفے قسطنطنیہ کے تمام طبیب  
 اس غرض سے بلائے گئے تھے کہ وہ سلطان مرحوم کی نقش کو

بلکہ اسباب مرگ کی نسبت اپنی را سے ظاہر کریں۔ چنانچہ میں نے  
اور اکثر سفارتوں کے ڈاکٹر ڈون اور ترکی یونانی اور ارنیا کے  
چند طبیعوں نے اس درخواست کو منظور کیا تھا۔ اور ہم سب نے  
اون کی نقش کا امتحان کیا ہے۔

علاوہ ان لوگوں کے ایک اور انگریزی ڈاکٹر مسی بہ ملحق بھی وقت  
مستطیعین میں موجود تھے۔ یہ ایک ضعیف آدمی ہیں اور سی لاگسی میں  
لاارڈ بیرن کی حالت نزع میں اون کے پاس تھے۔ اور اوس  
زمانہ سے اس وقت تک مشرق میں رہتے۔ اور شاہی محلات کا  
علاج کرتے ہیں۔ یہ اور ڈاکٹر ڈکسن محل میں اتفاق سے ایسے  
وقت پہونچے جبکہ دوسرے ڈاکٹر نقش کا امتحان ختم کر چکے تھے  
پس ان لوگوں کو نقش کا اطمینان کے ساتھ امتحان کرنے کا  
پورا موقع ملا۔ ڈاکٹر ڈکسن کا بیان ہے کہ انہوں نے الٹ پلٹ کر  
حسم کے ہر ایک حصہ کو نہایت غور سے دیکھا۔ لیکن اون کو بجز  
ہاتھ کے دوزخوں کے زرد و ضرب کی اور کوئی علامت نہیں ملی۔  
ڈاکٹر ڈکسن نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ انہوں نے اپنی  
تمام جسم میں ایسی نرم کھال کسی جوان آدمی کی نہیں دیکھی۔  
سلطان مرحوم کے جسم کی کھال ایک شیر خوار بچہ کی کھال کی طرح  
نرم اور ملائم تھی۔ لیکن باوجود اسکے جسم پر کوئی جسم یا نیل  
نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ امر محض ناممکن ہے کہ اس قدر قوی

آدمی کو قابو میں لانے کی کوشش کی جائے۔ اور اس کے جسم پر کوئی علامت ظاہر نہ ہو۔ ایک ہاتھ کی رگیں بالکل اور دوسرے ہاتھ کی رگیں کستھیر کٹی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر ڈکسن کی رائے میں یہ زخم چاقو کے ہنہیں بلکہ ایک تیز مقراض کے معلوم ہوتے تھے۔ پس ڈاکٹر ڈکسن اور ملٹجن کو سلطان کی خودکشی میں ذرا سا ہی شک نہ تھا۔ اگر یہ زخم سلطان نے خود ہنہیں کئے تھے تو کسی شخص نے اس کی کرسی کے پیچے سے آکر یہ زخم لگائے ہوں گے۔ لیکن کرسی کے پیچے کھڑے ہو کر یہ عمل بغیر کسی کشمکش کے کرنا ممکن تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کے نشانات تمام جسم پر پاجا اس فعل کا اس قدر خاموشی کے ساتھ عمل میں آنا ہی تعجب سے خالی نہ تھا۔ اگر تھوڑا سا ہی شور ہوتا تو اس کی آواز دوسرے کمرے میں جہاں تمام بیگمات جمع تھیں ضرور پہنچتی۔ علاوہ برین یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جس کوچ پر سلطان لیٹے ہوئے تھے اس کے ٹیکہ کے پچھلے حصہ کو بیگمات دوسرے کمرے میں بخوبی دیکھ سکتی تھیں۔ اگر کوئی شخص کوچ کے پیچے کھڑا ہو کر یہ عمل کرتا تو بیگمات اس کو ضرور دیکھتیں۔

ان واقعات کی بنا پر جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے ڈاکٹر ڈکسن اور ڈاکٹر ملٹجن کو سلطان کی خودکشی کے متعلق کوئی شبہ نہ تھا جب یہ دونوں آدمی باہر جا کر دوسرے ڈاکٹر دن سے ملے۔

جوان سے پہلے نقش کا امتحان کر چکے تھے تو ادن کو معلوم ہوا کہ  
ادن لوگون کی بھی یہی رائے ہو۔ ان ڈاکٹروں میں بعض آدمی  
حاکم غیر کے رہنے والے ایسے تھے جنہر کسی قسم کا دباؤ نہیں  
پڑ سکتا تھا اور ادن کو واقعہ کے خلاف بیان کرنے کی کوئی وجہ  
نہیں معلوم ہوتی تھی۔ مگر ان میں سے کسی شخص نے بھی بخیر خودکشی  
کے کوئی اور قیاس نہیں ظاہر کیا۔ اس واقعہ کے چند سال بعد  
سفارت فرانس کے مشہور ڈاکٹر مہر یون اور ڈاکٹر ڈکسن نے  
اپنے اپنے بیانات طبع کرائے۔ جن میں بیان کیا گیا تھا کہ وہ لوگ  
اپنی پہلی رائے پر نہایت استقلال کے ساتھ جمے ہوئے ہیں۔  
محض ڈاکٹروں کی شہادت خودکشی ثابت کرنے کیلئے کافی تھی لیکن بیگمات کے  
کو ڈاکٹروں کی شہادت کے تحت مطابق کرانے سے خودکشی کا مسئلہ نہایت مشاہرہ جانا ہے۔  
ڈاکٹر ملتجن بعد امتحان نقش کے فوراً ادن بیگمات کے  
پاس آگئے جنکا وہ علاج کرتے تھے۔ اور اس واقعہ کے متعلق  
ادن سے سوالات کئے۔ بیگمات نے بیان کیا کہ سلطان کی  
معزولی کے بعد جب ادن کی حالت نہایت پریشان ہوئی تو اس کو  
تمام ایسے ہتھیار جنہ وہ اپنے آپ یا دوسروں کو ضرر  
پہونچا سکیں ملے لئے گئے۔ لیکن اس دن صبح کے وقت  
سلطان نے اپنی ڈاڑھی درست کرنے کے لئے مقراض مانگی  
پہلے اس کے دینے سے انکار کیا گیا۔ لیکن بعدہ باوجود دوسرے

بیگمات کے اصرار کے سلطان کی والدہ نے اون کی اس درست کام  
 نامنطور کرنا گوارا نہ کیا۔ جب سلطان کو مقراض مل گئی  
 تو اونہوں نے بیگمات کو اپنے کمرہ سے علیحدہ کر کے اوسکا دروازہ  
 بند کر لیا۔ اور بیگمات دوسرے کمرہ کی کھڑکی کے قریب بیٹھ گئیں  
 جہان سے وہ سلطان کے کمرہ کے اوس حصہ کو دیکھ سکتی تھیں۔  
 جہان کو پنج بچھا ہوا تھا۔ اور جب سلطان اوسپر بیٹھے تھے تو اونکو  
 سر کا پچھلا حصہ نظر آتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بیگمات نے یہ دیکھ کر کہ  
 اون کا سر آگے کو جھکا جاتا ہی شور مچایا۔ سلطان کی والدہ نے  
 دروازہ توڑنے کا حکم دیا۔ اور جب بیگمات اوس کمرہ میں داخل  
 ہوئیں تو سلطان کو مردہ اور تمام فرش کو خون سے تر بہ تر پایا۔  
 جب ڈاکٹر ملجن کو معلوم ہوا کہ والدہ سلطان کی حالت اپنے  
 بیٹے کے غم میں نہایت ابتر ہے۔ تو اونہوں نے والدہ سلطان  
 کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ لیکن اونہوں نے  
 اس کے جواب میں یہ کہلا بھیجا کہ میرے پاس بجائے ڈاکٹر کے  
 کسی جلا کو بھیجنا چاہئے۔ کیونکہ میں ہی کبھی اب اپنے  
 پیارے بیٹے کی موت کا باعث ہوئی ہوں۔ ڈاکٹر ڈکسن نے  
 یہ تمام واقعات مجھ سے فوراً محل سے واپس آکر بیان کئے تھے  
 یہ امر بالکل یقینی ہے کہ اگر قتل کا کوئی شبہ ہوتا تو سب سچ پہلے  
 سلطان کی والدہ اور محل کی دوسری عورتوں کو ہونا چاہئے تھا



لیکن اس وقت ان لوگوں کو بھی خودکشی کے سوا ہی کوئی اور شبہ نہ تھا  
یہ امر مسلم ہے کہ سلطان عبدالعیز خان کے خاندان میں  
جنون موروثی تھا۔ اون کے بھائی عبدالمجید خان کا دماغ جن کو  
بعد وہ تخت نشین ہوئے۔ حالت ہوانی میں خراب ہو گیا تھا۔ اور  
اون کا بہت بڑا مراد جو اون کے بعد تھوڑے دنوں کے لئے تخت  
نشین ہوا اسی مرض میں مبتلا رہا۔ جہاں مکت میں جاتا ہوں خود  
سلطان عبدالعیز خان کوئی بار اس مرض میں مبتلا ہو چکے تھے۔  
پہلی مرتبہ اونکو جنون کا دورہ ۱۶۲۳ء میں ہوا تھا۔ جب کہ میں تھمہنر  
میں ایک کام کے لئے مقیم تھا۔ اور جبکہ ذکر میں نے اون کو خطوط  
میں کیا ہر جو میں نے دماغ سے لکھو تھے۔ معزولی سے دیر ہ سال  
قبل اون کو جنون کے دوا اور دورہ ہوئے۔ اسکی نسبت میں نے  
لارڈ ڈربے کو یہ لکھا کہ وزیر امین سے ایک شخص نے جو میرا  
بے تکلف دوست ہر مجھ سے اس واقعہ کو نہایت صحت کے ساتھ  
بیان کیا ہے۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ جنون عجیب عجیب شکلوں میں  
ظاہر ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ اون کو یہ خط ہو گیا تھا کہ وہ کسی ایسے  
کاغذ کو نہیں دیکھ سکتے تھے جو سیاہ روشنائی سے لکھا ہو  
پس ہر ایک کاغذ جو اون کے سامنے پیش ہوتا اسکا سرخ  
روشنائی سے لکھا جانا ضرور تھا۔ جو سفیر دولت عثمانیہ کو طرف سے  
دوسرے مالک میں بھیجے جانے کے لئے منتخب ہوتے تھے

اون کو چینیوں اسوجہ سے ہڑنا پڑتا تھا کہ سرکاری مراسلات جو دوسرے  
 پادشاہوں کے نام ہوتے تھے۔ وہ قاعدہ کے موافق سرخ  
 روشنائی سے نہیں لکھے جاسکتے تھے۔ اور سلطان کسی  
 ایسے کاغذ پر دستخط نہیں کرتے تھے جو سرخ روشنائی سے  
 نہ لکھا گیا ہو۔ ایک زمانہ میں ان کو اس قدر خوف ہو گیا تھا کہ کچر  
 اون کے کمرہ کے تمام محل میں کوئی چراغ یا لمپ نہیں جل سکتا تھا  
 اور محل کے رہنے والوں کو شام سے صبح تک اندھیرے میں بسر کرنا  
 پڑتا تھا۔ بہر حال یہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ جن پر محض قلوب ناری  
 اطلاق نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال کے موافق یہ سب جنوں کے  
 آثار ہیں۔

پس اس مزاج کے شخص کل معزولی کے غم میں خودکشی  
 کر لینا کی طور سے تعجب انگیز نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جب یہ امر  
 بھی معلوم ہو کہ سلطان کے خیال کے موافق معزول شدہ پادشاہ  
 کے واسطے خودکشی سے بہتر کوئی اور تدبیر نہیں ہو سکتی تھی۔  
 جب سلطان عبدالعزیز خان نے شہنشاہ نپولین کی معزولی  
 کے خبر سنی تو بے اختیار اون کی زبان سے یہ نکلا کہ کیا یہ معزول  
 شدہ شخص اب بھی زندہ رہنا پسند کرتا ہے۔ جب میں نے پہلی مرتبہ  
 یہ قصہ سنا تو محکمہ اوسپر یقین نہ ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد  
 اوس کی تصدیق ایک ایسے شخص کے زبانی ہو گئی جس نے

خود سلطان مرحوم کی زبان سے اس فقرہ کو سنا تھا۔ شخص مذکور کی  
سچائی پر شک کرنے کی بہ ظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔  
اس وقت سلطان عبدالغریز خان کے قتل کا کوئی شبہ نہ تھا  
اور نہ تین سال بعد جب کہ ایک غیر مضفانہ اور برائے نام تحقیقات  
شروع ہوئی گوئی قابل توجہ شہادت موجود تھی۔

حقیقتاً اس تحقیقات سے چند سربراہان اور وہ اشخاص کو تباہ اور  
پریشان کر دینا مقصود نہ تھا۔ اس میں کچھ کلام نہیں کہ اگر ملزمین کو  
گواہوں پر جرح کرنے کی اجازت دیجاتی تو یہ تمام الزامات  
بالکل بے اصل ثابت ہو جاتے۔ اور ہر شخص کو معلوم ہو جاتا  
کہ جو شہادتیں ان الزامات میں پیش کی گئی تھیں وہ محض دُبیہ  
اور سر اسر غلط تھیں۔ چونکہ اس قابل نفرت اور فرضی کارروائی کو  
وہ لوگ بھی جن کو ملزمین کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے  
انصاف کو علاوہ دوسرے مقاصد پر مبنی سمجھتے ہیں۔ لہذا  
اوسکی نسبت زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی  
بہر حال اس کارروائی سے جو کچھ حقیقتاً مقصود تھا اوس میں  
چوری کامیابی ہو گئی۔ اور اس ترکیب جو سربراہان اور وہ لوگ  
شخصی اقتدار کے مزاحم سمجھے جاتے تھے۔ وہ جلاوطن  
کر دئے گئے۔ لیکن جو لوگ جوٹی شہادتیں دیکر اس  
سزایابی کے باعث ہوئے تھے۔ اور جنہوں نے خود غلطی

کی ترغیب سے سلطان کے قتل کا اقبال کیا تھا وہ نہ صرف سزا سے  
 بچ گئے بلکہ سنا جاتا ہے کہ اون کو بڑی بڑی منیشین دی گئی ہیں۔  
 قتل پر تین سال گزر جانے کے بعد ایک پہلوان اور ایک مالی کا  
 عدالت میں حاضر ہو کر سلطان کے قتل کا اقرار کرنا بالکل تعجب انگیز  
 معلوم ہوتا ہے۔ اور بظاہر اس کی کوئی وجہ بجز اسکے سمجھ میں نہیں آتی  
 کہ ان لوگوں سے گو نہ صرف سزا سے بچا سنے بلکہ انعام وغیرہ کا بھی  
 وعدہ کیا گیا ہوگا۔ بشرطے کہ وہ اقرار جرم سے مدحت پاشا اور اوکر  
 دوسرے ساتھیوں کو اعانت جرم کی سزا دلوا دیں۔ چنانچہ اون  
 لوگوں نے ایسا ہی کیا اور سلطان مدحت پاشا اور اون کو ایسے  
 ساتھیوں کے طر فہر جنسے وہ ہر وقت خوف زدہ رہتے تھے بالکل  
 مطمئن ہو گئے۔ لیکن یہ سلطان عبدالحمید خان کے دامن نیکی تھی  
 وہ بد نما دہیہ ہے جو کسی طور سے نہیں جاسکتا۔ سلطان عبدالعزیز  
 کی افسوسناک موت کے ساتھ ہی فرقہ محب وطن کی امید و نگاہ  
 بھی خن ہو گیا۔ ایک زمانہ میں مشہور تھا کہ مراد نہایت کثرت سے  
 شراب پیتے ہیں۔ لیکن بعد اوس کے معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے  
 اکیدرجہ اوسکو کم کر دیا ہے۔ اون کا دل و دماغ ہمیشہ ضعیف  
 تھا۔ جب سلطان عبدالعزیز خان نے اپنی معزولی سے ایک مہینہ  
 پہلے اون کو قید کر لیا تھا اور ہر وقت اون کو یہ خوف دلایا جاتا تھا  
 کہ تمہارے قتل کے لئے بہت جلد حکم جاری ہوئے والا ہے۔ تو

اونہوں نے پہر شراب کی کثرت کر دی تھی اور اکثر شہیدین میں  
 برانڈمی ملا کر پیا کرتے تھے۔ جس زمانہ میں ادن کو تخت پر بٹھانے  
 کے لئے سازشیں ہو رہی تھیں وہ نہایت خوف کی حالت میں  
 تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اس کا ردوائی میں ناکامی ہو  
 تو وہ ضرور قتل کر ڈالے جائینگے۔ لیکن عبدالعزیز خان کی موت  
 کی خبر سے ادن کو ایسا صدمہ ہوا کہ ادن پر ایک جنون کی سی  
 کیفیت طاری ہو گئی۔ جسکی وجہ سے تمام اصلاحی کارروائیوں کو  
 مجبوراً ملتوی کر دینا پڑا۔ اس زمانہ میں حیرت ناک واقعات ایک  
 سلسلہ جاری تھا۔ سلطان عبدالعزیز خان کی خودکشی کے دس دن  
 بعد دفن کیا یہ خبر شہور ہوئی کہ جماعت وزراء پر جب کہ وہ لوگ  
 کوئل میں جمے تھے حملہ کیا گیا ہے۔ اور ادن میں سے چند آدمی  
 مار ڈالے گئے۔ اور کچھ زخمی ہوئے ہیں۔ اس واقعہ سے  
 بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس تبدیلی کے خلاف کوئی اور تبدیلی  
 ہونے والی ہے۔ جسکی وجہ سے لوگوں میں ایک گونہ بے اطمینان  
 پھیل گئی تھی۔ یہ خبر سنکر میرے ایک ساتھی نے نہایت خوف  
 حالت میں میرے پاس آکر دریافت کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے  
 کیا اس موقع پر قسطنطنیہ چھوڑ کر جہاز پر چلا جانا سبب نہ ہوگا؟  
 اسکے جواب میں نے یہ کہا کہ میرا ارادہ تو یہی ہے کہ جب تک  
 مجھ کو اس واقعہ کی پوری کیفیت معلوم نہ ہو۔ میں اپنی جگہ پر

چپ چاپ بیٹھا رہوں۔ میں کوئی ایسا کام کرنا نہیں چاہتا جس سے  
عام خوف اور بے اطمینانی بڑھ جائے۔

بہر حال تھوڑے روز کے بعد معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی خوف کا موقع نہیں ہے  
اور جو کچھ ہوا وہ محض ایک شخص نے بلا کسی سازش اور مدد کے  
اس بہادر ہی کے ساتھ کیا ہے۔ جس کی نظیر شاید مشکل سے ملیگی  
یہ نوجوان شخص سرکیشیا کا رہنے والا اور حسن چوکس کے نام سے  
مشہور تھا عام طور سے یہی خیال کیا جاتا ہے کہ اس کو حسین عونی  
کے علاوہ کسی دوسرے وزیر کے ساتھ کوئی ذاتی عداوت نہ تھی  
لیکن وہ ایک ہندوستانی سپاہی کی طرح بھنگ کی نشہ سے  
بدمست ہو گیا تھا۔ اور اس حالت میں جو شخص اس کے سامنے آیا  
اس نے بلا تامل اور سپر حملہ کیا۔ اس خیال کی تائید اس واقعہ سے  
بھی ہوتی ہے کہ پہلے وہ حسین عونی کی تلاش میں اس کے مکان پر  
گیا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ وہ کونسل میں ہے۔ تو وہ سیدھا  
کونسل کو روانہ ہوا۔ رات کو وقت وزراء کا بلا کسی حفاظت کو  
کونسل میں جمع ہونا خود اس امر کو صاف بتلا رہا ہے کہ باوجود  
ان تمام تبدیلیوں کے شہر میں ہر طرح پر امن تھا۔ جس پر کس کو  
تینچہ لگانے میں مشہور تھا دربان سے جیلہ کر کے کہ وہ کسی وزیر پر  
پاس کچھ پیام لایا ہے بلا کسی مزاحمت کو کونسل کے کمرہ میں پہنچ کر  
متواتر دو فیہر کئے۔ پہلے فیہر نے حسین عونی سے عسکر کا کام تمام

کر دیا۔ اور دوسرے سرکشید پاشا وزیر صیغہ خارجہ مقتول  
 ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر دوسرے وزراء، سوا، وزیر افواج بحری  
 کو نسل کے کمرہ سے نکل جانے کے لئے دروازہ کی جانب چھوڑ  
 لیکن یہ بڑا بہادر جس کی دلیری اس سے پیشتر بارہا بڑے بڑے  
 موقعوں پر ثابت ہو چکی تھی قاتل کے پیچھے جا پہنچا اور اس کو  
 گرفتار کرنا چاہا لیکن جب اس کشمکش میں اس کے کسی خنجر لگے  
 تو وہ حسن چرکس کو چھوڑ کر چپکے سے اس کمرہ میں چلا گیا جہاں  
 وزیر اعظم پیشتر سے پناہ گزین تھا۔ ان دونوں بڑے بہون نے  
 ایک بڑی کونچ اٹھا کر دروازہ میں اڑا دی۔ تاکہ حسن چرکس اندر  
 نہ آ سکے۔ جب حسن چرکس دروازہ کھولنے میں ناکامیاب ہوئے تو  
 اس نے رشیدی پاشا وزیر اعظم کی خدمت میں نہایت مودبانہ طور پر  
 یہ عرض کیا کہ اے میرے باپ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا  
 مقصد آپ کو ضرر پہنچانا نہیں ہے۔ آپ براہ عنایت دروازہ  
 کھول دیں۔ تاکہ میں وزیر افواج بحری کا کام تمام کر دوں۔ اس کے  
 جواب میں رشیدی پاشا نے کہا کہ بیٹے تمہاری اس وقت ایسی  
 حالت نہیں ہے کہ میں تم کو اندر آنے کی اجازت دوں۔ اور  
 میں کسی طور سے دروازہ نہیں کھولوں گا۔ جس وقت کہ عجیب  
 گفتگو نسل کے کمرہ میں ہو رہی تھی اس وقت وزراء، کمر خیر سلخ  
 مظہر مون نے جس گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن وہ لوگ اس کو شش میں

ایکے بعد دیگرے قتل اور زخمی ہوئے۔ اور جیتنگ ایک سپاہی نے  
 آکر اوسکو ایک برچی سے زخمی نہیں کیا۔ اوسوقت کت وہ گرفتار  
 نہیں ہوا۔ حسن چرکس اپنے ہمراہ چار سپتول لایا تھا۔ دونوں  
 ہاتھوں میں اور دونوں جوتوں میں جسکے ذریعہ سے اوسنے سات  
 آدمیوں کو جان سے مار ڈالا۔ جن میں سے دو وزیر تھے۔ اور  
 آٹھ آدمیوں کو زخمی کیا جن میں سے ایک وزیر افواج بحری تھا  
 دوسرے روز حسن چرکس کو پہانسی دی گئی۔ لیکن اوسنے مرتے  
 دم تک استقلال اور ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ باوجود زخمی  
 ہونے کے وہ پہانسی کے تختہ پر خود چڑھ گیا۔ اور اپنے گلے میں  
 اپنے ہاتھ سے خود پہانسی کی رسی ڈال لی۔ اور اس موقع پر  
 بھی اوسنے وہی جرات اور ہمت ظاہر کی جو اوسنے اپنے دشمنوں  
 معاوضہ لینے کے وقت ظاہر کی تھی۔ اس کارروائی کی اوس  
 ذاتی عداوت کے سوا جو حسن چرکس کو وزیر صیغہ جنگ کے ساتھ  
 بظاہر کوئی اور کپ لیشل وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ بہر حال اگر کچھ  
 گورنمنٹ کے خلاف بھی فرض گر لی جاوے تب بھی یہ سمجھنا چاہئے  
 کہ اوس میں بالکل کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ جو ہنگامہ اس کی وجہ  
 سے دفعتاً ہو گیا تھا وہ تھوڑی دیر بعد رفع ہو گیا۔ اگر کچھ  
 بدعت پاشا مارے جاتے تو البتہ دوسری حالت ہتی۔ کیونکہ  
 ان تمام اصلاحوں اور تبدیلیوں کے منصبوں کے وہی بانی



مہمانی خیال کئے جاتے تھے۔ حسین عونی نے اگرچہ سلطان عبدالغفور  
 کی معزولی میں سب سے زیادہ کوشش کی۔ لیکن عام طور سے  
 یہی سمجھا جاتا تھا کہ اون کو اصلاح کے جانب دلی توجہ نہیں ہے۔  
 کیونکہ خود اون کا محکمہ فوج ایسا پاک و صاف نہ تھا کہ وہ اس کو  
 ایک قومی جلسہ کے اختیارات میں دیدینا پسند کرتے۔ علاوہ بریں  
 لوگوں کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں اون میں اور دلت پاشا میں قنڈارا  
 کے متعلق جھگڑا نہ ہو جائے۔ ان تمام وجوہات پر نظر کر کے فرقہ  
 محب وطن نے اون کی موت کو بچا سے نقصان کے ایک متمم کا فائدہ  
 تصور کیا۔ جدید قانون متعلق اصلاحات کے اجراء کا ہر شخص کو  
 بے حد انتظار تھا۔ لیکن جب یہ کچھ عرصہ تک جاری نہ ہوا تو لوگوں میں  
 بے اطمینانی پھیلنی شروع ہوئی۔ اولاً ان قوانین کے نہ جاری  
 ہونے کا سبب سلطان کی علالت بیان کی جاتی تھی۔ اور  
 اصل حقیقت اس طور پر پوشیدہ رکھی گئی کہ اس کے نسبت کسیکو  
 شبہ بھی نہوا۔ باوجودیکہ میرے پاس اطلاع کے ذرائع مثلاً  
 تھے۔ لیکن پر بھی مجھ کو ایک عرصہ تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ سلطان  
 بچا سے جسمانی بیماری کے دماغی امراض میں مبتلا ہیں جب  
 وزیر اعظم کو اس امر کا پورا یقین ہو گیا کہ میں بھنل کیفیت سے  
 واقف ہوں۔ اور وقت اوہوں نے ۲۲ جولائی کو مجھ سے  
 اون تمام وقتوں کا ذکر کیا جو اون کو پیش تہیں۔

وزیر اعظم اور مدحت پاشا گورنمنٹ کی آئینہ کار روایتی اور متعلقہ تحلیلات  
 تھے۔ کیونکہ کہ رشدی پاشا اور سوقت تک کو فی کار روایتی کرنا نہیں  
 چاہتے تھے۔ جب تک سلطنت کی صحت کو نسبت بالکل ناامید  
 نہ ہو جائے۔ اب تک ڈاکٹر ون نے اس کی نسبت قطعی پر اس  
 قائم نہیں کی تھی۔ برخلاف اسکے مدحت پاشا کا یہ خیال تھا کہ سلطنت  
 کی حالت صحت کو قوم سے پرے شیعہ رہنے میں گورنمنٹ پر ایک  
 بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ اصل کیفیت  
 قوم کے ایک بڑے عجم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور جو کچھ  
 وہ فیصلہ کرے اس کے موافق عمل کیا جائے۔ اون کے  
 اور سوقت کی گفتگو سے مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ قطعی کار روایتی کو  
 لئے بالکل آمادہ تھے۔ کیونکہ اون کو اور سوقت کے بیچار  
 ضائع ہونے کے نسبت سخت افسوس تھا۔ اور وہ بہت جلد  
 اپنی قوم اور تمام اہل یورپ پر یہ بات ثابت کر دینا نہایت ضروری  
 سمجھتے تھے۔ کہ اب سلطنت عثمانیہ کی تاریخ میں نیاز مانہ  
 شروع ہونے والا ہے۔ چونکہ قومی کونسل اس امر کا قطعی فیصلہ  
 کر چکی تھی کہ اصول سلطنت میں کامل تبدیلی نہایت ضروری ہے  
 لہذا مدحت پاشا کی رائے تھی کہ وہ اصلاحات صرف اس فیصلہ  
 کی بنا پر جاری کر دئے جائیں۔ غالباً اون کی اس تعمیل  
 کی یہ وجہ تھی کہ اون کو یہ معلوم نہ تھا کہ سلطان عبدالحمید خان

اپنی تخت نشینی کے بعد اون اصلاحات کو جس کے لئے مدحت پاشا  
 اس قدر سخت کوششیں کی ہیں۔ منظر کرتے ہیں یا نہیں۔  
 سلطان مراد سے قبل تخت نشینی یہ وعدہ لے لیا گیا تھا کہ وہ اپنی  
 تخت نشینی کے بعد فوراً اون تمام اصلاحات کو جاری کر دیں گے۔  
 لیکن سلطان عبدالحمید خان کے نسبت جن سے مدحت پاشا  
 واقف بھی نہ تھے۔ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بعد تخت نشینی کے بالکل اپنی راہی  
 مختار ہوں گے۔ کیونکہ اون سے اس کے متعلق کسی قسم کا وعدہ  
 نہیں لیا گیا تھا۔ مدحت پاشا کی کارروائیوں پر وزیر  
 اعظم کا یہیہ اعتراض نہایت قوی رہتا ہے۔ کہ ان اصلاحات کا  
 اصلی مقصد شاہی اقتدار کا محدود اور کم کر دیتا ہے۔ اور  
 ایسے قوانین کا وزراء کو ایسے وقت میں جاری کرنا جبکہ پاشا  
 اون کے سمجھنے سے معذور ہو گیا جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔  
 کیا اس کے جانشینوں پر اون کی پابندی ضرور ہوگی۔ رشتہ  
 کا اس معاملہ میں تامل بالکل فطرتی اور واقعی تھا۔ لیکن دوسرا  
 دلیرانہ طریقہ بھی غالباً کچھ خطرناک یا بیجا نہ تھا۔ کیونکہ وزراء اس عرصہ  
 میں بہت ایسے اقتدارات بہ مجبوری کام میں لائے گئے تھے۔  
 اکثر ایسے کام اپنی ذمہ داری سے کر چکے تھے۔ جن کی نسبت  
 پادشاہ کی مرضی اور حکم حاصل کرنا ضرور تھا۔ لیکن وزیر عظم  
 میں اس اہم اور خطرناک کام کو اپنی ذمہ داری سے انجام

دینے کی جرات نہ تھی۔ چنانچہ ایک مہینہ اسی طرح گزر گیا۔ اور  
 وہ اوس کا مددانی اس کے لئے جبکہ کرنا مجبوری ضروری تھا آمادہ ہو کر  
 اور بالآخر یہ چاہا کہ اپنی ذمہ داری کا ایک حصہ میرے سر ڈالیں۔  
 اس بات سے اوس عزت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے جو انگلستان کو  
 اوس وقت قسطنطنیہ میں حاصل تھی۔ کیونکہ ایک ایسی سلطنت کے  
 وزیر اعظم کا جو اپنے معاملات میں غیر لوگوں کا دخل دینا سخت ناپسند  
 کرتی ہو اس نازک معاملہ میں سلطنت انگلستان سے مشورہ کرنا بغیر  
 اسے درجہ کی خصوصیت اور اخلاص کے بالکل غیر ممکن تھا۔

محمد رشیدی پاشا پچیس آگسٹ کو میرے پاس اس غرض سے  
 آئے کہ مجھ سے اس امر میں صلاح کریں کہ اب سلطان کی مراد  
 کے نسبت کیا کارروائی کی جائے۔ میں نے اسی روز اس معاملہ کی  
 اطلاع اپنی گورنمنٹ کو دیدی کہ رشیدی پاشا نے آج مجھ سے  
 بیان کیا کہ اب اعلیٰ حضرت کی صحت کی مطلق کوئی امید نہیں رہی ہے  
 علاوہ برین دار المجاہدین کے اعلیٰ عہدہ دار کی یہی (جن کو میں جانتا ہوں)  
 کہ وہ اس فن میں بہت کامل اور لائق ہیں، یہی رائے ہے۔  
 اور داکٹر لیدرس دارف کی جو دماغی امراض کے مشہور طبیب ہیں  
 اور دینا سے خاص طور پر ملوٹے گئے ہیں یہ ماسے ہر کہ جب  
 سلطان کو چند ماہ تک ہنایت خاموشی کی حالت میں نہ رکھا جائے  
 اوس وقت تک یہ فیصلہ کرنا نہایت مشکل ہے کہ اوں کا مرض علاج پذیر

ہو یا نہیں۔ لیکن رمضان شریف اور عید قریب ہونے کی وجہ سے  
جس میں پاشا کا برآمد ہونا ضروری ہے۔ ڈاکٹر لیدرس وارن کی اس  
تجویز پر عمل کرنا نہایت مشکل تھا۔

وزیر اعظم باوجود ان تمام باتوں کے معلوم ہونے کے اپنے  
دل سے اس خیال کو رنج نہیں کر سکتے تھے۔ کہ ایسا نہ ہو کہ  
سلطان مراد اچھے ہو جائیں اور اون کو اس بات کا رنج ہو کہ وہ  
ہتھکڑی سی بیماری کی وجہ سے تخت سے علیحدہ کر دے گئے۔  
رشدی پاشا کا یہ منشا ہوتا کہ اس معاملہ میں مین اور کن کوئی معقول  
صلاح دون۔ مینے اون سے صاف طور پر بیان کر دیا کہ آپ کو  
مجھ سے ہرگز یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ مین آپ کو ایسے ناز  
مسئلہ میں بحیثیت سفیر انگلستان کوئی راے دوں گا۔ آپ کو  
یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اس وقت آپ کے دو فریق منضبی ہیں۔  
ایک اپنے پادشاہ کے متعلق اور دوسرا اپنے ملک کی بہبودی  
کے نسبت۔ پس آپ کو ضرور ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ان دونوں کا  
پورا خیال رکھیں۔ لیکن جب آپ کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ  
سلطان کو علالت کی وجہ سے ملک کی امن اور آسائش میں فرق  
پڑتا ہے۔ تب اس کا رفع کرنا سب سے مقدم ہے۔ اس امر کا  
فضیلہ کرنا کہ ایادہ وقت آگیا ہے یا نہیں۔ آپ لوگوں کا کام ہے  
مینے اس کے متعلق جو رپورٹ اپنی گورنمنٹ کو بھیجی اس میں اتنا

اور زیادہ کر دیا تھا کہ اگرچہ وزیر اعظم سے گفتگو کرتے وقت مجھ کو احتیاط اور ہوشیاری ضرور تھی۔ لیکن مجھ کو آپسے اپنی اصلی رائے چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میری اصلی رائے یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہو بہت جلد تبدیلی کرنی چاہئے۔ اور سلطنت کا بغیر کسی بادشاہ کے رہنا ایک دم کے واسطے بھی مناسب نہیں۔

دوسرے روز شاہزادہ عبدالحمید نے ایک انگریز کو جو عرصہ سے اون کی خدمت میں رہتا تھا۔ اور اون کا بڑا معتد علیہ تھا بغرض طلب مدد سفارت انگلستان میرے پاس پہنچا اور اسکے ذریعہ مجھ کو اپنے خیالات اور رائے سے مطلع کیا۔ شاہزادہ نے یہ ظاہر کیا کہ اون کی سبب سے پہلی یہ خواہش تھی کہ وہ گورنمنٹ انگلستان کی مرضی کے موافق کام کریں۔ اور انہوں نے ہماری پارلیمنٹ کی رپورٹوں کا بھی ترجمہ کر دیا تھا۔ وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ انگلستان اور بڑی مین جو عمدہ تعلقات تھے اور ان میں بلیکمریہ کے واقعہ سے ضرور فرق آجائے گا۔ اور پارلیمنٹ میں جو سخت الفاظ اون لوگوں کے نسبت استعمال کئے گئے تھے۔ جو اس واقعہ کے ذمہ دار وہ اون کو بالکل درست اور ٹھیک تصور کرتے ہیں۔ اور نیز یہ بیان کیا گیا کہ سلطنت کا احتساب سخت کفایت شعاری کے ذریعہ سے قائم کیا جاوے گا تاکہ عام قرض خواہوں کے ساتھ کوئی بے انصافی نہ ہو نہ ہو نا کر

اور ملک کا انتظام اس طرح پر کیا جائیگا کہ رشوت سستانی کا باب بالکل  
مسدود ہو جائے۔

اگرچہ شاہزادہ سکے یہ خیالات بظاہر پسندیدہ معلوم ہوئے مگر  
لیکن مین چاہتا تھا کہ 'اون کے چال و چلن کے نسبت مجھ کو اصلی  
حالات معلوم ہو جا دیں تاکہ مین بطور خود اس امر کا فیصلہ کر سکوں  
کہ اون کا غالباً کیا طریقہ عمل ہوگا۔

مجھ کو اسکے متعلق 'اون کے سفیروں سے جو اطلاعات مین وہ کچھ  
زیادہ قابل اطمینان نہ تھیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ 'اوس نے  
'اون کے مزاج اور قابلیت کی از حد تعریف کی۔ 'اوس کے ساتھ  
ہی یہ بھی بیان کیا کہ شاہزادہ عبدالحمید نے یہ مصمم ارادہ کر لیا  
کہ وہ کسی وزیر کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیں گے۔ اور  
نیز موجودہ وزراء کو جہاں تک ممکن ہوگا علیحدہ کر دیں گے۔

اس سے یہ امر صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ فرقہ محب وطن کو طرفدار  
نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ شخصی حکومت جاری رکھنا چاہتے تھے اور  
موجودہ وزراء جن میں سے اکثر فرقہ محب وطن میں شریک تھے  
جس کا اصلی مقصد شاہی آزادی اور اختیارات کو محدود کرنا تھا  
پس سلطان فرقہ محب وطن کے 'اون اصلاحوں کو کیونکر منظور یا پسند  
کر سکتے تھے۔ جن کی وجہ سے 'اون کے اختیارات شاہی میں  
عام لوگوں کا حسل ہو جاتا اور جنکے جاری ہوجانے کی بجائے

تحت نشینی سلطان مراد نوراً امید ہتی نہ چنانچہ ایسا ہی ہوا شاہزادہ عبد  
 اکتیس آگست کو تحت نشین ہوئے۔ اور چہ ہفتہ بعد تحت نشینی کے  
 اعلان متعلقہ اصلاح سلطنت عثمانیہ جسکا ہر شخص متطہر تھا جاری ہوا  
 لیکن وہ باضابطہ کانٹیسٹیشن جہاں اصلاحات کو عمل لانا۔ بالفعل  
 ملتوے رکھا گیا۔ اگرچہ اعلان میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ سب اور  
 ٹیکسوں کے متطہر یا نامتطہر کرنے کے لئے ایک سینٹ اور ایک  
 عام مجلس مقرر کیا جائے گی۔ اور صوبہ جات کے ٹیکس کا موجودہ طریقہ  
 تبدیل کیا جائیگا۔ اور نیز صوبہ جات میں قوانین کی پوری تعمیل ہوگی  
 اور انتخاب کے حق میں توسیع کیا دے گی۔ اسپر چر دوسری  
 آزادانہ کارروائیوں اور ان تمام اصلاحوں کا وعدہ کیا گیا تھا۔  
 جن کے جاری کر لئے گئے بوسپینا اور ہرزی گویا میں  
 باب معالی مجبور کیا گیا تھا۔

یہ اعلان اگرچہ بارہ اکتوبر کو طبع ہو چکا تھا۔ لیکن اون وقتوں  
 کی وجہ سے جو عمل میں پیش آئیں۔ پچیس جنوری آئندہ تک شہر  
 نہیں ہو سکا۔ جو اعلان کہ پچیس جنوری کو شائع ہوا وہ دہشت  
 کے اصلی مضبوطوں سے اکثر ابواب میں متعلق تھا۔ اور ایک بڑا  
 اہم فقرہ باوجود دہشت پاشا کی سخت کوشش کے اوسمیں داخل  
 نہیں ہو سکا۔ جسکا یہ منشاء تھا کہ کوئی شخص رعایا سے سلطنت  
 عثمانیہ میں سے محض سلطان کے حکم سے جب تک کسی باضابطہ



عدالتِ فرح حکم نہ دیا ہو بل وطن نہ کیا جاوے گا۔ جب یہ اعلان جاری ہوا۔  
تو بدست پاشا نے تجویز کیا کہ اس کی باضابطہ اطلاع اوس کانفرنس کو  
دی جاوے جو اس وقت بغرض اصلاح اور انتظام اون ممالک کے منعقد  
ہوئی تھی۔ جن کی نسبت اوس زمانہ میں بد نظمی کی شکایت پیدا  
ہو گئی تھی۔ اگر یہ اسے منظور ہو جاتی۔ اور اوس کی باضابطہ اطلاع  
کانفرنس کو دیدی جاتی تو یہ اعلان سلاطینِ یورپ کے مقابلہ میں  
بمیزانہ ایک اقرارِ صالح کے ہو جاتا۔ اور اوس کی وقت ایک  
باضابطہ عہد نامہ کی ہوتی۔ اور اوس کی تعمیل کے نسبت سلطنتوں  
یورپ کو زور دینے کا حق پیدا ہو جاتا۔ اگرچہ سلطانِ اوس کے بعد بھی  
اوس سے تجاوز کر سکتے تھے۔ لیکن اس وقت ایسی جبروت  
نہ تھے۔ جیسا کہ انہوں نے بعد کو علانیہ کیا۔ اور اون کو بالآخر  
اس امر کا خیال رہتا کہ جو وعدہ انہوں نے کیا ہے اوس کی  
تعمیل کی نسبت نہ صرف سلاطینِ یورپ زور دین گے۔ بلکہ خود  
اون کی رعایا بھی اوس کی تعمیل پر مصر ہوگی۔  
لیکن بدست پاشا کی اس اسے کو کانفرنس نے منظور نہیں کیا  
اگر اوس کانفرنس کے ممبر اصلاحات کی کیفیت سے بخوبی  
واقف ہوتے۔ اور اصلاح چاہنے والوں کی دیانت سمجھ  
آگاہ ہوتے تو محکوم کامل یقین ہے کہ وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔  
اور اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اوس کی تائید کرتے۔ لیکن

کا نفرمس کے اکثر ممبران حالات سے جو اون کے آنے کے قبل اس ٹک میں پیش تھے واقف نہ تھے۔ اور اسوجہ سے وہ کہ یہ سمجھے کہ یہ تمام تدابیر اون اصلاحات سے بچنے کے لئے کی گئی ہیں۔ جن پر ممبران کو نسل زور دے رہے تھے۔

اس اعلان کے متعلق کانفرنس میں جو بحث ہوئی، اوس میں اس کی خوبیوں سے بالکل انکسین بند کر لی گئیں اور اس کے نقائص پر بڑے شد و مد کے ساتھ زور دیا گیا۔ اور کسایتہ یہ بات محل تک پہنچائی گئی کہ سلطان کو مدحت پاشا سے جو اون کے ”جانشینان سابق کو معزول کر چکا ہے۔ اور اپنے آپ کو براہ راست حکمران بنانا چاہتا ہے بہت ہوشیار رہنا چاہئے“ انگلستان کی لبرل پارٹی نے بھی یہی راے اختیار کر کے اون مصلحان سلطنت عثمانیہ کی کوششوں میں ناکامیابی کے واسطے حتی الامکان سعی کی۔ جسکی بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اگرچہ اس اعلان میں بعض چیزیں غیر مکمل اور ناقص تھیں لیکن ایک ساتھ بعض چیزیں ایسی بھی تھیں جن کے فوری مفید ہونے پر کسی طرح پرکار نہیں ہو سکتا۔ اور جن کے ذریعہ سے آئندہ ترقی کے لئے ایک راستہ کھلا جاتا تھا۔ اس اعلان کے ذریعہ سے پارلیمنٹوں کے عوامی جلسے منعقد ہوئے وہ بہت زیادہ اطمینان دلانے والے تھے۔ اور اون سے ظاہر ہوتا

کہ ممبروں نے یہ ارادہ کر لیا ہو کہ اون کی مداخلت گورنمنٹ کے معاملات میں حقیقی ہوگی۔

پارلیمنٹ کے مختلف اقوام کے ممبروں میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ دستار بند ملا۔ خوفناک۔ اور عیسائیوں کے منتخب کئے ہوئے ممبر سب یکدل ہو کر اس جدید انتظام کو اپنے ملک کی منسلح کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور نہایت آزادی کے ساتھ گورنمنٹ کی ہر ایک کارروائی پر نمکے چینی کرتے تھے۔ اور ان تمام چیزوں کو جو صوبہ جات میں پہلی ہوئی تھیں پیش کرتے تھے۔ اور ان مقام مالی درخواستوں کو جن کو وہ بے ضرورت یا زیادہ بہتر قرار دے سکتے تھے۔

فی الحقیقت اس سے زیادہ کوئی چیز امید دلانے والی نہیں ہو سکتی تھی۔ جو لوگ عثمانی پارلیمنٹ کے خیال پر بیستے تھے اور یہ پیشین گوئی کرتے تھے کہ وہ بالکل گورنمنٹ کے اشاروں پر کام کرے گی۔ اب انہوں نے نہایت ایمانداری کے ساتھ نتائج ظاہر کیا۔ اور اس آزادی پر جو کہ پارلیمنٹ کو ملتی تھی نہایت آفرین کی۔

جن اب اس وقت قسط طینہ چھڑکا رہا تھا۔ اس لئے ان کارروائیوں کے نسبت کوئی ذاتی علم ظاہر نہیں کر سکتا۔ لیکن لندن مائیکر رینیز و دوسرے اخباروں کے کار سپانڈنٹ اس جرئت اور

دعوے کی شہادتیں جو پارلیمنٹ کی ہر اجلاس میں ظاہر ہوتی ہیں اور جس  
 طور سے کہ چیمبر نے گورنمنٹ کی کارروائیوں پر اعتراض کیا۔ اور مختلف  
 وزراء سے اون کی کارروائیوں کے نسبت جواب طلب کئے گئے  
 اون میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ اس پارلیمنٹ میں ہر قوم کے چیدہ  
 چیدہ لوگ ہیں اور اب جبکہ صرف رعایاء اور پاشاؤں کے درمیان  
 رکھیا ہے۔ دو سال تک رعایا اور سلطان اور اون کے اعلیٰ عہدہ داروں  
 میں ایک کشمکش جاری رہی۔ مگر انگلستان نے بد قسمتی سے ایسے  
 وقت میں جب کہ وہ لوگ ذی اقتدار تھے جبکہ دوسرے ملک کی آزادی  
 دیکھ کر خوش ہونا چاہتے تھے (یعنی فرقہ لبرل) ایسے فرقہ کی تائید کی  
 جو آزادی کا مخالف تھا۔

اس امر کا فیصلہ کرنا کبھی شکل ہی کہ اگر یہ لوگ اوس مدد سے محروم  
 نہ کئے جاتے جسکے وہ درحقیقت مستحق تھے تو اون کو کہاں تک کامیابی  
 ہوتی۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ اگر سلطنت عثمانیہ کے  
 قابل افسوس بد انتظامیوں کا کوئی علاج ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسی طور  
 ہو سکتا ہے کہ وہاں کے سلطان اور اعلیٰ عہدہ داروں پر ایک  
 قوی مزاحمت قائم کی جائے۔ خود مختار پادشاہ اور اون کے عہدہ دار  
 اپنے اختیارات میں کسی طور کی کمی نہیں پسند کرنے۔ اور چونکہ  
 کوئی آزادی حاصل کی ہے اون کو نہایت مشکل کے ساتھ اوس کی  
 حفاظت کرنی پڑتی ہے۔

پس یہ امر تعجب انگیز نہیں ہے کہ انگلستان کی غفلت اور بی پروائی  
 کی وجہ سے سلطان کو اس امر کی جرأت ہوئی کہ وہ اپنی اختیارات  
 مسلوبہ کے دوبارہ حاصل کرنے کی تدابیر کرنے لگے۔ چونکہ  
 اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے  
 فرقہ مسلح ملک کے سرگروہ کو علیحدہ کر دینا نہایت ضرور تھا۔  
 سلطان اس امر سے واقف تھے کہ محنت پاشا کا علیحدہ کر دینا  
 انگلستان کے کسی فرقہ کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ ہر فرقہ نہایت  
 بے رحمی کے ساتھ محنت پاشا پر حملہ کر چکا تھا۔ اور کانفرنس منعقدہ  
 قسطنطنیہ بھی محنت پاشا کو اسوجہ سے ناپسند کرتی تھی کہ انہوں نے  
 اودن تمام تجاویز کو جو سفیر کے اشارہ سے پیش ہوئیں تھیں۔ بحسبہ  
 منظور نہیں کر لیا تھا۔ غالباً لوگ اس وقت بھول گئے۔ کہ صرف دو اہم  
 ایسے تھے جنکو محنت پاشا نے کی طور سے منظور کرنا پسند نہیں کیا  
 اودن میں سے ایک یہ تھا کہ مختلف صوبوں کے گورنر تمام سلطنتوں کی  
 منظوری سے مقرر ہوں۔ لیکن اس کا تجربہ بلگیریا اور مشرقی رومیلیا  
 میں ہو چکا ہے۔ اسکی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ محنت پاشا کی اعتراضات  
 استدراجیانہ تھے جیسے کہ اس وقت ظاہر کئے جاتے تھے۔

سلطان نے نہایت آسانی سے ایسے شخص کو علیحدہ کر دیا  
 جسکی موجودگی میں اصلاحات کا منسوخ کرنا نہایت مشکل تھا۔  
 یہ شخص اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ محنت پاشا کی طور سے

جلال دہنی مین مر گئے۔ اور سلطان عبدالحمید خان نے کس طور سے اپنے شخصی اقتدارات بغیر کسی قسم کی جمہوری یا کسی دوسری حمایت کے دوبارہ حاصل کر لئے۔ اور کس طرح گورنمنٹ عثمانیہ کے مہذب بنانے کی امیدیں خاک مین مل گئیں۔ اور کس طور سے سلطنت عثمانیہ کی حالت ہر ایک اسبق زمانہ سے زیادہ مایوس کرنے والی اور بدتر ہو گئی۔

## مترجم

مسعود علی۔ بی۔ اے نظم پیشی وزیر صیغہ کو تو الی سرکار علی

اطلاع اس ترجمہ کی حسب ضابطہ رجسٹری ہو گئی ہے بلا اجازت پین



واسطے سند اس بات کے یہ کتاب طبع کی ہوئی مطبع غفر لدن کی ہے اس لئے مہر و دخط مہتمم مطبع کی ثبت کی گئی۔

العبد

محمد علی







# اشتراک

شیر الکلہ ترجمہ "ہنٹس اون ایڈوکیسی" مصنفہ مسٹر ریچرڈ میرس بیئرٹر لیٹ  
 ڈل ٹیپل بلینڈ ٹرنوینٹ کوئینز کونسل انگلستان جو کہ اینہایت تجربہ کار اور مشہور بیئرٹر ہیں اور  
 اپنے ذاتی اور دیگر مشہور بیئرٹروں کے مختلف تجربوں کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کر کے چھاپا ہے  
 انگلستان جیسے مہذب اور علم دوست ملک میں یہ پہلی کتاب ہے جس کے ذریعہ سریشہ وکالت کو عملی نقاد  
 اور نوید جو تجربہ اور کام کرنے سے معلوم ہو ہیں بتائے گئے ہیں۔ اس کی ضروری اور مفید ہو  
 اس امر سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ دس سال کے عرصہ میں یہ کتاب مرتبہ طبع ہو چکی ہے جس کا ہر  
 اوشین غالباً پچاس پچاس ہزار سے کم ہو گا ان تمام کے معلوم ہونے کے بعد مولانا مولانا  
 مسعود علی صاحب بی۔ اے۔ (مدرسۃ العلوم) منظم مشرقی زبان شہاب جنگیلا در ذریعہ صیغہ کو  
 و امور عامہ وغیرہ نے اس کتاب کو اپنے بعض وکالت پیشہ اجاب کے اصرار سے اردو میں ترجمہ  
 تاکہ حیدرآباد اور دوسرے مقامات کو کلاز عدالتوں کو رٹ انسپکٹروں اور مختاروں کو بھی اس  
 فائدہ پہونچے چنانچہ اس کو کتابت مشرق کے ساتھ مطبع مصید عام آگرہ میں  
 کر لیا ہے۔ بہ نظر سہولت خریداروں کے اسکی قیمت لگو سکے عالی ہے کہ گذار  
 ہے۔ مخصوص ذاک ہر حالت میں بدمہ خریدار ہے۔ تجارت پیشہ لوگوں  
 یہ کی کتاب میں خرید کر ان کے میں و بچہ سیکرٹیشن دیا جائے گا  
 اس کی تمام شہرت ان ذیل کے باب سے کتاب بدمہ و بچہ و بچہ و بچہ  
 خدمت وصال ہوئے ہر اس سال کے

